

عمران سیریز جلد نمبر 12

همبگ دی گریٹ

39 - ہیروں کا فریب

40 - دلچسپ حادثہ

41 - بے آواز سیارہ

42 - ڈیڑھ متوا لے

ابن صفحی

پیشہ

لاہور سے ایک صاحب لکھتے ہیں کہ میرے دو ناول ”پھر کاخون“ اور ”شفق کے پچاری“ انگریزی کے ناولوں سے برا اور است ہتھیار لئے گئے ہیں! ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ انہوں نے صرف دو ناولوں کا تذکرہ کر کے مجھ پر بے حد رحم کیا ہے۔ بہترے حضرات تو میری ساری کہانیوں کو ”مال مسرودہ“ قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ میں جاسوسی دنیا کے ڈائمنڈ جوبلی ایشو میں ان چند ناولوں کا تذکرہ کر پا ہوں جو جزوی یا کلی طور پر انگریزی سے مستعار ہیں۔ یہ تعداد میں صرف سات ہیں! تفصیل ڈائمنڈ جوبلی نمبر کے پیش لفظ میں ملاحظہ فرمائیے!

اس قسم کی خیال آرائیوں پر مجھے عموماً بھی آتی ہے! بھی ہی آنی چاہئے! تاؤ کھانے کی قطعی گنجائش نہیں! کیونکہ ڈیڑھ سو سالہ علامی نے ہمیں من جیث القوم جس احساسِ مکتری میں بٹلا کر دیا ہے اس سے آہستہ آہستہ ہی نجات ملے گی۔ فوری طور پر گلو خلاصی ممکن نہیں۔ ہمارا عالم یہ ہے کہ جہاں کسی مصنف کی کوئی تخلیقِ عام روشن سے کچھ مختلف نظر آئی! فور اخیال گزرتا ہے کہ ہوتہ ہو کسی مغربی مصنف پر ہاتھ صاف کیا گیا ہے۔ شاید ہم یہ سوچ ہی نہیں سکتے کہ ہم خود بھی کسی قبل ہیں۔ موجودہ حکومت کے دور سے پہلے نہ جانے کتنا پاکستانی کپڑا ”میڈ ان الگینڈ“ کے دھوکے میں پہن ڈالا گیا۔ دو گئے اور تین گئے دام ادا کر کے بھی بغلیں بجائی گئیں۔ لیکن جب مارشل لانا فنڈ ہوا تو آنکھیں کھلیں کہ ارے یہ تو پاکستانی ہی کپڑا تھا جو دل لا کتی کے نام سے اتنا گراں فروخت ہوا کرتا تھا۔

ہاں تو اب ان دوست کی خدمت میں گزارش ہے کہ ”پھر کاخون“ اور ”شفق کے پچاری“ دونوں اور یکجہل ہیں۔ اگر آپ انہیں انگریزی سے سرقہ ثابت کر سکیں تو مجھے آپ کی اس صلاحیت پر بیحد

خوشی ہوگی! خالی خوشی ہی نہیں بلکہ میں بطور اظہار عقیدت ان کی خدمت میں کوئی تحریر تخفہ بھی ضرور پیش کروں گا۔ انگریزی کے ان دونوں تادلوں کے نام لکھ سمجھیے کہ کس بنا پر آپ کو سرتقاہ کا شہر ہوا ہے! دلائل ضروری ہیں۔

دوسرے صاحب نے مشورہ دیا ہے کہ میں ارل اسٹینٹے گارڈنر کی طرح لکھا کروں۔

کیوں لکھا کروں بھائی..... کیا آپ گارڈنر کو مشورہ دے سکیں گے کہ وہ میری طرح لکھا کریں۔ ویسے آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ گارڈنر کی کہانیوں کے ترجمے اردو میں قطعی نہیں چلتے! اور انگریزی میں بھی ان کے پڑھنے والوں کا ایک مخصوص حلقة ہے۔ ہر طبقے میں ان کی کتابیں مقبول نہیں ہیں۔

بحمد اللہ آپ کے اس تحریر پاکستانی مصنف کی کتابیں ہر طبقے میں پڑھی جاتی ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ کسی کی نقلی کر کے خود کو مدد و کر لے! میرا پناالگ انداز ہے اور میں اس پر مطمئن ہوں۔

تیسرا صاحب نے "ظلمات کا دیوتا" میں ڈیویز سیفی یمپ کے استعمال پر اعتراض کیا ہے۔ بھائی آپ اس مکملے کو دوبارہ پڑھئے اس سے کب مترشح ہوتا ہے کہ وہی ڈیویز سیفی یمپ کا اصل استعمال ہے۔ لیکن آپ مجھے یہ ضروری لکھئے کیا سیفی یمپ تیز ہوا میں بھج سکتا ہے؟ چلے یہ صفحہ بھی ختم۔

این صفحہ

۳۰ نومبر ۱۹۵۹ء

عمران نے کار روک دی۔ اوس سری کار نے پچھے اسی طرح راست روک رکھا تھا کہ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ جوزف نے کچھی سیٹ سے کسی سانحورہ سارس کی طرف نہ روانہ ان اہمیتی اور وند اسکرین سے باہر دیکھنے لگا۔

گازی سڑک پر ترچھی کھڑی تھی اور کوئی اس کے نیچے چت لیتا ہوا شاید نئی موقع طور پر پیدا ہو جانے والے کسی شخص کو دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کی ناگلیں نظر آرہی تھیں! عمران نے غالباً نیچے اترنے والی کار اسے کھڑکی پر ہاتھ رکھا تھا کہ اچانک جوزف بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ "خبردار باس...! ناگلیں دیکھ کر!"

عمران نے پلٹ کر الوں کی طرح آنکھوں کو گردش دی اور جوزف بکایا۔ "تین کے... دیکھنا بہاس! بیرون میں اوپنجی ایڑی والے سینڈل ہیں!۔"

"ہوا کریں....!" عمران نے لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دیتے ہوئے کہا۔ "نیلی پتلوں بھی تو ہے.... گالوں پر ڈاڑھی ضرور ہوگی!"

"باس خدا کے لئے....! جوزف گھاٹھیاں...! اوپنجی ایڑی...!"

"ہونت بند کرو....!" اس نے تھپٹ مارنے کے سے انداز میں ہاتھ چالایا اور جوزف بیکھا کر ایک طرف ہٹ گیا۔

اب عمران اپنی کار سے اتر کر دوسرا گازی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ فاصلہ سو فوت سے زیادہ تر رہا ہو گا....! نیلی پتلوں والی ناگوں میں جنبش ہوئی اور پھر پورا جسم گازی کے نیچے تکل آیا۔ یہ ایک لڑکی تھی۔ عمر بیس اور پچیس کے درمیان رہی ہوگی۔ قبول صورت بھی تھی اور

صحت مند بھی..... گھوری جیکٹ اور نیلی پتوں میں خاصی فخری تھی! ہمچنان کہ گاڑی غلط کھڑی کی ہے میں نے....! اس نے مسکرا کر بے باکانہ انداز میں کہا۔ عمران کے چہرے پر پوری حمافت طاری تھی....! اس نے بوکھلائے ہوئے مجھے میں جواب دیا۔ ”جی نہیں....! قطعی نہیں ہرگز نہیں!“

”محض اس لئے یہ غلطی کی تھی کہ کوئی شریف آدمی اپنی گاڑی روک کر میری مدد کرے۔!“ ”ضرور کرے گا.... ضرور کرے گا....!“ عمران بولا۔

”تو پھر سمجھے مدد.... میں ہالی ڈے کیپ جاہی تھی! یہاں یہ مصیبت نازل ہوئی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں....!“

”اوہو....!“ عمران خوش ہو کر بولا۔ ”ہیں تو مجھے بھی جاتا ہے۔!“ لیکن پھر اس نے منہ لکالیا....! ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے بیک وقت کئی دشواریاں پیش آئی ہوں۔!

”کیا سوچنے لگے آپ....!“ لڑکی پچھہ دری بعد بولی۔

”کسی دوسرے شریف آدمی کا انتظار کرتا پڑے گا۔!“ اس نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”کیوں....?“

”ایک سے دو شریف بھلے ہوتے ہیں....! ہو سکتا ہے وہ کوئی مفید مشورہ دے سکے۔! میری سمجھ میں تو نہیں آتا کہ کیا کرنا چاہئے۔!“

”ذرا مشین دیکھ لیجئے۔!“

عمران نے تیزی سے آگے بڑھ کر بونٹ اٹھایا اور انجن پر سرسری نظر ڈال کر بولا۔ ”ٹھیک تو ہے۔!“

”کیا ٹھیک ہے....؟“

”مشین....!“

”کمال کرتے ہیں آپ بھی۔ پھر اسارت کیوں نہیں ہوتی۔!“

”پتہ نہیں آپ کیا چاہتی ہیں۔!“ عمران اپنے چہرے پر الجھن کے آثار پیدا کر کے بولا۔

”خدا کی پناہ....!“ وہ اسے گھورتی ہوئی بولی۔ ”اتھی سی بات آپ کی سمجھ میں نہیں آئی۔!“ ارے میں اپنی گاڑی سمیت ہالی ڈے کیپ پہنچنا چاہتی ہوں۔ وہاں ایک گیراج بھی ہے۔ گاڑی کی

مرمت ہو سکے گی۔!“

”اف فوہ....! تو پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔!“ عمران نے کہا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

یہ عمران کی گاڑی تھی اس لئے اس میں کم از کم اس تم کی چیزیں تو ہوئی ہی چاہئے تھیں جو اس کے پیشے کے اعتبار سے وقت ضرورت کام آسکتیں۔ ”لیکن رسی....؟“

اس سفر کی نوعیت تقریبی تھی....! پچھے دن سکون سے گدارنے کے لئے ہالی ڈے کیپ جا رہا تھا اس لئے رہی ساتھ لئے پھر نے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن اس نے گاڑی کی ڈکی سے کافی مضبوط رہی کا ایک لچاٹا کالا....! ہو سکتا ہے کبھی کسی ضرورت کے تحت وہاں ڈال دیا گیا ہو، جو آج تک پڑا ہی رہ گیا تھا۔!

بہر حال اس کے ہاتھ میں رسی کا لچاٹا کیکر لڑکی کا چھڑ چک اٹھا۔

”جوزف....!“ عمران رسی بہلاتا ہوا بولا۔ ”نیچے آؤ۔!“

جوزف گاڑی سے اتر آیا لیکن انداز سے نہیں معلوم ہو تا تھا کہ اسے عمران کا رد یہ پسند آیا ہو۔!

”باس دھوکا بھی ہو سکتا ہے۔!“ اس نے آہستہ سے کہا۔

”پلو....!“ عمران اُسے دھکا دے کر آگے بڑھاتا ہوا بولا اور لڑکی کو اشارہ کیا کہ وہ اپنی گاڑی میں بیٹھ جائے....! لڑکی نے اندر بیٹھ کر اسٹرینگ سنجھاں لیا۔!

پھر اس وقت تک خاموش بیٹھی رہی جب تک عمران اس کی گاڑی کے اگلے حصے میں رسی کے پھندے ڈالتا رہا۔ لیکن جیسے ہی دوسرے اسرا جوزف کی کرسے پیٹھنے لگا وہ بوکھلا کر بولی۔

”ارے.... ارے.... یہ کیا....!“

ساتھ ہی جوزف نے کبھی بھرائی ہوئی آواز میں کہا تھا۔ ”یہ کیا کر رہے ہو بس....!“ لیکن عمران نے کسی کو بھی جواب دیئے بغیر گرہ لگادی اور پھر جوزف کا شانہ تھپکتا ہوا بولا۔ ”ہالی ڈے کیپ.... سر پٹ....!“

”یہ کیا کر رہے ہیں آپ....!“ لڑکی جھنجھلا کر گاڑی سے اتر آئی۔

”بے فکر رہئے....!“ عمران احمقانہ انداز میں بولا۔ ”بہت ہوشیار ہے.... حلق سے انجن کی

آواز بھی نکالے گا اور ہارن بھی دے گا۔ بس آپ اسٹرینگ کرتی رہئے گا۔!

”یہ ناممکن ہے بس....!“ جوزف نے غصیلی آواز میں کہا۔ ”کوئی عورت مجھے ڈرائیو نہیں

کر سکتی!

”کیوں شامت آئی ہے اگر مجھے غصہ آگیا تو تمہیں کھیاں اور نیوٹنیاں بھی، رانیوں کریں لی۔“

”آپ عجیب آدمی ہیں۔“ لڑکی گردان جھنک کر بولی۔ ”ارے رسی کا دوسرا اسر اپنی گاڑی میں کیوں نہیں باندھتے!“

عمران نے آنکھیں نکالیں اور پھر کسی سوچ میں پڑا۔ آخر تنویر کن لمحے میں بوال۔ ”مگر یہ کیسے ممکن ہے...! میری گاڑی آپ کی گاڑی کے پیچے ہے اس طرح تو ہم پھر شہر ہی، واپس پہنچ جائیں گے۔ ایکوں جوزف...!“

”میں کچھ نہیں جانتا...!“ جوزف غرایا۔ ”میری عقل خبط ہو کر رہ گئی ہے... کوئی ڈھنگ کی بات نہیں سوچ سکتا!“

”میں کہتی ہوں...! آپ کی عقل کہاں ہے۔!“ لڑکی ہاتھ پناک کر بولی۔ ”یا آپ اپنی گاڑی آگے نہیں لاسکتے!“

”آ... ہاں... واہ...!“ عمران اچھل پڑا۔ ”یہ نہیں ہے...! پہلے کیوں نہیں بتایا تھا۔!“ پھر جوزف نے زور لگا کر گاڑی اس طرح ایک طرف ہٹائی کہ دوسرا گاڑی تو آگے بڑھانے کے لئے کافی بُلکل آئی۔



دارالحکومت کے باشندے جب ہالی ڈے کیمپ کا تذکرہ کرتے ہیں تو مراد ہوتی ہے سردار گذھ اور سردار گذھ والے ایک مخصوص حصے کو ہالی ڈے کیمپ کہتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی پیاریوں کے درمیان ایک خوب صورت سی جھیل ہے جس کے چاروں طرف لکڑی کے بے شمار جھونپڑے بکھرے ہوئے ہیں۔ سرخ، سبز اور زرد... سرخ جھونپڑے میڑہ، ہوٹل کے تحت ہیں۔ سبز جھونپڑوں کا انتظام اسٹار ہوٹل والے کرتے ہیں اور زرد جھونپڑے میٹپ ناپ کی ملکیت ہیں...! یہ کوئی موکی تفریق کا گھنیمی ہے۔ سال بھر ان تینوں ہوٹلوں کا بُرنس دھرے سے چلتا ہے۔ دارالحکومت کے تھکے ہوئے ذی شیشیت لوگ عمما دھری ہر رخ کرتے ہیں!

شام کا سورج یہاں بڑی رنگینیاں بکھیر دیتا ہے۔ جھیل کے بھرے سینے پر نارنجی رنگ کے چک داہ لہریے ناپتے رہتے ہیں۔ مچھلوں کی تاک میں منڈلانے والے پرندوں کی تیز سیماں دوڑ

دور نکل چھلیتی ہیں۔ بزرے سے ڈھکی ہوئی پیاریوں اور نکلیں جھوپڑوں کا عکس جھیل کی مرتعش سطح پر عجیب سامان پیش کرتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کسی آتائے ہوئے مسوروں نے کتنی رنگ کیواں پر چھڑک دیئے ہوں اور انہیں بے ترتیبی سے چاروں طرف پھیلا دا چا آیا ہو۔!

تیراکی کے گھاث پر صبح سے شام تک میلے ساگار ہتا ہے۔! چاروں طرف مختلف رنگوں کی پھریاں بکھری ہوئی نظر آتی ہیں جن کے نیچے تیراکی کے لباس میں بھانست بھانست کے جنم دکھائی دیتے ہیں۔!

آج تو یہاں بہت بھیڑ تھی۔ خود سردار گذھ ہی نے یہاں کی آبادی بڑھا دی تھی۔ اکیوں نا۔ آج اتوار تھا...! تیراکی کے گھاث پر تل رکھنے کی بھی جگہ نہیں تھی۔!

عمران اور جوزف بھی ایک چھتری کے نیچے بیٹھے صحیح معنوں میں اوگ رہتے تھے۔

یک یہک جوزف پچوک کر بولا۔ ”باس ایک بات سمجھو میں نہیں آتی!“

”دوسری کب سمجھ میں آتی ہے...؟“ عمران نے آنکھیں نکالیں۔!

”نہیں پاس...!“ جوزف بے حد سنجیدہ نظر آرہا تھا۔ اس نے دو تین بار پلکیں ہٹپکائیں اور بولا۔ ”آخر یہ لوگ عورتوں کے ساتھ خوش کس طرح رہتے ہیں۔!“

”کیونکہ یہ صرف کان رکھتے ہیں۔! ازان نہیں رکھتے۔!“ عمران نے جواب دیا اور اس کی نظریں بے شمار ہشاش بشاش جوڑوں پر ریگنی چل گئیں۔!

جوزف نے نفرت سے ہاتھ سکوڑے اور آہستہ سے کچھ بڑیا۔

یہ دونوں تیراکی کے لباس میں نہیں تھے اور شاید یہی دونوں ایسے تھے جن کے ساتھ کوئی عورت بھی نہیں تھی۔ پھر بھی ہوٹل سے ایک چھتری تو لے ہی بڑھتے تھے۔!

چھتریوں کا انتظام ہوٹلوں ہی کی طرف سے کیا جاتا تھا!

یہ لوگ سبز جھونپڑے میں مقیم تھے اس لئے ان کی چھتری کا رنگ بھی بزر ہی تھا۔! ہو سکتا ہے رنگوں کی اس تقیم کا مقصد یہی رہا ہو کہ متعلقہ ہوٹلوں کے ملازمین اپنے گاہوں کو بے آسانی پہچان سکیں۔!

اس وقت تینوں ہی ہوٹلوں کی ٹرالیاں گھاث پر دوڑتی پھر رہی تھیں۔!

دفعاتا جوزف نے بھاڑ سامانہ پھیلا کر جاہی لی۔! غالباً سے قریب ہی کہیں کوئی شراب کی ٹرالیاں

نظر آگئی تھی۔!

”کاٹے گا کیا...؟“ عمران بوکھلا کر ایک طرف مکھلتا ہوا بولا اور جوزف نے بھر پور انداز میں دانت کھال دیئے...! پھر بولا۔ ”باس... کیا کسی تفریق گاہ میں بھی تمہارے سامنے نہیں پی سکتا۔!“

”پی کر دیکھو...!“

”مطلوب یہ کہ... اچھا تو پھر میں جھونپڑے میں جا رہا ہوں۔!“

”جہنم میں جاؤ...!“ عمران ہاتھ ہلاکر بولا۔

وہ قریب ہی کی ایک چھتری کے نیچے بیٹھے ہوئے لوگوں کی گھنگو بڑی دیکھی سے من رہا تھا۔ ایک آدمی غالباً نئے میں تھا وہ سروں سے کہہ رہا تھا۔ یہ راز ہے... ایک بہت بڑا راز کہ میں اتنے زیادہ ہوائی سفر کیوں کرتا ہوں۔... شاید کسی کوئی معلوم ہو سکے۔ یہ راز مرتبے دم تک میرے سینے ہی میں دفن رہے گا۔ میں بہت بد نصیب آدمی ہوں...! چھوٹا تھا تو باب شروع ہو جاتا تھا۔ اب یہوی ملی ہے تھا کیا کرتی تھی... اگر کبھی اسے توفیق نہیں ہوتی تھی تو باب شروع ہو جاتا تھا۔ خدا قسم زبر کی گانٹھ ہے... خدا کی پناہ۔ خیر یہ نارتی پیشی تو نہیں ہے لیکن زبان.... خدا قسم زبر کی گانٹھ ہے۔ بولتی ہے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے ہڈیاں چپا رہی ہو۔ خون پی رہی ہو... میں نہیں جانتا کہ محبت کس چیزیا کا نام ہے۔ ہوں تا بد نصیب... اسی لئے میں زیادہ ہے سے زیادہ ہوائی سفر کرتا ہوں۔!

”کیا بات ہوئی...؟“ اس کے ساتھی نے نوکا۔

”سبھنے کی کوشش کرو...! ایسے ہو شش... ہائے کتنی مٹھاں ہوتی ہے اس کی زبان میں کتنی خوش اخلاق ہوتی ہے وہ... ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تمہارے لئے آسمان سے تارے توڑ لائے گی۔ خدا نے مجھے آدمی بنایا کہ مجھ پر ظلم کیا ہے۔ بنانا ہی تھا تو ہوائی جہاز بنایا ہوتا۔ کم از کم دو چار ایسے ہو سبز تورہا کر تیس ہر وقت۔!

”اس باسرہڑ کی بات سن رہے ہو بس...!“ جوزف کسی لکھاٹنے کتے کی طرح غریا۔

”اپے تو تیرا دم کیوں نکل رہا ہے۔!“

”پچھے نہیں یہ سب کس مرغی کے اٹھے سے پیدا ہوئے ہیں...! ہر وقت عورت عورت عورت.... اررر... ہوف.... یب.... بس....! وہ اوہر ہی آرہی ہے۔!“

”کون...!“

”وہی کل والی لڑکی.... وہ دیکھو...!“

وہ تیر اکی کے بس میں تھی اور تیر کی طرح انہیں کی طرف آرہی تھی...!

”میں بالکل گدھا ہوں بس...!“ جوزف نے معنی خیز انداز میں سر بلاؤ کر کہا۔ ”لیکن مجھے یہ لڑکی بالکل پسند نہیں ہے۔!“

”پسند کر کے دیکھو...! کیا حشر کرتا ہوں تمہارا... گدھوں کی حسن پر سمجھے ذیز ہ آنکھ نہیں بھاتی.... سمجھے۔!“

جوزف نہ اسامنہ بنائے ہوئے اٹھ گیا۔!

”اوہ... آپ تو غائب ہی ہو گئے...!“ لڑکی نے قریب آکر کہا۔

”نہیں تو...!“ عمران نے بوکھلائے ہوئے انداز میں نیچے سے اوپر تک اپنا جسم نہوتے ہوئے کہا۔ ”موجود تو ہوں شاید....!“

”مطلوب یہ تھا کہ پھر نہیں دکھائی دیئے تھے۔! آپ کا شکریہ تک نہیں ادا کر سکی تھی۔ اگر کل آپ مدد کرتے تو۔!“

”ارے وہ تو کچھ بھی نہیں۔!“ عمران خواہ خواہ ہنس کر بولا۔ ”دراصل دوسروں کو تکلیف میں دیکھ کر مجھے بڑی سمرت ہوتی ہے۔!“

”تکلیف میں دیکھ کر سمرت ہوتی ہے۔!“ لڑکی نے حیرت سے دہرا دیا۔

”مطلوب یہ کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ ہاں شاید سمرت میں دیکھ کر تکلیف ہوتی ہوگی۔ مگر پھر شاید میں غلط کہہ رہا ہوں۔! اچھا تو آپ ہی بتائیے کہ مجھے اس موقع پر کیا کہنا چاہتے۔!“

لڑکی ہنس پڑی۔ اور پھر جنیدگی اختیار کر کے اس طرح دیکھنے لگی جیسے اس کے متعلق اندازہ لگانے کی کوشش کر رہی ہو کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے۔!

عمران کے چہرے پر حماقت کے آثار گھرے ہوتے گئے۔!

”شاید آپ یہ کہنا چاہتے تھے کہ دوسروں کی خدمت کر کے آپ کو سمرت ہوئی ہے۔!“

”اوہ.... بالکل.... بالکل....!“ عمران خوشی کے مارے اچھل پڑا۔ ”بالکل یہی کہنا چاہتا تھا۔ پتہ نہیں کیوں جب میں بتیں کرنے لگتا ہوں تو میرا دماغ بالکل خالی ہو بنتا ہے... کل شاید

آپ نے مجھے اپنا متمام تالیخ تھا لیکن مجھے یاد نہیں!“
”مونا...!“

”لا حول ولا قوّة مجھے چونا یاد آ رہا تھا!“

”کوئی بات نہیں اب یاد رکھنے گا! آپ کیا کرتے ہیں!“

”کانج سے بھاگا کر تاہوں... اور کیوں نہ بھاگوں... بھلا مجھے اس کی کیا پروادا ہو سکتی ہے
کہ شیر شاہ سوری نے ہمایوں کے لشکر پر کتنے شب خون مارے تھے!“

”اوہ ہو...! تو آپ اسموڈنٹ ہیں... اور پڑھنے سے جی چراتے ہیں!“

”بس بس ختم...!“ دفتار عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”آپ ہماری ابا جان نہیں ہیں۔ ان
کے انداز میں گفتگو نہ کیجئے...! وہ یہ اچھی مصیبت ہے...! ایسی باتوں سے کہیں نجات نہیں
ملتی...! مگر سے بور ہو کر بھاگے تو یہاں بھی وہی چرخ... جی ہاں...! ہم پڑھنے سے جی
چراتے ہیں... پھر آپ کیا لگا لیں گی ہمارا!“

”ارے تو خفا ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے یو نہیں کہہ دیا تھا!“

”سب یو نہیں کہہ دیتے ہیں۔“ عمران تے روٹھے ہوئے انداز میں کہا۔

”وہ کلا آدمی کون ہے...!“ مونا نے پوچھا۔

”عذاب جان ہے!“

”باس کہہ کر مخاطب کرتا ہے آپ کو!“

”نشے میں باپ بھی کہنے لگتا ہے حالانکہ اس کے باپ بننے سے کہیں زیادہ بہتر یہ ہو گا کہ ہ
ایک بوری کو نکلہ چاکر سر جائیں!“

”آپ عجیب آدمی ہیں کسی بات کا ذہنگ سے جواب ہی نہیں دیتے!“

”امتحان میں بھی ہمارا یہی حال ہوتا ہے۔ اسی لئے ہم فور تھے ایئر میں پانچ سال سے مت
ہیں...! کسی کو بھی ہم میں کسی قسم کا ذہنگ نظر نہیں آتا!“

”آپ کے والد صاحب کیا کرتے ہیں!“

”جھک مارا کرتے ہیں۔! ہماری بلا سے...!“ تین موئی سی بات ان کی آئندہ میں نہیں آتی
اگر ہم نے بی اے پاس کر لیا تب بھی شہزادے ہی کھلا میں گے اور نہ کیا تب بھی شہزادے

کھلا میں گے!“

”اوہ تو شہزادے ہیں آپ...!“

”عرفیت ہے ہماری...!“ عمران نے شرما کر سر جھکایا۔

”میں اس کا لے آدمی کے متعلق پوچھتے ہیں۔ ہم تو ان کے پٹھے ٹھہرے!“

”سب اسی کے متعلق پوچھتے ہیں۔ ہم تو ان کے پٹھے ٹھہرے!“

”آپ سمجھے نہیں! مطلب یہ تھا کہ ایسے ملاز میں صرف بڑے آدمی رکھتے ہیں۔ میں نے
تو یہاں کسی کے پاس بھی نیکرو نہیں دیکھا!“

”وہ سب بڑے آدمی ہیں، جو نیکرو نہیں رکھتے۔ اس نے تو ہماری منی پلید کر رکھی ہے۔
کبھی کہتا ہے باس اونٹ کی سواری صحت کے لئے بہت مفید ہے کبھی کہتا ہے کہ تپ دق سے بچتا
ہے تو تم کیا پالنا شروع کر دو!“

”اوہ...!“ یک بیک لڑکی اچھل پڑی۔ لیکن وہ عمران کی بات پر تو نہیں اچھلی تھی۔ اشایہ
سن بھی نہیں رہی تھی کہ وہ کیا بیک رہا ہے۔ اس کی توجہ کامرا کرایک لپاٹ آدمی تھا۔
پہیوں دار کرسی پر بیٹھا وہ اسی طرف آ رہا تھا!

”دیکھا... دیکھا سو کو...!“ لڑکی بڑا بڑا۔ ”اب ایسا بن گیا ہے جیسے مجھے دیکھا ہی نہ ہو!“
پانچ طاہری حالت نے کھاتا پیتا آدمی معلوم ہوتا تھا۔ جسم پر قیمتی لباس اور انگلیوں میں
حوالہات کی انگشتیاں تھیں۔! گھنی اور چڑھی ہوئی موچھوں میں خاصا بار عرب بھی لگاتا تھا۔
”ہ ان کے قریب سے گذر گیا۔ اور مونا جلے کئے انداز میں آہستہ آہستہ اسے گالیاں دیتی
رہی۔!

”ارے نہیں!“ دفتار عمران بولا۔ ”چھچوندر کا پچھہ نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی موچھیں تو
دیکھو...!“

”میرا بس چلتے تو اس کی موچھیں اکھاڑوں۔ کمینہ کہیں کا!“

”مضبوط ہوتی ہیں۔!“ عمران نے مایوسانہ انداز میں سر بلاؤ کر کہا۔

”تم پوچھتے نہیں کہ میں اسے گالیاں کیوں دے رہی ہوں!“ ”مونا جھنجھلا گئی۔

”پوچھتا چاہئے۔!“ عمران نے سوالیہ انداز میں آنکھیں نکالیں۔

رکھتی تھی....! تھوڑی دیر میں وہ سب کچھ بھول گیا۔!

گھٹاں پر قبیلے گو نجتے رہے۔ اشام تک موسم ہی تبدیل ہو گیا۔....! مغرب سے کالے کالے
بادل اٹھے اور دیکھتے ہی دیکھتے پورے علاقے پر چھا گئے۔....! طوفان کے آثار تھے۔!

یہاں طوفان تو آتے ہی رہتے تھے لیکن یہ طوفانوں کا موسم نہیں تھا اس لئے مقابی لوگوں
کے چہروں پر بھی تشویش کے آثار پائے جادہ ہے تھے۔!

بہر حال موسم کی اچاک تبدیلی کی بناء پر جھوپڑے قبل از وقت آباد ہو گئے۔ ورنہ اندر ہیرا
چینے سے پہلے عموماً لوگ کھلے ہی میں مختلف قسم کی تفریحات میں مشغول رہتے تھے۔!

عمران جیسے ہی اپنے جھوپڑے کے قریب پہنچا جوزف کی کرخت آواز سنی۔ وہ غالباً کسی سے
چکر رہا تھا۔! پھر کسی عورت کی آواز سنائی دی۔! وہ بھی کم غصے میں نہیں معلوم ہوتی تھی۔!
جھوپڑے میں قدم رکھتے ہی مونا نظر آئی۔!

عمران کی آہٹ پر وہ دروازے کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔!

”یہ بہت بیوودہ ہے۔ بہت بد تیز ہے۔!“ مونا طلق پہاڑ کر دہڑی۔

”زبان سنجالو.... زبان سنجالو....!“ جوزف غریا۔

”خاموش رہو....!“ عمران نے مکاہلا کر کہا۔ ”دونوں خاموش رہو۔ ورنہ ہم کتوں کی طرح
بھوکنا شروع کر دیں گے۔! بھاری اور سریلی آوازوں کی میاہوں میاہوں اور بھوں بھوں ہمارے
ذہن پر بہت بُرا اثرِ ذائقی ہے۔!

دونوں ایک پل کے لئے خاموش ہو گئے۔! پھر جوزف نے کہا۔ ”میں اسے برداشت نہیں
کر سکتا۔!

”یہ بکواس کر رہا ہے۔!“ مونا بول پڑی۔

”تم میری طرف دیکھ کر اس طرح نہیں مسکرائی تھیں۔!“ جوزف نے جھلاتے ہوئے انداز
میں مسکراہٹ کی نقل اتنا رہی۔ ”کیوں مسکرائی تھیں۔!

”اس سے کھوز بان بند کرے درنہ گولی مار دوں گی۔!“ مونا پھر گئی۔

”ٹھیک ہے۔!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”پہلے تم اسے گولی مار دو۔ پھر ہم اطمینان سے گفتگو
کر سکیں گے۔!

”قدرتی بات ہے۔ پتہ نہیں تم کیسے آؤ ہو۔!“ لجھ میں جھلاتہ اب بھی باقی تھی۔!

”آہ....! اب سمجھے۔!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اب ہم سمجھے کہ ہماری آنٹی پچھلے سال سے
ہم سے کیوں خفا ہیں۔!

”کیا مطلب....!

”انہوں نے انکل کو گالیاں بھی دی تھیں اور چپل اٹھا کر نارے بھی دوڑی تھیں۔ لیکن ہم
نے ان سے اس کی وجہ نہیں پوچھی تھی۔! شاید اسی لئے وہ ہم سے ناراض ہیں۔!

لڑکی کچھ بولی نہیں۔! بس اسے گھوڑتی رہی۔! پھر کچھ دیر بعد اس نے کہا۔ ”یہ انگڑا بہت نہ
آدمی معلوم ہوتا ہے۔! انکل سے مجھے پریشان کر کر کھا ہے اس نے۔!

”اوہ....!

”ابنی طرف متوجہ کرنے کے لئے سیٹھاں بجا تا ہے۔! بے ہنگم آواز میں گاتا ہے۔! بہت
بیوودہ ہے۔! میں اسے سبق دینا چاہتی ہوں۔ اب اس وقت تمہیں دیکھ کر اس طرح انجان بنا ہوا
قریب سے گذر گیا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔!

”ہم سے ڈر گیا۔....؟“ عمران خوش ہو کر بولا۔

”اور کیا اس کے علاوہ اور کیا کہا جائے گا۔!

”تب پھر ہم اسے ضرور ماریں گے۔!“ عمران نے آستینیں چڑھاتے ہوئے کہا۔

”نہیں.... یہ نہیں....! دوسرا اسکیم ہے۔!

”کیا....!“ عمران نے رازدار نہ انداز میں آہستہ سے پوچھا۔

”ما پیٹ واہیات چیز ہے....! ایسا سبق دیا جائے جو ہمیشہ یاد رہے۔!

”اچھا....!“ عمران نے پلکیں جھپکائیں۔

”اگر تم مدد کرو تو ممکن ہے۔!

”ضرور کریں گے مگر بتاؤ بھی تو....!

”ابھی نہیں، شام کو....! میں نے تمہارا جھوپڑا دیکھا ہے۔....! خود ہی آؤں گی.... تاتا۔!

وہ اٹھی اور ایک طرف چلی گئی۔ عمران انکل سے زمین پر آڑی ترچھی لکریں بنا نے لگا۔! اس

نے پایچ کو پونی سرسری طور پر دیکھا تھا اور لڑکی کی بکواس اس کی نظر وہ نہیں کوئی ابھیت نہیں

”باس...! میں خود ہی اپنا گلا گھونٹ لوں گا۔ اگر تم اس سفید بندریا کی طرف داری کرو گے۔“
”فی الحال دوڑ کر اسارے سے چیو گم کے ایک درجن پیکٹ لے آؤ۔“ عمران نے جیب سے پانچ
کافوٹ ہکال کر جوزف کی طرف بڑھاتے ہوئے کھل جوزف نے نوٹ لیتے وقت بہت بُرا سامنہ
بنا یا تھا اور پھر مونا کو خون خوار نظروں سے گھورتا ہوا جھوپڑے سے نکل گیا تھا۔
”تم پتہ نہیں کیسے آدمی ہو۔!“ مونا بولی۔ ”میں تو ایسے بد تمیز ملازم کو کبھی برداشت نہ
کروں۔!“

”بات کیا تھی۔!“
”کچھ بھی نہیں...! میں تمہاری تلاش میں آئی تھی۔ خواہ مخواہ چرانگ پا ہو گیا۔! کہنے لگا کہ
میں یہاں تھا ہوں۔! تم آزاد دیے بغیر کیوں گھس آئیں۔! میں شور چاکر پڑو سیوں کو الٹھا کروں
گا۔ پتہ نہیں کس قسم کا جانور ہے۔!
”اس جانور کی ماڈہ نہیں ہوتی۔! عدیم المثال ہے... مگر تم ہماری تلاش میں کیوں آئی ہیں۔!
”تم نے بھی ولیٰ ہی بے تکنی شروع کر دیں۔!
”اچھی بات ہے....! تم سرے سے یہاں آئی ہیں تھیں۔!
وہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر کیوں اس کے فولڈنگ اسٹول پر بیٹھتی ہوئی بڑی بڑی۔“ تم
دونوں مجھے پا گل بنادو گے۔!

عمران نے پہلی بار اسے ٹوٹنے والی نظروں سے دیکھا۔ لڑکی کا سر جھکا ہوا تھا اور وہ بھی
لیکن طور پر اس کی آنکھوں میں حیرت کے آثار دیکھتی۔
وہ کچھ دیر تک اسی طرح بیٹھی رہی پھر بولی۔ ”اگر مجھے اس لگڑے کو نیچانہ دکھانا ہوتا تو میں
شاید تم لوگوں سے بات بھی نہ کرتی۔!
”اوہ...! مگر کیسے نجاد کھاؤ گی۔!
”بس تم جھوپڑے کے باہر کھڑے رہنا۔! میں اندر جا کر سمجھ لوں گی۔!
”ہم باہر کیوں کھڑے رہیں گے۔!“ عمران نے حیرت ظاہر کی۔

”دیکھتے رہنا کر کوئی اور ہر آتو نہیں رہا۔!
عمران کا ذوق تجسس بیدار ہونے لگا تھا۔! لیکن چہرے پر بد ستور حماقت ہی طاری رہی۔

”فرض کرو کوئی آہی گیا تو۔!“ عمران نے سر ہلا کر پوچھا۔
”سیئی بجا کر مجھے آگاہ کر دینا۔!
عمران نے ہونٹ سکوڑ کر سیئی بجانے کی کوشش کی۔... لیکن آواز نہ نکلی۔
”مشکل ہے۔! اس نے مایوسانہ انداز میں کہلہ۔“ مگر تم اندر جا کر کیا کرو گی۔?
”یہ نہ پوچھو...! لڑکی ہنس پڑی۔“ صحیح جب وہ منہ پر ہاتھ پھیرے گا تو موچیں ہاتھ ہی
میں رہ جائیں گی۔!
”خدا کی پناہ.... ہم بالکل نہیں سمجھے۔!
”بس صحیح اس کی شکل دیکھ لیتا ہوں موجھیں نہیں ہوں گی۔!
”ہم اپنی عقل کو کہاں پیٹ ڈالیں۔ اب بھی ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔!
”سمجھنے کی ضرورت بھی کیا ہے۔ بس تم باہر کھڑے رہنا۔! کسی کے آجائے پر سیئی نہ بجا
سکو تو جھوپڑے میں ٹھوکر مار دینا۔! میں سمجھ جاؤں گی۔!
”سکیاہو اگلہ اتنا تھا ہے....!“ عمران نے پوچھا۔
”پتہ نہیں.... میں کیا جانوں.... اچھا ٹھیک دس بجے... یاد رکھنا میں آؤں گی۔!
وہ چلی گئی۔ لیکن دس بجے تو وہاں طوفان چھنڈے گاڑھ رہا تھا۔! کس میں ہمت تھی کہ
جھوپڑے کی کھڑکی کھوں کر باہر جھانک ہی سکتا۔
ہوا میں چیخ رہی تھیں۔ بجلی کے کڑا کے پہاڑوں میں ایسی گونج پیدا کر رہے تھے جیسے ان کی
نمیادیں مل گئی ہوں اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ جڑوں سے اکھڑ کر طوفانی بھکروں میں چکراتی پھریں گی۔
جھوپڑے کا نائب رہے تھے اور ان کے رخنوں سے پانی رنسنے لگا تھا۔! البتہ چھتیں محفوظ تھیں
کیونکہ ان پر واٹر پروف قسم کا پینٹ کیا گیا تھا۔!
طوفان کی شروعات سازھے نوبجے سے ہوئی تھی اور ہوا کا زور گیارہ بجے سے پہلے کم نہیں
ہوا تھا۔! پھر بارش کا سلسلہ تورات بھر جاری رہا تھا۔!
لیکن دوسری صحیح یہ کہنا بھی دشوار ہو گیا کہ پچھلی رات بوندا باندی ہی ہوئی ہو گی۔ پہاڑیاں
ذکر پڑی تھیں اور صحیح کی او لین شعاعیں جھیل کے بھرے سینے پر قمزی رنگ کا جال بن رہی
تھیں۔ گھاٹ پھر آباد ہو گیا تھا۔!

”اس کی موچھیں بھی نقی تھیں۔!“
 ”اب تو سب ہی کچھ ممکن ہے.... لیکن یہ آپ مجھ سے کیوں کہہ رہے ہیں۔!“
 ”کیونکہ وہ اپنا زیادہ تر وقت تمہارے ساتھ گزارنے کی کوشش کرتا تھا۔!“
 ”وہ ہمارے پرانے گاہک تھے جناب....! ان کا جھوپڑا ہمیشہ انہیں کے لئے مخصوص رہتا تھا
 خواہ وہ یہاں موجود ہوں یا نہ ہوں۔! ماہنة کرایہ پابندی سے ادا کرتے تھے۔! اگر کبھی نہیں آسکتے
 تھے تو بذریعہ منی آرڈر بھجوادیتے تھے۔!“
 ”اور ہمیشہ تباہی آتا تھا۔!“

”جی ہاں.... میں نے کبھی ان کے ساتھ کسی کو نہیں دیکھا۔!“
 ”کیا یہ عجیب بات نہیں تھی....!“ ایس پی اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”وہ ایسا ہی
 دولت مند آدمی تھا کہ خالی جھوپڑے کا کرایہ ادا کرنا اس کے لئے بڑی بات نہ تھی۔! لیکن کیا وہ
 اپنی خبر گیری کے لئے ایک آدمی نہیں رکھ سکتا تھا۔!
 ”اکثر میں نے بھی اس پر حیرت ظاہر کی تھی۔ لیکن ان کا یہی جواب ہوتا تھا کہ وہ خود پر
 پچار گی نہیں طاری کرنا چاہتے۔!
 ”یہاں آتا کس طرح تھا۔!“

ایک بڑی سی دین ہوتی تھی جس میں ان کا سامان بھی ہوتا تھا۔ جب انہیں واپس جانا ہوتا تھا
 تو دین آجائی تھی۔!
 ”اور آپ نے کبھی یہ جانے کی کوشش نہیں کی کہ وہ کون تھا اور کہاں سے آتا تھا۔!“
 ”کوشش تو کی تھی لیکن کبھی کامیاب نہیں ہو سکا۔! منی آرڈر بھی کسی ایک جگہ سے نہیں
 آئتے تھے اور رسید پوسٹ ماسٹر کے پتے پر واپس جاتی تھی۔ اگر وہ پایا تھا معلوم ہوتا تھا۔!
 ”موچھیں نقی تھیں تب بھی کسی کو کبھی ان سے کوئی شکایت نہیں ہوئی۔! ان کے گرد ہر وقت
 نوجوانوں کی بھیڑ رہتی تھی اور ان کے درمیان وہ ایسے ہی لگتے تھے جیسے ستر اطا اپنے شاگردوں کے
 درمیان۔!“

”خوب....!“ ایس پی کی مکراہٹ طنز آمیز تھی۔! چند لمحے وہ خاموشی سے فیجر کی آنکھوں
 میں دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ ”کب سے یہاں مقیم تھا۔!“

جوزف منہ انہیں ہی بو تکوں کی تلاش میں اشارہ ہو ٹھل کی طرف نکل گیا تھا۔ وہ اپنی پر
 عمران نے اس کے چہرے پر زلزلے کے آثار دیکھے۔! ہونٹ مل رہے تھے گالوں سے ٹھیوں پر
 گوشت کا پرہا تھا اور پلکیں مغموم انداز میں بھی پڑ رہی تھیں۔! اس کی یہ کیفیت اسی وقت ہوتی
 تھی جب وہ حرم اور ہمدردی کے جذبات سے اور لوڑ ہو جاتا تھا۔
 ”باس یہ بڑی منہوس صبح ہے....! اس لئے میں نے تمہیں صبح کا سلام نہیں کیا۔!“ اس نے
 بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

عمران نے اس طرح ہاتھ ہلایا جیسے کان پر پیٹھی ہوئی کمھی اڑائی ہو اور دوسری طرف متوجہ
 ہو گیا۔!

”وہ.... باس بڑا دردناک منظر تھا۔.... بیچارا پایاںج....!
 ”پایاںج.... کیا مطلب....!“ عمران چوک کر اس کی طرف مڑا۔
 ”دونوں پیر بیکار تھے....! کل میں نے اُسے پاہوں کی کرسی پر جھیل کے کنارے پھرتے
 دیکھا تھا۔!“

”پھر کیا ہوا اُسے....؟“
 ”ختم ہو گیا....! کرسی سمیت کھڑ میں پڑا ہے۔!
 ”وہی بڑی موچھوں والا۔!“
 ”ہاں.... باس....! لگڑا نہ ہوتا تو شاندار آدمی ہوتا۔ آنکھوں سے برا جیلا معلوم ہوتا تھا۔!
 ”تو ہڑی دیر بعد عمران بھی اسی بھیڑ میں نظر آیا جو لاش کے گرد اکٹھا ہو گئی تھی۔!
 خیال تھا کہ وہ پچھلی رات کسی وقت اپنی پیہوں والی کرسی پر بیٹھ کر جھوپڑے سے نکلا ہو گا۔!
 انہیں میں راہ کا تعین نہ کر سکنے کی بنا پر کھڑ میں جا پڑا۔

❀

سردار گذھ کا ایس پی میڑو ہوٹل کے فیجر کو گھور رہا تھا۔
 ”وہ پایاںج نہیں تھا۔!“ اُس نے کچھ دیر بعد کہا۔
 ”ہزاروں آدمی انہیں پایاںج سمجھتے تھے جناب....! اگر نہیں تھے تو اس میں میرا کیا قصور
 ہے۔!“ فیجر بولا۔

"پرسوں آئے تھے جناب!"

"کیا ان لوگوں میں سے کوئی مل سکے گا جو اس کے گرد اکٹھے رہا کرتے تھے! ایس پی نے آس پاس کھڑے ہوئے لوگوں پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔
یہ گفتگو گھاث کے ایک گوشے میں ہو رہی تھی اور ان کے چاروں طرف خاصی بھیز تھی۔

ہو سکتا ہے کہ یہاں کھلے میں پوچھ چکھ کرنے کا کوئی خاص مقصد رہا ہوا۔!

ایس پی کو اپنی طرف متوجہ دیکھ کر بہتیرے چہروں پر اضطراب کی لہریں دوڑ گئیں۔!

عمران کے چہرے پر تو بوكلاہٹ اور حمافٹ دونوں ہی دست و گریبان تھیں۔ بالآخر ایس پی کی نظر اسی پر تھہری۔ اور چند لمحے اسے گھورتا رہا پھر بولا۔ "کیوں جناب....! وہ کس قسم کی باتیں کرتا تھا آپ لوگوں سے!"

"سُن... سیٹیاں بجا تھا...!" عمران نے بوکلاہٹ جواب دیا۔

"یہاں مطلب...!" ایس پی نے آنکھیں نکالیں۔

"مطلب... یہ کہ یعنی کہ... سیٹیوں کو دیکھ کر لڑکیاں بجا تھا... بب... بب...!"

"یہاں بکواس ہے...!"

"زر... زبان لڑکھراتی ہے۔ مطلب یہ کہ لڑکیوں کو دیکھ کر سیٹی بجا تھا!"

"بکواس ہے۔ بکواس ہے۔!" مجھ سے کئی غصیل آوازیں آئیں۔

پھر چند لمحے سنارہا۔ اس کے بعد ایس۔ پی نے مجھ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "جو حضرات اسے بکواس سمجھتے ہوں سامنے آئیں۔"

تمن چار آدمی آگے بڑھ آئے۔ وہ عمران کو غصیلے انداز میں دیکھ رہے تھے۔

"یہ حضرت شاید نہ میں ہیں۔!" ایک آدمی بولا۔ "اور صاحبِ فلسفی تھے۔ میں بھی اکثر یہاں آتا رہتا ہوں۔ اور صاحب سے کئی بار ملنے کا اتفاق ہوا ہے! ان حضرت نے بیہودگی فرمائی ہے وہ اور صاحب کی شان میں ایک گندی سی گالی ہے۔"

ایس پی نے دوسروں کی طرف دیکھا اور انہوں نے بھی اس آدمی کی تائید کی۔

"کیوں جناب....!" وہ عمران سے مخاطب ہو کر غریا۔

"خداعارث کرے۔!" عمران بسور کر بڑھ ریا تھا۔

"کیا بک رہے ہیں آپ!"

"اُس لڑکی کو خداعارث کرے جس نے ہمیں یہ اطلاع دی تھی۔" عمران بھی جھلا کر بولا۔
لوگوں نے تفہیہ لگایا اور عمران بھی انہیں چڑانے کے سے انداز میں بس پڑا۔ مگر اس میں جھلاہٹ بھی شامل تھی۔!

"کس لڑکی نے اطلاع دی تھی۔!" ایس پی نے پوچھا۔

"اگر وہ ہمارے سامنے آئی تو ہم ضرور پہچان لیں گے۔!"

ایس پی نے ایک سب انپکٹر کی طرف مژ کر کہا۔ "انہیں اپنے ساتھ لے جاؤ۔ میں ابھی آرہا ہوں۔!"

بس پھر ایسا ہی معلوم ہوا ہیسے عمران کا ہمارٹ مفل ہو جائے گا۔! چھرے پر مردی پھاگئی اور وہ بار بار ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ انسان دھونکنی کی طرح چلنے لگی۔!

"چلنے مسٹر....!" سب انپکٹر نے عمران کا شانہ چھو کر کہا۔

دوسری طرف جوزف.... اس لڑکی کو سارے جھوپڑوں میں تلاش کرتا پھر رہا تھا۔ جس سے پچھلے دن اس کی جھڑپ ہوئی تھی۔! لیکن وہ نہیں جانتا تھا کہ اس تلاش کا مقصود کیا ہے۔! عمران نے اسے حکم دیا تھا اور وہ طوعاً و کرہاً تعییل کر رہا تھا ورنہ پتہ نہیں کیوں وہ تو اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔!



عمران کو شائد آدھے گھنٹے تک ایس پی کی آمد کا منتظر رہتا پڑا تھا۔! جھوپڑے میں اس کے علاوہ ایک سب انپکٹر اور دو کا نشیل بھی تھے۔ اسے انپکٹر وہی تھا جس کے ساتھ وہ یہاں آیا تھا۔ انہوں نے اس سے کسی قسم کی گفتگو نہیں کی تھی۔! عمران بھی کچھ نہیں بولا تھا۔! بس اس طرح گھکھو بنا بیمار ہاتھا جیسے المکہ پی کی آمد پر اسے چانسی ہی تو دے دی جائے گی۔!
پھر ایس پی آیا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔ چند لمحے عمران کو تشویش کن انداز میں دیکھتا رہا پھر بولا۔ "آپ کہاں سے آئے ہیں۔!"

"دارالحکومت سے....!" عمران نے تھوک نگل کر کہا۔

"نام....!"

”نام جو کچھ بھی ہو.... لیکن اب ہم ایم۔ ایس۔ سی۔ پی۔ ائج۔ ذی۔ آسن ہرگز نہیں ہیں۔! بالکل گدھے ہیں۔! آخر ہمیں ضرورت ہی کیا تھی کہ خواہ بول پڑتے۔!“
”کیا مطلب....!“

”اگر وہ فلسفی تھا تو ہم سے مطلب۔! اگر لڑکیوں کو دیکھ کر لیتیاں.... اور ہپ....! مطلب یہ کہ لڑکیوں کو دیکھ کر سیلان بجاتا تھا تو ہمارا اجادہ.... لعنت ہے نکس صیبت میں پھنس گئے۔!
میں تھیک ہی کہتی ہیں کہ بلا ضرورت بکواس نہ کرنی چاہئے۔!
سب انپکٹر اور کاشیبل منہ پھیر کر مسکرانے اور ایس پی نے تشویر انداز میں پلکن جھپکائیں۔!
 غالباً اس کی کبھی میں نہیں آرہا تھا کہ اس آدمی سے کس طرح پیش آنا چاہئے۔!

”اگر آپ سید ہی طرح بات نہیں کریں گے تو آپ کے ہاتھوں میں ہٹھ کریں ہوں گی سمجھے۔!
”ایسے موقع پر اگر ہمیں میں اور ڈینی یاد آ جائیں تو ہم کیا کریں.... کچھ اور کمزور دل کے ہوتے تو پیشاب بھی خطا ہو سکتا تھا۔! اس طرح یقین دلا دیں کہ وہ ہی یہودہ بات ہمیں کل ایک لاکی ہی نے بتائی تھی۔!
پھر عمران اس لاکی کے متعلق کچھ اور بھی کہنے والا تھا کہ ایک سب انپکٹر جھوپڑے میں داخل ہوا۔

”کیوں....؟“ ایس پی اس کی طرف مڑا۔
سب انپکٹر کے ہاتھ میں کوئی اخبار تھا۔! اس نے اس کا ایک صفحہ الٹ کر ایس پی کی طرف پڑھاتے ہوئے کہا۔

ایک نئی اطلاع ہے جناب.... مجھے تو لاش اور اس تصویر میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں معلوم ہوتا۔! اب لاش کے چہرے پر بھی موچیں نہیں ہیں۔!
ایس پی نے اخبار لے کر صفحے پر نظر ڈالی۔! عمران تصویر تو نہیں دیکھ سکا تھا لیکن اخبار کے متعلق اس کا اندازہ تھا کہ وہ ڈیلی میل ہی ہو گا۔! آج کا ڈیلی میل وہ دیکھ چکا تھا۔! مگر تصویر؟ اس نے جھر جھری سی لی۔

آج کے شمارے میں صرف ایک ہی تصویر تھی اور اس کا متعلق بھی ایک اشتہار سے تھا۔ مگر لاش.... اس نے ابھی تک لاش تو نہیں دیکھی تھی۔! اور نہ مر نے والے کو زندگی ہی میں اچھی

طرح دیکھ سکا تھا۔! اذکر میں اس کے خدو خال تک واضح نہیں تھے۔! البتہ موچیں ضرور یاد تھیں وہ بھی اس لئے کہ موچیوں کی چھاؤں سے سیلوں کے اخراج کا مضمون خیز تصور وابستہ تھا۔!

ایس پی اخبار پر نظموں جماعتے رہا۔! پھر عمران کی طرف مڑ کر بولا۔ ”آپ یہیں ٹھہریں گے۔!
عمران اسے سب انپکٹر کے ساتھ باہر جاتے دیکھتا رہا۔

کیا جس اس سے حادثت سرزد ہوئی تھی....؟ فی الحال وہ خود بھی فصلہ نہ کر سکا۔ جیسے بادی انظر میں ایس پی کے استفسار پر بول پڑتا حادثت ہی معلوم ہوئی تھی وہ اپنی زبان بند بھی رکھ سکتا تھا۔! گھٹاٹ پر اس کے علاوہ درجنوں نوجوان موجود تھے۔ جواب دیکی ذمہ داری اسی نے کیوں اپنے سر لی تھی....؟

اس نے اس سب انپکٹر کی طرف دیکھا جو پہلے بھی اس کے ساتھ جھوپڑے میں موجود رہا تھا.... عمران نے محسوس کیا کہ وہ اس سے کچھ پوچھنے کے لئے بے تاب ہے۔!

و نغتاب انپکٹر بولا۔ ”آپ سعدی اینڈ سنز کے یہاں کب سے ملازم ہیں۔!
عمران نے سوچا ذہین آدمی معلوم ہوتا ہے۔! لیکن بتائیں افذا کرنے میں جلدی کرتا ہے۔!

بہر حال سعدی اینڈ سنز کے حوالے پر اس کا شہری یقین میں تبدیل ہو گیا۔!
”ہم ملازم۔!“ عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ”ہرگز نہیں....! ہم کیوں کسی کی ملازمت کرنے لگے.... وہ....!“

سب انپکٹر نے سختی سے ہونٹ بند کر لئے۔ شاید اسے ایس پی کا خیال آگیا تھا۔
سعدی اینڈ سنز کے حوالے پر عمران کو آج کا ڈیلی میل میں شائع ہونے والا اشتہار یاد آگیا تھا جو اسی فرم کی جانب سے شائع کرایا گیا تھا۔!

سعدی اینڈ سنز جواہرات اور اعلیٰ قسم کے زیورات کے بیوپاری تھے۔! کار و بار و ارالہ حکومت ہی میں تھا....! انہوں نے اپنے ایک ٹریونگ اینجنت کی گم شدگی کی تشهیر کرائی تھی جو چالیس ہزار کے جواہرات ان کے شوروم سے اڑا لے گیا تھا۔

واقعہ پرسوں کا تھا....! اشتہار کے ساتھ ٹریونگ اینجنت کی تصویر بھی تھی اور اس کا پڑہ نشان بتانے والے کے لئے پائچھے اہر انعام کا وعدہ بھی کیا گیا تھا۔!
میڑوں کے مخبر کے بیان کے مطابق مر نے والا بھی پرسوں ہی یہاں پہنچا تھا۔! لیکن وہ اس

”کہاں جتاب....!“
 ”سردار گذہ کے ہالی ڈے کیپ میں۔ اس کا ملازم جوزف یہ اطلاع لایا ہے۔ تمہیں اور صدر کو ہاں پہنچانا ہے۔!“
 ”کب پہنچانا ہے جتاب....!“
 ”آدھے گھنٹے کے اندر اندر وادنہ ہو جاؤ۔!“
 جولیانے نہ اسامنہ بنایا پھر بولی۔ ”اوے سر۔!“
 ”لیکن تم دونوں اس سے دور ہی رہو گے۔! ہو سکتا ہے کہ پولیس اس کی گمراہی کر رہی ہو۔!
 جوزف نے فون پر اس کا پیغام پڑھ کر سنایا تھا۔ وہ خود ہی کسی نہ کسی طرح تم سے رابطہ قائم کر لے گا۔ بزر جھوپڑے میں ہے۔ نمبر ایک سو اٹھتھر۔! بس اب جلدی کرو۔!“
 دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہو گیا۔!
 جولیانے بھی ڈس کلکٹ کر کے صدر کے نمبر ڈائیل کئے۔
 ”لیں پلینز۔!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔
 ”شامت۔“ جولیانے غصیل آواز میں کہا۔ ”یہ کم بخت مصیبیں تلاش کرتا پھر تاہے۔!
 ”اوہ۔۔۔ جولیا۔۔۔! کس کم بخت کی باتیں کر رہی ہو۔!
 ” عمران کی۔۔۔! سردار گذہ کے ہالی ڈے کیپ میں پکھ کر بیٹھا ہے۔ چیف کا حکم ہے کہ ہم دونوں آدھے گھنٹے کے اندر وہاں کے لئے روانہ ہو جائیں۔!
 ”قصہ کیا ہے۔....!“
 ”میں اندازہ نہیں کر سکی لیکن ایکس ٹونے کہا تھا کہ پولیس اس کی گمراہی کر رہی ہو گی۔!
 ”اوہ۔۔۔ تو پھر کوئی حماقت کر بیٹھے ہوں گے حضرت۔....!“
 ”میں نہیں سمجھ سکتی کہ اس آدمی سے کس طرح یچھا چھڑایا جائے۔ ضروری نہیں ہے کہ وہ جس مصیبیت کا شکار ہوا ہے ہمارے ہی ٹھکنے سے تعلق رکھتی ہو لیکن ایکس ٹو بھی اس کے لئے اکثر پہنچاں پرے گا۔۔۔! ہم میں سے کون ہے جس نے ایکس ٹو کے لئے اس سے زیادہ کارناٹے نجماں دیے ہوں۔!

کے لئے اجنبی نہیں تھا۔ یہ اور بات ہے کہ اس نے ہمیشہ ایک بڑی مونچھوں والے پانچ سی رول میں دیکھا ہوا۔!

اشتہار والی تصویر مونچھوں سے قطبی بے نیاز تھی۔۔۔ اور یہ بھی ممکن نہیں تھا کہ کوئی اپنے کسی فرم کے روپ انگل اجنبت کے فرائض انعام دے سکتا۔

اگر بس انپکٹ نے لاش کی شاخت میں غلطی نہیں کی تھی تو۔۔۔ یہ کیس۔۔۔ خاصاً پچھر تھا! یچیدگیوں کے امکانات بھی پیدا ہو گئے تھے۔!

مگر۔۔۔ وہ لڑکی۔۔۔ اور۔۔۔ یہ حادث۔! عمران سوچتا رہا۔۔۔! وہ لڑکی نے بھی مونچھوں کے صفائی ہی کا تھیہ کیا تھا۔ تو وہ اس کی اصلیت سے واقف تھی۔

مگر ابھی اس قدر آگے بڑھ جانا بھی حماقت ہی تھی۔! تاہم قینکیہ روپ انگل اجنبت اور پانچ ایکس ہی آدمی نہ ثابت ہو جاتا۔ مزید کچھ سوچنا فضول ہی ہی بات ہوتی۔

عمران نے سر کو اس طرح جبکش دی جیسے ان خیالات سے پچھا چھڑانا چاہتا ہوا۔
 ”چیو ٹغم۔!“ اس نے جیب سے چیو ٹغم کا پیکٹ نکال کر بس انپکٹ کی طرف بڑھا ہوئے کہا۔

”تو ٹھیکنس۔!“ سب انپکٹ نے پلکیں جھپکائیں۔
 عمران نے پیکٹ پھاڑ کر ایک پیس نکالا اور اسے منہ میں ڈال کر آہستہ سے کچلنے لگا۔!



جولیانے غسل خانے سے فون کی گھنٹی کی آواز سنی اور تیزی سے کمرے میں آئی۔ کمال ایکر ٹوکی بھی ہو سکتی تھی اس لئے رسیو کرنے میں کوئاں مصیبیت کا باعث بن جاتی۔!
 اس کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ دوسری طرف سے اس کے پہ اسرار چیف ہی کی آواز آئی تھی۔
 یہ اور بات ہے کہ دوسری طرف بلیک زیر درہا ہو جو عمران کی عدم موجودگی میں ایکس ٹو کا رول کرتا تھا۔!

”عمران ایک مصیبیت میں پھنس گیا ہے۔!“ دوسری طرف سے کہا گیا اور جولیانے طوبی سانس لی۔

سراغ ملنے کی امید تھی تو وہ یکپ کا اکلو تا گیر ارج ہی ہو سکتا تھا۔!
عمران کی یادداشت میں اس گاڑی کے نمبر پر نہیں کس طرح محفوظارہ گئے تھے۔ اس نے سوچا کہ گیر ارج میں خواہ اس نے اپنا صحیح نام لکھ دیا ہو لیکن نمبر تو وہی درج ہوئے ہوں گے جو اس کی یادداشت میں محفوظ تھے۔!

اندازہ درست نکلا.....! غلطی کا امکان ہی نہیں تھا۔ لیکن گیر ارج کے رجڑ میں نام بھی مونا پڑیں ہی لکھ دیا تھا اور میشو ہو ٹل کے ایک سو گیارہ ہویں جھوپڑے کا حوالہ بھی درج تھا۔ البتہ اب گاڑی گیر ارج میں نہیں تھی! منتظم کے بیان کے مطابق وہ پچھلی شام تک ٹھیک ہو گئی تھی اور اُسی وقت اجرت کی اوائلی کے بعد لڑکی اسے لے گئی تھی۔!

سرخ رنگ کے ایک سو گیارہ ہویں جھوپڑے میں بھی کوئی خاص دشواری پیش نہ آئی۔ لیکن وہاں مونا کی بجائے ایک بوڑھا آدمی نظر آیا۔

عمران نے اُسے آنکھیں چھاڑ کر دیکھا اور اس طرح ب سورنے لگا جیسے زبردستی کوئی کڑو ہی یا کیلی چیز کھلا دی گئی ہو۔!

”کیا بات ہے.... آپ کیا دلکھ رہے ہیں۔!“ بوڑھے نے جھلانے ہوئے الجہ میں پوچھا۔
”میں دلکھ رہا ہوں کہ آپ زندگی کا بیدہ کرانے سے پہلے ہی بوڑھی ہو گئیں۔!“

”میا کو اس ہے....!“ بوڑھے نے آنکھیں نکالیں۔

”مطلوب یہ کہ مس مونا پڑیں کا نے پچھلے دن اپنے جھوپڑے کا یہی نمبر بتایا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنی زندگی کا بیدہ ضرور کرائیں گی۔!“

”اوہ.... خدا غارت کرے.... وہی لڑکی تو نہیں جس کے بال سرخ تھے۔!
”مجی ہاں وہی وہی....!“

”شاید اس نے تمہیں بھی انہیا ہے.... تم نے اسے کچھ قرض تو نہیں دیا۔!
”سماڑھے تم روضے....!“ عمران نے احقةانہ انداز میں کہا۔

”غیرمت ہے....!“ بوڑھے نے سر ہلا کر کہا۔ ”وہ برا بر والے جھوپڑے یعنی ایکسو دس میں قائم تھی۔! خدا غارت کرے ایسی بے باک لڑکی آج تک میری نظروں سے نہیں گزری۔!
”چھا....!“

”پچھے بھی ہو....! اس قسم کی ڈیوٹیاں مجھے بے حد گراں گزرتی ہیں۔!“

”تو پھر کیا خیال ہے....؟“

”بھکتیں گے.... بھی....! جلدی سے تیار ہو جاؤ.... میں آؤں یا تم ہی اور ہر آؤ گے۔!

”میں آرہا ہوں۔!“

جولیا نے سلسلہ منقطع کر دیا۔

◆

جوزف گاؤڈی ہی سکی لیکن اشاروں کا مطلب سمجھنے میں اپنا نافی نہیں رکھتا تھا۔!
اس نے دور ہی سے عمران کو پولیس کے زخم میں دیکھا اور ٹھنک گیا۔ عمران نے اشارہ کیا کہ وہ اس سے دور ہی رہے پھر بھلا دہ وہاں کیسے رکتا۔!
پولیس کی پوچھ چکھ سے جلد ہی چھٹکارا مل گیا۔! کیونکہ ایس پی بھی سب انسپکٹر کے اس خیال سے متفق ہو گیا تھا کہ مرنے والا سعدی اینڈ سنر کے ٹریولنگ ایجنت کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔! اس کا فیصلہ عمران کے علم میں بھی آگیا تھا۔ کیونکہ واپسی پر لاش کے متعلق گفتگو اس کی موجودگی ہی میں ہوئی تھی۔!

ایس پی نے پھر اس لڑکی کا تذکرہ چھیڑا تھا۔ جس کے حوالے سے عمران نے اسے مرنے والے کے متعلق ایک نئی بات بتائی تھی۔! لیکن اس بارہ عمران کی زبان نہ کھلوا سکا۔! آخر تھنک ہار کر اسے کہنا ہی پڑا کہ وہ جا سکتا ہے۔ لیکن کیمپ اس وقت تک نہیں چھوڑ سکتا جب تک کہ اسے پولیس کی طرف سے ہدایات نہ ملیں۔!

در اصل ابھی لاش کی شناخت کا مسئلہ بھی در پیش تھا۔! اس سلسلے میں سعدی اینڈ سنر کے کسی ذمہ دار آدمی کا بیان ہی حرفا آخر ہوتا۔! لہذا اس اہم کام کو چھوڑ کر ضابطے کی معمولی کارروائیوں کی طرف کون دھیان دیتا۔!

عمران اپنے جھوپڑے میں واپس آگیا تھا اور اچھی طرح اطمینان کر لینے کے بعد کہ اس کی گمراہی نہیں ہو رہی جوزف کو شہر بھیج دیا تھا۔!

جوزف مونا کی تلاش میں تو ناکام ہی رہا تھا۔! لہذا اب عمران خود نہیں اٹھا۔...! لڑکی نے اس نے تو جھوپڑے کا نمبر بتایا تھا اور نہ سیکی بتایا تھا کہ اس کا تعلق کس ہوٹل سے ہے۔ اگر کسی جگہ سے

”اب کیا تاؤں... کیسی سیٹاں بجا تھی مجھے دیکھ کر ذرا میری عمر دیکھو...!“
عمران نے ہولے ہولے اپنی کھوپڑی سہلائی لیکن دیدے نچانے کا رادہ ملتی کر دیا...!
کیونکہ بوڑھا سے بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

”میں نہیں! یہ قطعی غلط ہے کہ انہوں نے مجھ سے ساٹھے نارو پے دھار لے تھے!“
عمران نے کہا۔

”آپ ان شور نش ایجنت ہیں۔!“

”نہیں....؟“

”م بھی تو آپ نے کہا تھا!“

”پھر کیا کہتا کہ میں یعنی کہ... ہپ! کیا بک رہا ہوں...! میں میں نے یوں بھی کہہ دیا تھا
در اصل مجھے ان سے ملا تھا اور بس...! جی ہاں۔!“

”پھر یے... آخر کوئی بات بھی تو ہو...! وہ اب اس جھوپڑے میں نہیں ہے۔ منہ
اندھیرے ہی کہیں چلی گئی۔! میرا خیال ہے کہ سامان بھی لے گئی ہے۔! میں در اصل کسی ایسے ہی
آدمی کی تلاش میں تھا جس سے اس کے متعلق کچھ معلوم کر سکوں۔! آئیے... اندر آئیے۔!
عمران کسی پیس و پیش کے بغیر اس کے ساتھ اندر چلا گیا۔!

”بیٹھ جائیے۔!“ بوڑھے نے کہا اور اس وقت تک خود بھی کھڑا رہا جب تک کہ عمران بیٹھ
نہیں گیا!

عمران اسے ٹوٹنے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ اب اسے محتاط ہو جا
چاہئے۔! شاید وہ کسی ایسے ہی آدمی سے آنکھ لیا ہے جس کا انکر لکی سے کچھ نہ کچھ تعلق ضرور تھا!
”وہ لڑکی...!“ بوڑھے نے طویل سانس لی۔ ”یا تو پاگل تھی یا عنقریب پاگل ہو جائے گی۔

جب اس نے مجھے دیکھ کر اشارے کئے تھے اور سیٹاں بجا تھی تھیں تو مجھے غصہ آگیا تھا۔! میں
خست سست کہا تھا اور وہ بولی تھی کہ وہ تو انتقام لے رہی ہے۔ پھر بتایا کہ ایک سنجیدہ اور شریف
آدمی پچونکہ اسے اسی طرح پریشان کرتا تھا اس لئے وہ بھی ایسے آدمیوں کو بور کرتی پھرے گی۔
اس سے اس کی توقع نہ رکھتے ہوں۔!
”اُف فوہ...!“ عمران نے احمقانہ انداز میں آنکھیں نکالیں۔ ”مگر پولیس۔!“

”پولیس.... میں نہیں سمجھا۔!“

عمران نے لڑکی کی کہانی دھرائی اور بوڑھا تمثیر ان انداز میں سننا رہا۔! پھر بولا

”اوہ.... تو وہ پانچ آدمی جس کی تلاش پائی گئی ہے۔!“

”ہاں....!“ مونا نے یہی بتایا تھا کہ وہ اُسے دیکھ کر سیٹاں بجا تھا اشارے کرتا تھا۔!
”مگر وہ تمہیں اس کے جھوپڑے تک کیوں لے جانا چاہتی تھی۔!“

”پتہ نہیں۔!“

”ٹھہر دو... یہ بتاؤ کہ اس نے یہ باتیں تو تم سے کی تھیں پولیس کو اس کی اطلاع کیے ہوئے۔!“

”لوگ کہہ رہے تھے کہ پانچ بہت اچھا آدمی تھا۔ اوہ کیا کہتے ہیں اُسے مفلس.... قلقی....
ہے وہ کیا کہتے ہیں اسے جو بڑی گھماڑا پھر اُدالی باتیں کرتا ہے۔!
”فلسفی....!“

”اوہاں.... فلسفی.... فلسفی.... وہ کہہ رہے تھے کہ وہ فلسفی تھا۔! مجھے تاؤ آگیا۔ میں نے

ہا۔ پا سور تھا۔! لڑکیوں کو دیکھ کر سیٹاں بجا تھا، آوازے کستا تھا۔! بس پولیس آفسر نے دھر لیا
مجھے۔!
”دھر لیا۔! یعنی کہ.... میں نہیں سمجھا۔!
”ارے بڑی مشکل سے جان چھوٹی ہے۔ وہ مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ بتاؤ کس لڑکی نے یہ
لوگوں کی تھی۔ میں نے کہا بس ایک لڑکی کو کہتے سن تھا اگر وہ میرے سامنے لائی جائے تو ضرور
پہچان لوں گا۔!
”تم نے یہ بھی بتایا ہو گا کہ وہ تمہیں لگڑے کے جھوپڑے تک لے جانا چاہتی تھی۔!
یک یہک عمران دونوں ہاتھوں سے اپنار پیٹھے لگا۔! زور زور سے گالوں پر دو چار تھپڑ بھی
گائے۔

”ارے.... ارے....!“ بوڑھا حقیقت بول کھلا گیا۔!

”یکوں بتایا....! میں نے تمہیں ہی کیوں بتایا.... ہائے میری زبان....!“ عمران بدستور سر
پر دو ہتر چلاتا ہوا بولا۔

”ٹھہر دو.... ٹھہر دو....!“ بوڑھے نے اٹھ کر اس کے ہاتھ پکڑ لئے۔

”کیا نہ ہوں...! مجھ سے بڑا گدھا شاید ہی آج تک پیدا ہوا ہو!“
”نہیں پر دامت کرو...! کیا تم نے پولیس کو نہیں بتایا تھا!“
”گردن کٹو اتا انپی...؟“

”بہت اچھا کیا!...! بھلا ب تم اسے کہاں ڈھونڈتے پھرتے...! متعجب ہی ہوتا کہ پولیس
تمہیں ہی دھرتی...! اچھا تو کیا وہ جھلی رات تمہارے پاس گئی تھی!“
”نہیں....!“ عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”تو پھر اسے کیوں تلاش کرتے پھر رہے ہو!“

”یہ بھی پاگل بن ہی ہے!“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔ انداز خالص عاشقانہ تھا۔

”تمہارا کیا خیال ہے...! لئکر کی موت میں لڑکی ہی کا ہاتھ ہو سکتا ہے!“

”یار بڑے میاں...! ایک دل دھلانے والی باتیں نہ کرو!“ عمران نے سینے پر ہاتھ رکھا
ہوئوں پر زبان پھیری اور آہستہ سے بڑا لیا۔ ”کہیں....! میرا ہدایت فیلٹ نہ ہو جائے!“

”نہیں.... نہیں....! وہ ایسا نہیں کر سکتی! مجھے یقین ہے۔ مگر حضرت....!“ وہ منی?
انداز میں سر ہلا کر مسکرا یا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بائیں آنکھ دبائی اور بولا ”دل دے بیٹھے ہو شاہد!“

یک بیک عمران کے چہرے پر زلزلے کے آثار نظر آئے۔ تنھے پھر ک رہے تھے...
ہونٹ کا پر رہے تھے اور پھر آنکھوں میں آنسو بھی تیرنے لگا اور اس نے جھپاک سے منہ چھ
کر رونا بھی شروع کر دیا۔ بس انداز ایسا تھا جیسے اس طرح روپنے پر شرمندگی بھی ہو لیکن ا
سے باز رہنا بھی اس کے بس سے باہر ہو۔!

”ارے.... ارے.... نہیں! نہ ہو سنو....! نئے نئے...!“ بوڑھا اٹھ کر اس کا شا
تھکنے لگا۔ ”آہ.... میں جانتا ہوں.... یہ لمحات کتنے جان لیوا ہوتے ہیں۔! مجھے تم سے ہدر دا
ہے.... ہر اس آدمی سے ہدر دی ہے جو محبت کرتا ہے.... یہ آنسو نہیں ہیں.... ستارے ہیں
جو کبھی تمہاری روح سے گزرتے تھے!“

عمران پھوٹ پھوٹ کر دو تا اور سوچتا رہا۔ بڑی محنت کرنی پڑ رہی ہے تمہارے لئے بوڑ
میٹھے.... سودا مہنگا رہے گا۔ پڑے نہیں تم لوگ مجھے کس پچر میں چھاننا چاہتے تھے۔! مگر طوفان۔
کھلی بگاڑ دیا اور اب بھی تم کسی پچر میں ہو۔! گویا تمہیں موقع تھی کہ گیراج کے ذریعہ جھوپڑے

پڑھ لگا کر میں یہاں ضرور آؤں گا۔ ہو سکتا ہے کہ لڑکی سے ملاقات اتفاق ہی پر منی رہی ہو۔! لیکن
بعد میں یقینی طور پر مجھے کسی سازش کا آلہ کار بنا نے کی اسکی تیاری کی گئی تھی!

”اوہ....! اب چپ بھی ہو جاؤ! لڑکی یقیناً شری رہی! لیکن وہ کسی کو قتل نہیں کر سکتی۔“

میں اپنے ساٹھ سالہ تجربہ کی بناء پر کہہ سکتا ہوں کہ وہ مضموم تھی! ممکن ہے کہ شرارتا اس نے
لئکر کے کی موچھیں صاف کر دینے کی اسکیم بنائی ہو مگر تم کہتے ہو کہ اس کی موچھیں نقلی تھیں۔!
”ہاں.... ہاں....! آفسر یہی کہہ رہا تھا۔ اوہ تو کہہ رہا تھا کہ وہ آدمی لماجع بھی نہیں تھا!
دونوں ناگزین ٹھیک تھیں!“

”خداجانے بھی....! مگر وہ لڑکی.... کوئی خراب لڑکی نہیں ہو سکتی۔ بس تم اسے شری رہے
سکتے ہو۔!“

”مگراب میں کیا کروں!“ عمران دردناک آواز میں بولا۔ ”پولیس نے مجھ پر پابندی عائد
کر دی ہے....! میں یکپ سے اس وقت تک نہیں جاسکوں گا جب تک کہ پولیس اجازت نہ
دے۔ گویا قیدی ہوں۔! میرا لازم بھی بھاگ نکلا۔!“

”بھاگ نکلا....!“

”جی ہاں....! مجھے پولیس کے زخمے میں دیکھ کر کھک گیا۔! کم بخت جھشی....! آئندہ کے
لنے کا ان پکڑے کہ اب کسی نیکرو کو کبھی ملازم نہیں رکھوں گا۔! کم بخت سیدھا گھر جائے گا۔! نہیں
ہر گز نہیں اس سے ایسی حماقت سرزد نہیں ہو گی۔! مگر جا کر بتائے گا تو خود اسی کی کھال گردادی
جائے گی کہ وہ مجھے اس مصیبت میں چھوڑ کر بھاگ کیوں آیا!“

”مجھے تم سے ہدر دی ہے صاحب زادے...! خدا کرے تم پولیس کے چکر سے محفوظ رہو۔!
ویسے پولیس سے کوئی بات چھپانا اچھا نہیں ہوتا۔! اچھا ٹھہر دے....! مجھے سوچنے دو۔!“

عمران ایسے عقیدت مندانہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا ہیسے وہ اسے نجات کا راستہ
دکھانے والا ہوا۔!

کچھ دیر بعد یونٹھا چکلی بجا کر بولا۔ ”اوہ نہ کیا بڑی بات ہے۔! میں شہادت دوں گا کہ اس نے
لماجع کے متعلق یہاں افواہیں پھیلائی تھیں اور ہم دونوں ہی کو اس پر آمادہ کیا تھا کہ ہم اس سے
ملنے میں اس کی مدد کریں۔ کیوں کیسی رہی!“

”نہیں۔!“ عمران کا نوں پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ ”خواہ مخواہ کوئی نی مصیبت کھڑی ہو جائے گی۔!“

”تمہاری مرضی....! ویسے میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں پولیس نے پریشان کیا تو میں ہر طرح تمہاری مدد کروں گا۔! بتیرے بڑے حکام سے میرے اچھے تعلقات ہیں۔! مگر تم کہاں رہتے ہو۔ کیا کرتے ہو۔ کس خاندان سے تعلق ہے تمہارے۔!“

”میں پڑھتا ہوں۔! لیکن یہ ہرگز نہیں بتاؤں گا کہ کس خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔ خاندان کی بنیادی ہوگی۔ میں نے پولیس کو بھی نہیں بتایا۔! کبھی نہیں بتاؤں گا خواہ پھانسی ہی پر کیوں نہ چڑھادیں۔!“

”شریف آدمی معلوم ہوتے ہوں۔!“

”اچھا تو پھر اب میں جاؤں۔!“ عمران نے امتحان انداز میں پوچھا۔

”اچھی بات ہے۔!“ بوڑھا انٹھ کر مصافح کے لئے ہاتھ بڑھاتا ہوا بولا۔ ”اگر کوئی دشواری پیش آئے تو مجھے مت بھولنا۔!“

عمران باہر نکل آیا۔ وہ جانتا تھا کہ اب پولیس خاص طور پر اس میں دلچسپی لے گی۔ سازش کرنے والے اسے پوری طرح پھنسانے کی کوشش کریں گے۔!

تفیش کے دوران وہ خود ہی بول پڑا تھا۔ اس لئے پولیس کی نظر میں آیا تھا۔ اگر شہ بوتاتا ہے بھی ایسے حالات پیدا کئے جاتے کہ پولیس اس کی طرف متوجہ ہو جاتی۔

اب وہ اپنی دانست میں ایک دلچسپ کھیل کا آغاز کرنے جا رہا تھا۔!

اسے سازش کا شہر پہلے ہی سے تھا اس لئے جوزف کو شہر روانہ کرنے سے پہلے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ وہ گاڑی سے میک اپ کا سامان نکال کر کہاں چھپا دے گا۔ اور اس وقت جھوپڑے سے نکلتے سے قبل وہ ساری چیزیں ساتھ لے لی تھیں جن سے اس کی شخصیت پر روشنی پڑ سکتی۔

بقیہ سامان وہیں پڑا رہنے دیا تھا۔ جوزف گاڑی لے گیا تھا اور اب اسے واپس نہیں آتا تھا۔

چونکہ وہ بھی اس کے ساتھ دیکھا گیا تھا اس لئے عمران نے یہی مناسب سمجھا کہ اسے یہاں سے ہٹا دے۔!

صفدر اور جولیا عمران کو تلاش کرنے میں ناکام رہے تھے۔ لیکن یہاں پہنچنے پر اس طرح طلب کرنے کا مقصد تو معلوم ہی ہو گیا تھا۔!

کیپ میں پولیس کو ایسے احمد کی تلاش تھی جو پولیس آفسر کی تنیبیہ کے باوجود بھی جھوپڑے میں اپنا سامان چھوڑ کر غائب ہو گیا تھا۔!

اب اس وقت جولیا بھی عمران کی تلاش میں تھی اور صدر لاش کے متعلق معلومات فراہم کرتا پھر رہا تھا۔!

شام کو صدر و اپس آیا۔ جولیا تھک ہار کر جھوپڑے میں آئی تھی تھی۔!

”ہمیں اب کیا کرنا چاہئے۔!“ جولیا بولی۔ ”اس کا تو کہیں بھی پتہ نہیں۔...! جھوپڑے میں سامان چھوڑ کر غائب ہو گیا۔... پولیس اس کی تلاش میں ہے۔!

”یہیں ٹھہرنا پڑے گا۔! کیس خاصاً دلچسپ ہے۔! لیکن اس کا تعلق ہمارے مجھے سے نہیں ہو سکتا۔! یہ حضرت خواہ مخواہ ہر معاملے میں ناگ اڑاتے پھرتے ہیں۔!

”بیدا کسی احمد بن کرہہ گیا ہے۔!

”اب سنوا لاش کے متعلق۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اندر ہیرے میں باہر نکلا ہو گا اور کری سمیت کھڈ میں جا پڑا ہو گا۔ لیکن ڈاکٹروں کا خیال ہے کہ کھڈ میں گرنے سے پہلے ہی موت واقع ہوئی تھی اور وہ اپنی ہرگز نہیں تھا۔ بیرون میں تو نہیں تھی۔ اور موچھوں کی عدم موجودگی میں وہ سعدی اینڈ سنز کا ٹریونگ ایجنت ہی ہو سکتا ہے۔! سعدی اینڈ سنز کے نیجنگ ڈائریکٹر نے لاش شناخت کر لی ہے۔! بھیتیٹ ٹریونگ ایجنت بھی اس کا نام داور ہی تھا۔! پرسوں اس نے اس کے شور ودم سے چالیس ہزار کے جواہرات چڑائے تھے اور غائب ہو گیا تھا۔! لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس نے اپنی کا بھیس اس نے اختیار کیا تھا کہ اس چوری کے سلسلے میں پولیس کی نظر سے فٹے کے۔! میڑو ہوٹل کے نیجر کا بیان ہے کہ وہ اسے ایک اپنی کی حیثیت سے بہت دونوں سے جانتا تھا۔!

”کیا یہ ممکن ہے کہ یہ محض کواس ہو۔!“ جولیا بولی۔ ”مطلوب یہ کہ نیجر کا بیان ناط بھی رکلتا ہے۔ پرسوں وہ پہلی ہی بار یہاں آیا ہو۔! چالیس ہزار کے بیرون کے لئے اسے قتل کرنے کے

”میرا خیال ہے کہ وہ کسی راہ پر لگ گیا ہے!“ اس نے صدر کی طرف خط بڑھاتے ہوئے کہا۔
تحریر یقینی طور پر عمران کی تھی! لیکن اس نے نیچے اپنے دستخط نہیں کئے تھے۔ اس نے لکھا تھا!
”صدر...! سرخ رنگ کے ایک گلزار ہوئی جھونپڑے میں ایک بوڑھا ہے اس پر کڑی نظر
رکھو! جو لیام سردار گذھ جاؤ۔ وہاں سے چوہاں اور نعمانی کو فون پر ہدایت کرو کہ وہ سعدی ایڈ
سنز کے نیبنگ ڈائریکٹر کے متعلق چھان بین کریں۔ سردار گذھ سے والیکی پر تمہیں میڑو ہوئی
کے غیر سے رابطہ بڑھاتا ہے۔ افون پر تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔ چوہاں یا نعمانی سے
رابطہ قائم کر کے صرف اتنا کہہ دینا کہ وہ اس سلسلے میں آج کا ذیلی میں دیکھ لیں!“

صدر نے کاغذ کو پڑے پڑے کرتے ہوئے ایک سانس لی۔
”میرا خیال ہے کہ میں سعدی ایڈ سنز کے نجی کو جانتی ہوں۔! لیکن اس کے متعلق چھان
بین کی ضرورت کیوں پیش آگئی!“
صدر کچھ نہ بولا۔ اس کی آنکھیں سوق میں ذوبی ہوئی تھیں!



ہر ہوئی میں ایک ریکریجن ہال بھی تھا۔ ان ہالوں کی تغیر میں بھی صرف لکڑی ہی
استعمال کی گئی تھی۔! برا عجیب ماحول ہوتا تھا یہاں کا....! میزوں پر گاڑھا سیاہ قبوہ سر و کیا جاتا تھا
اور تلخ تمبکو والے سگاروں کا دھوان چاروں طرف پکراتا پھرتا۔! اس میں رنگیں ملوسات کی
خوبیوں میں بھی شامل ہوتیں۔! اکر کش ا مختلف قسم کے نغمات بکھرتا اور بلکہ بھاری سریلے قہقہے
فضائیں ارتقاش پیدا کرتے۔

صدر ایک سو گلزار ہوئی جھونپڑے والے بوڑھے کا تعاقب کرتا ہوا میڑو کے ریکریجن ہال
تک آیا تھا۔ یہاں میزیں بھر پچلی تھیں۔! ایسے موقع پر لوگ عموماً پہلے سے بیٹھے ہوئے لوگوں
سے اجازت طلب کر کے ان کے ساتھ بیٹھے جایا کرتے تھے۔! بوڑھے نے آہستہ سے کچھ کہتے ہوئے تیری
بڑھا جس پر دو آدمی پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے۔! بوڑھے نے آہستہ سے کچھ کہتے ہوئے تیری
کری سنہماں لی تھی۔! صدر کو قریب کوئی خالی میز نہ تھی! ہر میز کی جانبوں کریں ایک جگہ تھیں۔
کچھ ایسے بھی نظر آئے جو ادھر ادھر دیواروں سے لکھے گئے ہوئے تھے۔ ہال کے وسط میں رہا
چل رہا تھا۔!

کہذ میں پھیک دیا گیا اور اب کیس میں پیچید گیاں پیدا کی جا رہی ہیں۔!
”پولیس کا سبھی خیال ہے کہ وہاں بیرون ہی کل وجہ سے مارا گیا ہو گا۔! وہ تمکن لگانے بھی برآمد
ہوئے ہیں جھونپڑے سے۔ ایسی پی کے خیال کے مطابق جھونپڑے میں غالباً حملہ اور کو مر منے
والے سے باتھا پائی بھی کرنی پڑی تھی اور پھر اس نے اس کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ لیکن غیر کے بیان پر
شبہ نہیں کیا جاسکتا! سینکڑوں شہادتیں گذر چکی ہیں کہ وہ پہلے بھی یہاں ایک پائیج ہی کی حیثیت
سے آتا رہا ہے۔!

”تب پھر یقینی طور پر ہمیں الجھاوں سے دو چار ہوتا پڑے گا۔ مگر وہ مردود کہاں جا رہا!“
صدر کچھ نہ بولا۔ جو لیا بھی تھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ ”اگر وہ پہلی بار بیہاں
ایک پائیج کے بھیں میں آیا ہوتا تو کہا جاسکتا تھا کہ جواہرات کی چوری کے بعد پڑے جانے کے
خوف سے اس نے بھیں بدلा ہو گا۔ لیکن جب کہ وہ پہلے بھی اس بھیں میں آتا رہا تھا.... کیا
خیال ہے تمہارا!“

”فی الحال میں صرف یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ حضرت کیوں اپنی ناگہ پھنسا بیٹھے....! معلوم
ہوا ہے کہ کچھ لوگ پائیج کی شرافت اور علیمت کے قصیدے پڑھ رہے تھے کہ اچاک آپ بول
پڑے سب بکواس ہے۔ وہ تو لڑکیوں کو دیکھ کر سیٹیاں بجا لیا کرتا تھا اور ان پر آوازے کستا تھا!
پولیس آنفر نے پوچھ چکہ کی تو فرمایا کہ کسی لڑکی کو کہتے تھا اگر وہ سامنے آجائے تو اسے پہچان
لیں گے۔!

یک بیک جو لیا چل پڑی....! اس کی پشت دروازے کی طرف تھی۔!
”کیا بات ہے!“ صدر بھی بوکھا کر اٹھا۔! جو لیا جھک کر فرش سے سرخ رنگ کا ایک لفاف
اٹھا رہی تھی۔!

”یہ کیا....؟“ صدر نے تحریرانہ لیجے میں پوچھا۔
”پشت سے نکلا یا تھا۔ شاید کسی نے باہر سے پھینکا ہے۔!
صدر دروازے کی طرف چھپتا....! مگر باہر نہ تھا۔!
پھر وہ مز کر جو لیا کی طرف دیکھنے لگا۔ جو لیا نے لفاف سے کسی کی تحریر نکالی تھی اور اسے
بغور دیکھ رہی تھی! اکچھ دیر بعد اس کے ہونٹوں پر خیف سی مکراہت نظر آئی۔

صادر بھی دیوار ہی سے نکل کر کھڑا ہو گیا! مگر وہ بڑی بوریت محسوس کر رہا تھا۔ بوڑھے نے جیب سے سیگریٹ کے دو پیکٹ نکالے۔ ایک میز ہی پر رکھ دیا اور دوسرے کو کھول کر بقیہ تین آدمیوں کی طرف بڑھا دیا تھا۔ انہوں نے مسکرا کر انہار میں سر بلائے اور بوڑھا خود ایک سگریٹ نکال کر سلاگانے لگا۔

صدر نے محسوس کیا کہ وہ چاروں ایک دوسرے کے لئے اجنبی ہیں لیکن کچھ دیر بعد بوڑھا کسی بھلی مقرر کی طرح انہیں بور کرتا نظر آیا۔ وہ بڑے انہماں سے اس کی باتیں سن رہے تھے! آرکسٹر کے شور کی وجہ سے صدر اندازہ نہ لگا کا کہ موضوع گفتگو کیا تھا۔ کچھ دیر بعد ان میں سے ایک آدمی اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ لیکن بوڑھے نے باتوں کی جھر میں اس کی طرف توجہ تک نہ دی۔ اویے صدر نے یہ بھی دیکھا تھا کہ اٹھ کر جانے والا بوڑھے کے لائے ہوئے سگریٹ کے پیکٹوں میں سے ایک بڑی صفائی سے پار کر لیا گیا تھا۔ بوڑھے نے دوسرے پیکٹ سے سگریٹ نکال کر اسے ختم ہوتے ہوئے سگریٹ سے لگایا اور پھر اس کے ہونٹ ہلنے لگے۔ دونوں ہاتھ رہ رہ کر اس طرح جنبش کرتے جیسے وہ اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لئے جسمانی قوت بھی صرف کر رہا ہوا۔

میں منڈنگر گئے اور صدر وہیں کھڑا ہاں کے وسط میں تھر کنے والے رقصوں کو دیکھتا رہا۔ کبھی کبھی بوڑھے کی طرف بھی متوجہ ہو جاتا۔

یک بیک وہی بیک ناک والا بھر دروازے میں نظر آیا جو کچھ دیر پہلے بوڑھے کی سگرٹوں کا پیکٹ ازالے گیا تھا۔ صدر نے اس کے چہرے پر پریشانی کے آثار دیکھے۔ لاکھراتے ہوئے قدموں سے وہ پھر اسی میز کی طرف آرہا تھا۔

قریب آکر اس نے بوڑھے سے کچھ کہا اور بوڑھا اس انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا جیسے یہ دخل اندازی اسے گران گذری ہو۔

انتے میں آرکسٹر کی موسمی تھم گئی اور صدر نے بوڑھے کی آواز صاف سنی۔ جو کہہ رہا تھا۔ ”میری کاں ہے..... اوہ.... اچھا شکریہ!“

ساتھ ہی وہ بقیہ دو آدمیوں سے مفرست کر کے اٹھ گیا تھا۔ صدر نے دونوں کو دروازے کی طرف بڑھتے دیکھا۔ رقصوں کی بھیڑ گیلریوں کی طرف سمت رہی تھی۔ صدر اپنے لئے

راستہ بناتا ہوا تیزی سے آگے بڑھا۔ دونوں باہر نکل چکے تھے۔ صدر ان سے میں یا نہیں قدم کے فاصلے پر رہا ہو گا۔

جوہنپڑوں کے قریب پہنچ کر وہ رک گئے اور صدر ایک قریبی جھوپڑے کی دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ بیہاں اتنی تاریکی تھی کہ ان کی شکلیں صاف نظر نہیں آرہی تھیں۔!

”کیا بات ہے.....!“ بوڑھے کا لہجہ غصیلا تھا۔

”پپ.... پیکٹ.... جتاب....!“ بیک ناک والا ہکلایا۔

”کیا بکواس ہے.... جلدی کہو....!“

میں پیکٹ جیب میں ڈال کر اور ہر ہی سے گزر رہا تھا کہ کسی سے مکرا گیا۔ دونوں گر پڑے۔ میں نے اسے برا بھلا کہا۔ لیکن وہ معافی مانگ کر آگے بڑھ گیا۔ پھر کچھ دور چل کر

میں نے جیب ٹوٹی تو.... پپ.... پیکٹ....!

”غائب تھا....!“ بوڑھا گرایا۔ ”کہاں نکرائے تھے....!“

”ٹھیک.... اسی جگہ.... یہیں جتاب....!“

صدر کو کچھ دیر بعد کسی نارنج کاروشن دائرہ آس پاس ریکھتا ہوا نظر آیا اور وہ تیزی سے چیچھے کھک گیا۔ اس حد تک کہ اتفاقاً بھی روشنی کی پہنچ سے دور ہی رہے۔

”احمق.... آدمی....!“ اس نے بوڑھے کی آواز سنی۔ ”اگر وہ تمہارے جیب سے گرا ہوتا تو پیٹکیں ہوتا۔!

”سک.... سمجھ میں نہیں آتا....!“

”دفع ہو جاؤ....!“ بوڑھے کی آواز غصے کی شدت سے کانپ رہی تھی۔ ”اپنے جھوپڑے سے اس وقت نکل باہر نہ لٹکا جب تک کہ دوسری ہدایات نہ ملیں۔“

صدر نے صرف ایک آدمی کیے قدموں کی آوازیں سنیں جو بتدریج دور ہوتی جا رہی تھیں اس کا مطلب یہ تھا کہ بوڑھاویں رک گیا تھا۔ صدر نے بھی اپنی جگہ سے جنبش نہ کی۔ دور ہوتے ہوئے قدموں کی آوازیں بالآخر نئی میں مدغم ہو گئیں اور پھر کچھ دیر بعد اسے بوکھلا کر کچھ اور پیچھے ہٹ آتا پڑا۔ کیونکہ شاندی بوڑھا اسی طرف چل پڑا تھا۔

پھر پہنچتے نہیں کیوں آوازیں دوسری طرف بڑھتی چلی گئیں۔!

”تیوں حرست میں ہیں۔“ نجمی ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”پولیس کا خیال ہے کہ ان تیوں میں سے یقینی طور پر کوئی اس چوری سے واقع تھا اور وہی اس کی موت کا باعث بھی بنا ہو گا۔“ ہیرے حاصل کرنے کے سلسلے میں اُسے قتل کر دیا۔“

”میرا بھی یہی خیال تھا کہ پولیس نے ان تیوں کو نظر انداز کیا ہو گا جو اس وقت کا ونڈر پر موجود تھے۔“ دوسرے آدمی نے کہا۔

”مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ داور دو ہری زندگی کیوں گذار رہا تھا۔ اس کی صحت قابلِ رشک تھی۔ لیکن وہ ایک تفریح گاہ میں پہنچ کر پایا جب بن جاتا تھا۔“

”کہیں تم نے پہچانے میں غلطی نہ کی ہو۔“
”ناممکن.... وہ داور ہی تھا۔“

”اچھا....! چوری کا علم ہو جانے کے بعد تم نے کیا کیا تھا۔“

”پہلے یہاں پوچھ گجھ کی تھی پھر داور کی قیام گاہ پر گیا تھا۔! کچھ دیر تک گھنٹی بجا تارہ تھا۔ پھر پانچ منٹ تک اندر سے جواب نہ ملنے پر دروازے کا ہینڈل گھما کر دھکا دیا تھا۔ دروازہ مقفل نہیں تھا۔ لیکن وہاں کیا تھا۔... خاک اڑ رہی تھی۔ وہ سماں سمیت غائب تھا۔“

”بڑی عجیب بات ہے۔ بہت عجیب....! آخر پایاں کے بھیں میں رہنے کا کیا مقصد تھا۔“

”یہی تو سمجھ میں نہیں آتا....!“ نجمی اپنی پیشانی رکھتا ہوا بولا۔

عمران نے اجائے میں پہنچ کر سگریٹ کا پیکٹ کھولا۔ لیکن وہ خالی تھا۔ البتہ اسے اندر ایک بے سرو پا ٹھیر نظر آئی۔

”سرخ زلفوں کی چھاؤں میں سرخ ٹگدن ہی مناسب رہے گی۔!“

تو یہ کسی قسم کا پیغام تھا۔! عمران نے سوچا۔... اور پھر اس لمبی ناک والے کی طرف متوجہ ہو گیا جو اب بوڑھے کے ساتھ ریکریشن ہال سے برآمد ہو رہا تھا۔ ان کے پیچے بھی نظر آیا۔!
پھر وہ ٹھیک وہیں پہنچ کر کے جہاں عمران لمبی ناک والے سے مکر ریا تھا۔!

اس نے ان دونوں کی گفتگو بھی سنی اور اندازہ کر لیا کہ بوڑھا اس واقعہ سے واقع ہونے کے بعد سے کسی قدر نہ سوس ہو گیا ہے۔!

لیفٹینٹ چوہاں سعدی ایڈن سنز کے شوروم میں ایک شو کیس پر جھکا ہوا جواہرات کی انگشتیاں دیکھ رہا تھا۔! آئیں انگشتیاں پر تھیں لیکن دھیان نجمی اور ایک آدمی کی طرف....
نجی پست قد اور فربہ اندام تھا۔! عمر پچاس کے لگ بھگ تھی۔! شفاف کھوپڑی نے چہرے کی گولائی کو تقریباً مکمل کر دیا تھا۔ آئیں معمول سے چھوٹی تھیں۔! کھوپڑی ہی کی طرح چڑہ بھی صاف تھا۔! پتہ نہیں کیوں اسے دیکھ کر چوہاں نے سوچا تھا کاش بھنوں بھی غائب ہو تھیں۔

نجی دوسرے آدمی سے کہہ رہا تھا....! ” بلاشبہ وہ داور ہی کی لاش تھی۔! میرے خدا میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اس حال میں ملے گا۔! اوہ.... اوہ....! اور پھر سننے....! حیرت پر حیرت....! وہ پہلی بارہاں اس بھیں میں نہیں گیا تھا۔! سالہاں سے میڑ، کامبج اسے ایک پایاں آدمی کی حیثیت سے جانتا تھا۔! اگر یہ کہا جائے کہ پولیس کی زد سے بچنے کے لئے اس نے اس چوری کے بعد بھیں بدلا تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ پہلے بھی اسی بھیں میں دبایاں کیوں جاتا رہا تھا۔!

”مگر ہیرے غائب کیسے ہوئے تھے۔“ دوسرے آدمی نے پوچھا۔

”اُرے بھی بس کیا ہتاوں....! وہ یہاں اس میڑ کی دراز میں رکھے ہوئے تھے۔ وہ آیا تھا اور یہیں بیٹھ کر مجھے اپنی آرڈر بک دکھانے لگا تھا۔! اندر فون کی گھنٹی بھی تھی اور میں صرف وہ منت کے لئے چلا گیا تھا۔ پھر واپسی پر میں نے اس سے کافی دیر تک گفتگو کی تھی اور اس کے چا جانے کے بعد دراز کھوکھو کر دیکھا تو ہیرے غائب تھے۔!
”میں یہاں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔“

”ہو سکتا ہے کہ ہیرے اس کے آنے سے پہلے ہی غائب ہوئے ہوں۔!“

”ناممکن....! میں نے انہیں نکالنے کے لئے دراز کھوکھو ہی تھی کہ وہ آگیا تھا۔ میں دراصل انہیں تجویز میں رکھنا چاہتا تھا۔! بہر حال اس کے آجائے پر میں نے دراز پھر بند کر دی تھی۔!
مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس وقت تک ہیرے موجود تھے۔! اُرے بھی ہیرے اسی نے چراۓ تھے۔! اور نہ دو تین لمحے اس کے ہالی ڈے کیپ والے جھونپڑے سے کیسے برآمد ہوتے۔!
”ان تین آدمیوں کا کیا حشر ہوا جو یہاں کا ونڈر پر موجود تھے۔!

رہا ہی دیکھنے کے قابل ہوتی تھی۔ لیکن یہ صرف اونچے ہی طبقے کے لوگوں کی تفریغ گا، نہیں!

بڑھا ٹیکسی سے اتر کر ہال میں آیا! چند دیروں نے اس کا استقبال ایسے ہی انداز میں کیا جیسے مستقل گاہک ہو۔ اس نے ایک الگی میز کا انتخاب کیا جس کے آس پاس کی میزیں بھی خالی ہیں۔ اوس منٹ سے زادہ انتظار نہیں کرتا پڑا۔ سرخ بالوں والی لڑکی تیر کی طرح میز کی جانب ہی تھی!

”کوئی خاص بات....؟“ اس نے بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

”بہت ہی خاص....!“ بڑھے نے اس کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔ لیکن لڑکی اسے دردھی تھی۔ چند لمحے خاموش رہی پھر بڑھے نے کہا۔ ”کس گدھے نے تم سے کہا تھا کہ تم کسی یہے آدمی کو الجھانے کی کوشش کرو، جو خود ہی پولیس کو بیان دے بیٹھے۔؟“

”بیان دے بیٹھے....! کیا مطلب....؟“

”ایکیم یہ تھی کہ ہم اس تک پولیس کی رہنمائی کرتے.... اور تب وہ بیان دیتا۔!“

”مگر یہ ہوا کیسے....؟“

”پہلے اس نے سب کچھ بک دیا تھا۔ اپھر تمہاری تلاش میں نکلا تھا اور تم سے یہ غلطی ہوئی کہ اسے کیراج میں میرے جھونپڑے کا نمبر درج کر دیا تھا۔!“

”تمہارے جھونپڑے کا نمبر....! نہیں تو.... میں نے ایک سو گیارہ درج کر دیا تھا۔!“

”احمق....! ایک سو دس تھا تمہارے جھونپڑے کا نمبر۔ ایک سو گیارہ درج کر دیا تھا۔!“

”اوہ.... تب تو واقعی....!“ لڑکی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ پھر چوک کر بولی ”کیا پولیس نے چیک کیا تھا۔!“

”نہیں.... وہی تلاش کرتا ہوا پہنچا تھا۔!“

”اور پولیس کو بیان دینے خود ہی دوڑ گیا تھا۔!“

”نہیں....! پولیس میزو کے مخبر سے پوچھ گئے کر رہی تھی۔ یہ خواہ مخواہ بول پڑا۔“

بڑھے نے پورا واقعہ دہرا لیا اور لڑکی پڑپتی۔ پھر کچھ دیر بعد سمجھ دیتی سے بولی۔ ”میں نہیں جانتی گی کہ وہ اتنا زیادہ احمق ثابت ہو گا۔! بس اتفاقاً ایک ایسا ہی آدمی مل گیا تھا جس کی تلاش تھی۔!“

پھر جب بڑھے نے لمبی ناک والے کو اس کے جھونپڑے ہی تک مدد درہنے کا حکم دیا عمران نے سوچا کہ اب بڑھے پر خود ہی نظر رکھنی چاہئے۔

دوسری طرف صدر جھونپڑے کی اوٹ میں چھپا ہوا قد موس کی آواز کی سست کا تعین کر کی کوشش کر رہا تھا۔! یک بیک اُس نے عمران کی بھرائی ہوئی آواز سنی۔! اب تم اپنے جھونپڑے میں واپس جاؤ۔!“

لیکن قبل اس کے کہ صدر کچھ کہتا عمران تیزی سے آگے بڑھ گیا۔!
اب وہ خود ہی بڑھے کا تعاقب کر رہا تھا۔!

بڑھا پنے جھونپڑے کی طرف جانے کی بجائے ٹیکسیوں کے اوٹے کی طرف آیا۔ اس وقت عمران اس کے قریب ہی تھا۔! لیکن بھلا پہچانا کیسے جاسکتا تھا۔ جب کہ اس کی ناک کی بناؤٹ قطعاً طور پر بدلتی تھی اور گھنی موچھوں نے نچلے ہونٹ کا بھی کچھ حصہ چھپا لیا تھا۔!

”سردار گذھ....!“ بڑھے نے ایک ٹیکسی میں بیٹھے ہوئے ڈرائیور سے کہا اور ٹیکسی حركت میں آگئی۔!

قریب ہی کی دوسری ٹیکسی عمران کے کام آئی۔!

”اس ٹیکسی کے پیچے لگے رہو.... دو گناہ کرایہ....!“ اس نے ڈرائیور کو ہدایت دی۔



بڑھے نے سردار گذھ کی حدود میں داخل ہوتے ہی ایک پیلک ٹیلی فون بو تھ کے قریب ٹیکسی رکوانی اور اتر کر بو تھ میں آیا۔!

بہاں کسی کے نمبر ڈائل کئے اور ماڈ تھ پیس میں بولا۔ ”بیلو.... کون.... مونا.... دیکھو....! میں اٹھائیں بول رہا ہوں....! رینڈل میں فوراً پہنچو....! میں دیں ملوں گا اوکے.... اٹاپ....!“

وہ سلسلہ منقطع کر کے بو تھ سے باہر آیا اور پھر ٹیکسی میں بیٹھ گیا۔!

اب ٹیکسی سردار گذھ کی سب سے زیادہ نہ رونق سڑک پر دوڑ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ ایک ایسی عمارت کی کپاؤٹھ میں داخل ہوئی جس کے سائز بورڈ پر رینڈل تحریر تھا۔!

رینڈل سردار گذھ کے بہترین ناٹ کلبوں میں سے تھا۔ تین بجے سے پہلے بہاں کی رونا

میں نے سوچا چل گا۔ مگر ٹھہر دیں! تم اس کے گرد اپنے جال مضبوط کر سکتے تھے اگر وہ تمہارے پا پہنچ گیا تھا!

”ہونہم... کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میں نے ایسا نہ کیا ہو گا!“

”پھر اب کیا دشواری ہے!“

”وہ غائب ہو گیا... حالانکہ اسی پی نے اسے ہدایت کی تھی کہ وہ پولیس کو اطلاع دے بغیر کیپ نہ چھوڑے!“

”اوہ تو اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔ اب تو پولیس ہر حال اسی کی راہ پر لگ جائے گی!“

”ہوں... اون... اون...!“ بوڑھا کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”دیکھا جائے گا... چلو انھوں...!“

”دوسری اسکیم ہے!“

”اب کہاں چلتا ہے!“

”آج دوسری جگہ مینگ ہو گی!“

”وہ دونوں اٹھ گئے...! بوڑھے نے اس بار تیکی نہیں لی۔ حالانکہ کپڑاؤں کے باہر ہی خالی یکسیاں موجود تھیں۔ اوہ ایک جات پیدل ہی چل پڑے۔“

”سردار گذھ کی شہری آبادی کا پھیلاوا زیادہ نہیں تھا۔ جلد ہی وہ سنسان اور تاریک پہاڑی کے درمیان نظر آئے...! بوڑھے نے نارچ روشن کر لی تھی۔“

”کہاں جاتا ہے بھی...!“ لڑکی منمنائی۔

”بس پہنچ گئے!“

”نارچ کا دارہ ایک چھوٹی سی عمارت پر ٹھہر کر کیکپا لیا۔“

”اوہ ہو...!“ لڑکی کے لمحے میں حیرت تھی۔ ”میں تو یہاں پہلے کبھی نہیں آئی۔!“

”نہ آئی ہو گی۔!“ بوڑھے نے لاپرواں سے کہا۔ ”بہتری جگہوں سے سب واقف ہیں۔!“ دروازہ مغلل تھا...! بوڑھے نے جیب سے کنجیوں کا چنچانا کلا۔ ایک کنجی منتخب کی اور کچھ دیر بعد دروازہ ہلکی سی چڑچڑاہٹ کے ساتھ کھلا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ عرصہ کھووالا گیا ہو۔!

”اوہ تو ہم سب سے پہلے پہنچ ہیں۔!“ لڑکی بڑپڑائی۔ ”دوسرے لوگ کب آئیں گے!“

”آہی جائیں گے!“

یک بیک لڑکی اچھل کر پچھپے ہٹ گئی۔

”کیا بات ہے....!“ بوڑھاڑا۔

”میں اندر نہیں جاؤں گی۔!“

”کیوں...؟“ آواز میں ہلکی کی غرامت تھی۔

”تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو!“

”چلو...!“ بوڑھے نے اس کا ہاتھ بکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا۔

”نہیں جاؤں گی۔!“ لڑکی حلخ کے بل چینی۔

لیکن بوڑھاڑے کسی بکری کے بچے کی طرح گھسیتا ہوا اندر لے جا رہا تھا۔ انہوں نے نارچ دشنا کی تھی اور نہ دروازہ بند کرنے کے لئے رکا تھا۔

ایک جگہ اس نے نارچ روشن کی اور زک گیا۔...! یہ ایک کافی کشادہ کرہ تھا۔ لڑکی اب بھی نہ چھڑا لینے کے لئے زور لگا رہی تھی۔

وختا بوڑھاڑس پڑا۔

”احمق....! تم بالکل نغمی بیکی ہو...! مجھے اپنے مذاق بہت پسند ہیں، جو اچانک دوسروں بوکھلا دیں تم واپسی ڈر گئیں....!“

بوڑھاڑتارہا اور لڑکی بڑپڑائی رہی۔...! بوڑھے نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا تھا۔

”اچھا بذرا وہ کیرو میں یہ پ روشن کر دو....! میں دوسروں کے لئے نشان بنا آؤں۔“

ہال سے گلٹل ملے بغیر وہ نہیں آئیں گے۔!

بوڑھے نے دیا مسلمانی کی ڈوبیہ جیب سے نکال کر اس کی طرف بڑھا دی۔

”میں اس قسم کے لغوم مذاق نہیں پسند کرتی۔!“ لڑکی نے غصیلے لمحے میں کہا اور کیرو میں پ روشن کرنے کے لئے آگے بڑھی۔! بوڑھاڑاں وقت تک نارچ کا ہٹن دبائے رہا جب تک کہ لائکیرو میں یہ پ کی زرد روشنی نہیں پھیل گئی۔...! پھر وہ دروازے سے نکل گیا۔

لڑکی دیں کھڑی رہی۔...! اس کی آنکھوں میں بھکن کے آثار تھے۔ پھر وہ شاید دروازہ بند نہیں کی آواز تھی جسے سن کر وہ اچھل پڑی تھی۔ اور ایک لمحہ کے لئے اس کے چہرے پر

خوف کا سایہ سانظر آیا تھا۔
بوڑھا غالباً اپس آرہا تھا....! وہ قد موس کی آواز سن رہی تھی....! اُس کی مٹھیاں نہ جا
کیوں سختی سے ٹھنڈی چلی گئیں! ۔
وہ کمرے میں داخل ہوا....! اس کا ڈبلا سا چہرہ اب کچھ اور لمبا نظر آنے لگا تھا۔! آنکھ
حلقوں میں ساکت تھیں! لڑکی نے جھر جھری سی لی۔ پتہ نہیں کیوں اُسے ایسا محسوس ہو،
جیسے بوڑھے کی شخصیت ہی بدل گئی ہو۔!

”بالوں کے متعلق تمہیں کیا بدایات ملی تھیں....!“ بوڑھا غرایا۔

”میں نے ضروری نہیں سمجھا تھا کہ انہیں تباہ کر لوں۔!“

”ہوں....! لیکن یہ بہت ضروری تھا۔! سرخ بال یہاں عام نہیں ہیں....! اگر یہ وقت ط
خضاب سے سیاہ کرنے جاتے تو یہ دشواریاں پیدا نہ ہوتیں۔!“

”کون سی دشواریاں پیدا ہوئی ہیں!“ لڑکی کا بھپہ طنزیہ تھا۔

”سرخ بال جو عام نہیں ہیں۔ جبھی ملازم جو عام نہیں ہے.... اور میرا خیال ہے کہ وہا
بھی غیر معمولی ہی تھا۔!“

”میں نہیں سمجھتی تم کیا کہنا چاہتے ہو....!“ لڑکی جھنجھلانی۔

”میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم کیپ میں بہت زیادہ دیکھنی گئی ہو....! کچھ لوگوں نے حق کے ساتھ بھگی دیکھا تھا۔! حق کے ساتھ انہوں نے دو غیر معمولی چیزیں دیکھنی تھیں سرخ بال اور جبھی ملازم.... پولیس تیوں کی تلاش میں ہے۔ تم سے کہا گیا تھا کہ تم کسی آدمی کا انتخاب کرو جو فوری طور پر اپنی طرف توجہ مبذول کرانے والا ہو۔! لیکن.... تم بوڑھا خاموش ہو کر اسے گھورنے لگا.... لڑکی بھی خاموش تھی....! اس کے ہوند سے بچنے ہوئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اچاک پیدا ہونے والے کسی خیال میں نہیں گزرے۔
پھر یک بیک اس کی آنکھوں سے خوف جھاکنے لگا۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے کہ تم صفائی پیش کرو!“ بوڑھا تھا اٹھا کر بولا۔

”مجھے یہاں کیوں لائے ہو۔!“ لڑکی بہیانی انداز میں چینی۔!

” بتاتا ہوں....!“ بوڑھے نے جیب سے ایک چاقو نکالا۔

”کیا....؟“ لڑکی کی آنکھیں خوف سے چھل گئیں۔
چاقو نکلنے کی کر کر اہست کرے میں گو نجی اور لڑکی ”نہیں“ کہہ کر اتنی تیزی سے پیچھے ہٹی کے یوار سے جا نکلی۔ بوڑھا آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا۔! ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ لڑکی کی پیشانی سے لف اندوز ہو رہا ہو۔!
”نہیں.... نہیں پیچھے ہٹو....!“ لڑکی کی چینیں جگر خراش تھیں....! لیکن وہ اسی طرح آہستہ آہستہ آگے بڑھتا رہا۔!

پھر یک بیک پوری عمارت میں عجیب ناشور گو نجی نگاہ اور بوڑھا یک بیک اچھل کر بولا ”وہ را.... اب بتاؤ!“

”وہ رک گیا تھا....! لڑکی دیوار سے کمی ہوئی ہاپ پر رہی تھی اور اس کی خوف زدہ آنکھیں اب بھی بوڑھے کے چہرے پر تھیں۔!
umarat میں گو نجی دلالا شور ایسا ہی تھا جیسے بہت سے آدمی ایک دوسرے پر پل پڑے ہوں۔!
”اب بتاؤ کہ وہ کون تھا اور تم کس کے لئے کام کر رہی ہو۔!“ بوڑھے نے چاقو کی نوک بکاتے ہوئے کہا۔

بوڑھے کی آنکھیں پہلے سے بھی زیادہ شعلہ بارہو گئیں اور وہ گرج کر بولا۔ ”تم جھوٹی ہو۔
میں نے کیپ سے تمہارے لئے کسی کو پیغام بھیجا تھا جو اخبارہ کی جیب سے ازاں گیا۔... مجھے دیکھنا غاہک وہ کون ہے اس لئے میں خود ہی چل پڑا۔ تمہیں یہاں لانے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اسے پہنچا بگئے۔... اس نے کیپ سے میرا تعاقب شروع کیا تھا.... اور اب....!“

بوڑھا خاموش ہو کو مسکرا یا پھر بولا۔ ”کیا تم شور نہیں سن رہیں۔! میرے آدمیوں نے اسے لہر لیا ہے۔!
”پتہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔ میں کچھ نہیں جانتی۔!“

”مرنے سے پہلے تمہیں مطمئن کر دیا جائے گا کہ تم غلط نہیں مر رہیں۔!
”کیا بک رہے ہو تم....!“ لڑکی پھر چینی۔

ٹھیک اُسی وقت چار آدمی کمرے میں داخل ہوئے انہوں نے ایک آدمی کو پکڑ رکھا تھا۔
”مم.... میں.... تمہارے لئے کام کر رہی ہوں۔! تم شاید پاگل ہو گئے ہو۔ خدا کے لئے

حافت نہ کرو!“
”اوہ.... بہت اچھے....!“ بوڑھے نے مسکرا کر کہا۔
لوکی نے بھی قیدی کی طرف دیکھا اور آنکھیں چھاڑنے لگی!
”ہوں....!“ بوڑھے نے کہا ”بیچان رہی ہوتا....!“
”میں نہیں جانتی کہ یہ کون ہے....! کبھی نہیں دیکھا!“
”پھر جھوٹ....!“ بوڑھے نے کہا اور قیدی کی طرف مزا۔ ”کون ہوتا!“
”بہت قیمتی گلہا ہوں!“ قیدی ہانپاہ ہوا بولا۔
”ہوں....! باتوں میں اڑانے کی کوشش کرو گے.... اچھا....!“ بوڑھا خاموش ہو کر اے
گھورنے لگا۔ پھر اپنے آدمیوں سے بولا۔ ”گرا کر ذبح کر دو!“
”ذبح کرنے سے پہلے پانی ضرور پلاتتے ہیں۔! میں نے کہا۔ ہاں.... یاد دلا دوں تمہیں۔
قیدی بولا۔
لوکی پھر اس پہلوی ہوئی تاک والے کو گھورنے لگی جس کی موچھیں بھی اسے بہت کریب لے
رہی تھیں۔ لیکن حافظے پر لاکھ زور دینے کے باوجود بھی اسے نیاد آسکا کہ ”پہلے کبھی اس سے ا
ہو۔!
بوڑھے کے آدمی اسے گردانے کے لئے جھکولے دیتے رہے لیکن کامیاب نہ ہوئی۔
پھر یک بیک پتہ نہیں کس طرح خود اس نے ہی انہیں چکرا کر کھدا کر دیا اور وہ ایک دروازے
سے ٹکرایا۔ ٹکرایا۔ یک بیک بوڑھے نے بھی اس پر چھلانگ لگائی۔ پاؤ
ایک بھرپور دوار.... لیکن دوسرا ہی لمحے میں بوڑھا بھی چاقو سمیت فرش ہی پر نظر آیا۔!
قبل اس کے کہ قیدی پر دوسرا حملہ ہوتا اس نے چاقو پر قبضہ کر لیا۔ لیکن اسے اتنا موقع دل
کہ وہ اسے استعمال بھی کرتا۔ چاروں بڑے دھشانہ انداز میں اس پر جھپٹتے تھے.... اور اسے ہا
اٹھانے کی بھی مہلت نہیں ملی تھی۔ انہوں نے اسے پھر بکڑ لیا۔ چاقو والا ہاتھ مضبوطی سے
گیا تھا۔ بوڑھے کا چہرہ بے حد خوفناک نظر آنے لگا۔ وہ تیزی سے قیدی کی طرف جھینٹا اور
والے ہاتھ پر زور آزمائی کرنے لگا۔ اس سے پہلے وہ چاروں ہی باری باری سے چاقو چھپنے
کوشش کرچکے تھے۔!

”ناممکن....!“ قیدی نے تھوڑہ لگایا۔ ”کوئی مرد آج تک میری مٹھی نہیں کھوں سکا!“
”لوکی سے کہو....! وہی چھین کے گی چاقو....!“
بوڑھے نے جلا کر الہا باتھ اس کے منہ پر رسید کر دیا۔ چوت آئی ہو یا نہ آئی ہو لیکن قیدی
بڑے خسارے میں رہا.... اس کی تاک موچھیں سمیت اکھڑ کر فرش پر آ رہی اور کئی تھیر آمیز
آوازیں کر کرے میں گو نجیں۔!
”اوہ.... یہ تو وہی ہے....!“ بوڑھا طلق پھاڑ کر دہاڑ۔
”احمق....!“ لوکی چینی۔
”خدا تمہیں غارت کرے.... تم خود احمق.... احمق کہنے والوں کو میں نے آج تک معاف
نہیں کیا!“ احمق نے ہاٹک لگائی اور پھر ایسا معلوم ہوا جیسے وہ سب رہڑ کے ہوں....! چھل اچھل
کر گرنے پر چینٹنے لگے.... چاقو کہیں دور جا پڑا اور وہ اس پر نمری طرح الجھ گئے تھے کہ کسی کو اس کی
طرف دھیان دینے کا ہوش ہی نہیں رہ گیا تھا۔!
لوکی ایک گوشے میں سہی کھڑی اس جیرت انگیز ہنگامے کو دیکھ رہی تھی۔ پھر آخر سے
بھی ہوش آہی گیا اور وہ آہستہ در دہانے کی طرف ھککنے لگی۔
بوڑھا اب پوری طرح اپنے آدمیوں کے ہاتھ بثارہا تھا اور احمق کے ہاتھ کھارہا تھا۔

لوکی باہر تو نکل آئی تھی....! لیکن اب اس نے سوچا کہ جس کی وجہ سے قئ نکلنے میں
کامیاب ہو گئی ہے اسے خونیوں کے نرغے میں چھوڑ کر اس طرح جھاگ تکنا اچھی بات تو نہیں۔!
پھر وہ کیا کرے....؟ اگر دوسری بار ان کے چੱگل میں جا چھپنی تو گلو خلاصی ایسے ہی جھٹکے کو کہیں
گے جو سرت سن سے خدا کر دے۔!
مگر.... آخر یہ احمق.... اس وقت ایک انہوںی اس کی نظر وہن سے گزری تھی۔! وہ احمق
اپنا جان بچانے کی بجائے ان لوگوں کے پیچھے لگ گیا تھا جنہوں نے اس کے خلاف سازش کی
تھی۔ اب اس کے پیچھے ایک طرف پولیس تھی اور دوسری طرف یہ لوگ۔!
آخر یہ ہے کون....؟ نادانشگی میں وہ کس سے جا گکرائی تھی۔ کوئی بھی ہو....! اسے محض
ہی کہھنا چاہئے.... ورنہ اس وقت بوڑھا سے کب زندہ چھوڑتا....!

وہ عمارت کے قریب ہی ایک چنان کی اوٹ میں رک گئی۔ چاروں طرف گہر اندر ہمراحتا۔ لیکن یہاں لوئے والوں کا شور نہیں سنائی دیتا تھا۔! عمارت کے باہر قدم رکھتے ہی وہ بذریعہ مد ہم ہوتا گیا۔! ہو سکتا ہے کہ عمارت کی ساخت ہی ساؤنڈ پروف قسم کی رہی ہو۔ اولیے یہ عمارت لڑکی کے لئے نہیں تھی۔ اس سے پہلے کبھی یہاں آنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔

وہ بھن میں بتلا تھی۔! اسے کیا کرتا چاہئے۔ اگر دوبارہ ان کے ہاتھوں میں پڑی تو زندگی محال ہو جائے گی۔! یہ خدشہ بھی لا حق تھا کہ کہیں راستے میں کسی سے مدد بھی نہ ہو جائے۔! ظاہر ہے کہ بوڑھے نے احمد کو چھاننے ہی کے لئے جال بچھایا تھا یہ اور بات ہے کہ اس سے پہلے اسے خیال بھی نہ آیا ہو کہ اس بے ہنگم میک اپ میں وہی ہو گا تو پھر ضروری نہیں کہ اس نے صرف چار ہی آدمیوں سے کام لیا ہو۔! ہو سکتا ہے کہ کچھ لوگ باہر بھی اور ادھر چھپے بیٹھے ہوں۔! پہاڑیاں اسی تھیں کہ یہاں پوری فوج کی فوج بہ آسانی چھپ سکتی تھی۔!

دفعتا اس نے دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنیں اور ایک گوشے میں دبک گئی۔ پھر اسے اپنے قریب ہی چلکھاڑ سنائی دی۔! ”ٹھہرو۔۔۔ ٹھہرو۔۔۔ ارے یہ اپنا چاقو تو لیتے جاؤ نہیں تو آلو کیسے چھیلو گے۔!

خدا کی نیا۔۔۔ لڑکی کانپ اٹھی۔۔۔ آواز احمد کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔! پھر وہ شاید اسی کے قریب ہی آکر رک گیا۔۔۔ بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں آہستہ آہستہ سنائے میں تخلیل ہو گئیں۔!

آئے یقین تھا کہ آواز احمد ہی کی تھی اور وہ اپنے قریب جو دھنڈلی ہی پر چھائیں دیکھ رہی تھی وہ بھی احمد ہی کی ہو سکتی تھی۔ لیکن پھر بھی وہ اسے مخاطب کرنے کی بہت نہ کر سکی۔! لیکن جیسے ہی وہ آگے بڑھا غیر ارادی طور پر اس کی زبان سے ٹھہر کا لفظ نکل گیا۔ اسایہ ٹھکانا اور پھر آواز آئی۔ ”اب کس مصیبت میں پھنسا گی۔!

” یہ مشورہ دوں گی کہ سر پر پیر رکھ کر بھاگو۔۔۔ ورنہ جلد ہی کوئی دوسرا آفت بھی نازل ہو سکتی ہے۔!

سایہ بھد سے چنان پر بیٹھ گیا۔۔۔ اور لڑکی اُسے عجیب قسم کی حرکتیں کرتے دیکھتی رہی۔ ”کیا کر رہے ہو۔۔۔ اس نے بالآخر کہا۔

”نہیں بنتا۔۔۔“ سائے نے مایوسی سے کہا۔

”کیا نہیں بتتا۔!

”سر پر پیر رکھ کر بھاگنے کی کوشش کر رہا ہوں۔!“ سائے نے کراہ کر کہا۔

”اٹھو۔۔۔ احمد کہیں کے۔۔۔!“ لڑکی نے جھپٹ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔! اٹھو۔

نہیں تم کیا بلہا ہو۔۔۔!

وہ اٹھ گیا۔۔۔ اور پھر وہ یزی سے نشیب میں اترنے لگے۔۔۔!

”کہاں چلو گے۔۔۔!“ لڑکی نے پوچھا۔

”تمہیں گھر پہنچا کر روئی کامار کٹ دیکھوں گا۔! سنابے دام پھر چڑھ رہے ہیں۔!

”کیا تم نے سنائیں کہ وہ مجھے مارڈا الناچاہتے تھے۔!

”اگر بر منے سے فائدہ ہے۔۔۔ لاش بآسانی پولیس کے ہاتھ آجائے گی۔!

”مجھے پریشان مت کرو۔۔۔! تمہارے لئے بھی خطرہ ہے۔۔۔! وہ ضرور وابس آئیں گے۔!

”مگر وہ تمہیں چھوڑ کر بھاگ کیوں گے۔۔۔!

”بس کیا بتاؤ۔۔۔! خفا ہو گئے۔۔۔ پکارتا ہی رہ گیا کہہ رہے تھے۔ کافی ہاؤز چلو میں نے انکار کر دیا۔! نہیں تھا ترقیت کا مود۔!

”تم کون ہو۔۔۔!

”ہاتا ہوں۔۔۔!“ سائے نے کہا اور یہ بیک جھک کر اسے کاندھے پر انھالیا۔

”ارے۔۔۔ ارے۔۔۔!“ لڑکی آہستہ سے منٹائی۔۔۔ لیکن سائے نے تیزی سے دوڑنا شروع کر دیا۔! اندھیرے میں اس طرح دوڑنا خطرے سے خالی نہیں تھا لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا

جیسے راست اس کا اچھی طرح دیکھا بھالا ہو۔۔۔! پھر لڑکی نے محسوس کیا کہ وہ اس کے قدموں کی

آواز بھی نہیں سن رہی۔! اس کی فکر بھی نہیں تھی کہ وہ اسے کہاں لے جا رہا ہے۔!

وہ خاموشی سے دوڑتا رہا۔۔۔ کبھی کبھی رفتاد کم ہو جاتی تھی اور وہ اس طرح پیچ کر چلتے گتا۔

تھا جیسے اندھیرے میں بھی ناہموار راستے کے نشیب و فراز بخوبی نظر آرہے ہوں۔

کچھ دیر بعد اس نے مارچ روشن کر لی اور لڑکی آہستہ سے بولی۔! یہ کیا کر رہے ہو۔۔۔! اگر انہوں

نے دیکھ لیا تو۔!

”پروہ ملت کرو...!“ احمد ایک غار میں داخل ہو رہا تھا۔

ٹھوڑی دور چلنے کے بعد احمد نے اسے یقینے اتار دیا۔...! مارچ کی روشنی میں کافی کشادہ جگ نظر آئی۔ از میں سطح تھی اور ایک جانب ٹھوڑا سامان بھی پڑا ہوا نظر آیا۔

”اوہ...! تو تم نے پولیس کے ذر سے یہیں پناہ لی ہے۔!“ لڑکی نے پوچھا۔

احمد نے کوئی جواب نہ دیا وہ دیساں کی کھنچ کر ایک چھوٹا سا کار بائیڈی لمب پروشن کرنے لگا تھا۔

”اب میں ذرا اپنی ٹوٹ پھوٹ کا جائزہ لے لوں۔!“ احمد زمین پر بیٹھ کر اپنا جسم نونٹنے لگا۔

پھر کراہ کر بولا۔ ”بعض بے درد اتنے زور سے مارتے ہیں کہ خدا کی پناہ۔!“

”مجھے اسی پر حیرت ہے کہ تم زندہ کیسے بچے...! وہ سب بڑے خون خوار لوگ تھے...! اور

وہ شیطان۔...! میں نے پہلے کبھی اُسے اس روپ میں نہیں دیکھا۔!

”وہ بوڑھا۔...!“ احمد نے پوچھا۔

”ہاں۔...! وہی بوڑھا۔...! یہ سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ وہ کسی پر قاتلانہ حملہ کرے گا۔!“

”حالانکہ اس بیچارے پایاچ کو تم سکھوں نے مل کر مارڈا۔!“

”میں کچھ بھی نہیں جانتی۔...! یہ تو مجھے آج کے اخبار سے معلوم ہوا ہے کہ وہ مارڈا الگیا اور

وہ پایاچ نہیں تھامیک اپ میں تھا اور اس نے اپنے مالک کے جواہرات چڑائے تھے۔!

”ہو سکتا ہے کہ تم اس کے متعلق کچھ نہ جانتی رہی ہو۔...! لیکن اتنا تو جانتی ہی تھیں کہ وہ

مارڈا لاجائے گا اور قتل کا ملزم بنانے کے لئے تمہیں مجھ میں آدمی کو چھانتا ہے۔!

”ہاں۔...!“ لڑکی حیرت سے آنکھیں چھاڑ کر بولی۔ ”تم تو اس وقت مُتل مندوں کی سی

باتیں کر رہے ہو۔!

”پولیس تو گدھوں کو بھی لاطینی بولنے پر مجبور کر دیتی ہے۔!“ احمد نے شہنشہی سانس

لی۔ ”تم نے مجھے بڑی مصیبت میں پھنسا دیا۔...!“

”تم خود ہی کیوں بول پڑے تھے۔...! بوڑھا کہہ رہا تھا۔!

”ہاں۔...! بن بول ہی پڑا تھا۔...! ستارے ایجھے تھے۔...! بولتا تو تم لوگ کسی دوسری طرح

پھنسانے کی کوشش کرتے اور میں اس وقت جیل میں ہوتا۔...! کیوں۔...?“

”اسکیم تو یہی تھی شاید۔...!“ لڑکی مسکرائی۔

”اور تم اس پر خوش ہو رہی ہو۔!“ احمد نے غصیلے لمحے میں پوچھا۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہیں کس طرح مطمئن کر سکوں گی۔! مگر پہلے تم مجھے اپنے متعلق بتاؤ کہ یہ پاگل پن نہیں ہے کہ تم اپنے بچاؤ کی فکر کرنے کی بجائے انہیں لوگوں سے آہزے، جو تمہیں پھنسانا چاہتے تھے۔ تم سے بہت بڑی حراثت سرزد ہوئی ہے۔!“

”اکثر اس سے بڑی سرزد ہوتی رہی ہیں۔! اچھا تو پھر کیا تمہیں توقع تھی کہ میں پھانسی کا پھنڈہ اپنی ہی گردن میں ڈال لوں گا۔!“

”وہ بہت چالاک ہیں۔...! میں تو کہتی ہوں کہ اس طرح بھاگ نکلنے میں بھی کوئی چال تھی۔ اب وہ غالباً یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ تم تہرا ہی ہو یا تمہارے ساتھ بھی کوئی گروہ ہے تم نے یہ سمجھ کو بوڑھے کا تعاقب کیا تھا کہ وہ غافل ہے۔...! حالانکہ وہ یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس کی تاک میں کون ہے۔... آہاں نہہر و... بتاؤ وہ پیغام کیا تھا جو تم نے اس کے کسی ساتھی کی جیب سے اڑایا تھا۔!“

”پیغام۔...! نہیں شاعری۔...!“ وہ شہنشہی سانس لے کر بولا۔ ”سرخ لفولوں کی چھاؤں میں سرخ گردن ہی مناسب رہے گی۔!“

”میرے خدا۔...!“ لڑکی یک بیک پھر خوف زدہ نظر آنے لگی۔ ”اس پیغام کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ مجھے ذبح کر دیا جائے۔!“

”مگر یہ پیغام تھا کس کے لئے۔...! وہ آدمی اسے کہاں لے جاتا۔!“

”یہ بتانا مشکل ہے۔...!“ لڑکی کسی سوچ میں پڑ گئی۔!

”احمد اسے مٹوئے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔! لڑکی خاموش ہی رہی آخر احمد نے پوچھا۔

”ہیرے کہاں ہیں۔!“

”میں نہیں جانتی۔...! یہ معاملہ میری سمجھ میں آہی نہ سکا۔! مجھ سے صرف اتنا ہی کہا گیا تھا کہ میں کسی کو اس کے جھوپڑے تک لے جاؤں۔...! خود اندر چلی جاؤں۔ پھر واپس آکر کہوں کہ میں اپنا کام کر چکی ہوں۔!“

”تمہیں اندر جا کر کیا کرنا تھا۔...!“

”کچھ بھی نہیں۔...! مجھ سے تو کہا گیا تھا کہ وہ اس وقت جھوپڑے میں ہو گا ہی نہیں۔...!“

”میں کچھ دیر نہہر کر واپس آ جاؤں۔...! یہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وہ اس طرح قتل کر دیا جائے۔

مگر۔ آج کا اخبار دیکھنے کے بعد ہی پوری سازش میری سمجھ میں آسکی ہے۔ پرسوں رات طوفان آگی تھا! بوڑھاٹھیک اسی وقت میرے جھونپڑے میں داخل ہوا جب مجھے وہاں سے روانہ ہوتا تھا! اس نے کہا کہ اب طوفان کی وجہ سے اسکیم دوسرا رات پر ملتوی کردی گئی ہے۔ اسیں اب سو جاؤ۔ ظاہر ہے کہ میں نے خدا کا شکر ادا کیا ہو گا کہ اب اس طوفان میں باہر نہیں نکلا پڑے گا....! چین سے سو گئی تھی! لیکن پھر منہ انہیں سے ہی مجھے اٹھادیا گیا تھا کہ میں سردار گذھ چلی جاؤ۔ اور اس وقت تک دوبارہ یکپ کارخ نہ کروں جب تک کہ ہدایات نہ ملیں۔ سردار گذھ میں بھی ان کے کئی ٹھکانے ہیں۔!

”ہوں....!“ عمران نے کچھ سوچتے ہوئے سر ہلایا۔ پھر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔

”سر غنہ کون ہے!“

”ہو سکتا ہے کہ بوڑھا ہی سر غنہ ہو کیونکہ وہ جو کام ہم سے لیتا ہے....! ان کے مقصد سے بخوبی واقف ہوتا ہے!“

”کیا مطلب....!“

”اوہ نہ....! مجھے کی کوشش کرو....! مطلب یہ تھا کہ وہ ہم سے صرف کام لیتا ہے۔“ ہم کسی کام کے مقصد سے واقف نہیں ہوتے۔ ہمیں تو اس کی ہوا بھی نہیں لگنے پائی....! اکثر ایہ ہوتا ہے کہ ان کاموں کے نتائج سے ہم کسی حد تک معاملات کا اندازہ لگاتے ہیں۔ مثال کے طور پر اپنا کیس لے لو۔ جب اپنی مرگیا اور اخبارات میں اس کے متعلق خبریں آئیں تو مجھے اندازہ ہو سکا کہ تمہیں چھانے کا کیا مقصد تھا!“

”کیا مقصد تھا....?“

”ارے یہی کہ اپنی کے قتل کا الزام تمہارے سر رکھ دیا جاتا!“

”مگر کیسے....؟“ عمران نے جملائے ہوئے مجھے میں کہا۔ ”میں اپنی زبان بند رکھتا!“

”تمہیں بار بار احمد کہتے ہوئے بھی الجھن ہوتی ہے۔ ازر اکوڑی استعمال کرو....! جب تم اس منزل سے گزرے ہی نہیں تو کیسے کہہ سکتے ہو کہ اس وقت حالات کیا ہوتے فرض کرو....! کوئی تمہیں اسی وقت وہیں چیک کر لیتا جب میں جھونپڑے میں داخل ہوتی اور تم باہر میرا منتظر کرتے۔ پھر دوسرا صبح کیا ہوتا جب اس کی لاش ملتی۔ ظاہر ہے کہ میں بھی وہاں سے ہٹا دکر

جانی۔ پھر تم روایا کرتے کہ تمہیں کوئی لاکی وہاں لے گئی تھی مگر کسے یقین آتا۔... تم دھر لئے جاتے۔... اور پھانسی کا پھنسا!“

”ارے باپ رے....!“ عمران اچھل کر اپنی گردن مٹنے کا اور لاکی نہیں پڑی۔...! پھر یک بیک سنجیدہ ہو کر بولی۔ ”پھر وہ مجھے بھی راستے سے ہٹا دیتے کیونکہ میں خود کو چھپانے سکتی محسوس اس بناء پر پوچھیں میری تلاش میں بھی ہے کہ میں تمہارے ساتھ دیکھی گئی تھی! بہر حال پاٹیں تمہیں پکڑ لیتی۔... لیکن مجھے نہ پاسکتی۔... پھر وہی ہوتا جو انہی کہہ چکی ہوں۔! مگر سنو۔... ایک بات سمجھ میں نہیں آئی!“

”وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی پھر بولی۔ ”داور.... حقیقتاً کون تھا....؟“

”یہ بھی تم ہی بتاسکو گی۔!“

”میں کیا جانوں.... میں جانتا چاہتی ہوں۔! وہ سعدی ایڈنڈ سنز کا ٹریو لنگ ایجنت تھا! لیکن سعدی والے اسے اپنی کی حیثیت سے نہیں جانتے تھے اور حقیقاً وہ اپنی تھا بھی نہیں۔... پھر آخر وہ دوہری زندگی کیوں بس رکر رہا تھا۔! اگر وہ پہلی بار اس روپ میں لوگوں کو ملا ہوتا تو کہا جا سکتا تھا کہ پوری کے بعد پوچھیں سے پچھے کے لئے اپنی بنا ہو گا۔“

”میری گردن کاٹنے کے لئے اپنی بنا تھا۔!“ عمران جملائے۔ ”فی الحال یہ مت سوچو کہ وہ اپنی کیوں تھا!“

”پھر تم ہی بتاؤ کیا سوچوں....! میں تو بڑی مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔!“

”عمران خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا پھر بولا۔ ”کیا یہ چوروں اور قاتموں کا گروہ ہے۔!“

”میں آج تک نہیں سمجھ سکی کہ یہ کس قسم کے لوگوں کا گروہ ہے۔!“

”مجھے اپنے ازالی احمد ہونے کا اعتراف ہے۔ پھر کیوں آؤ بنا رہی ہو۔!“

”یقین کرو.... میں نہیں جانتی۔!“

”کیا داور کا قتل ان ہیروں کے لئے نہیں ہوا تھا۔!“

”ہو سکتا ہے یہی بات رہی ہو....! کاش تم سمجھ سکتے۔...! ہم سب نبڑی طرح پھنس گئے۔!“

”اے اب اس جال سے کسی طرح نہیں نکل سکتے۔!“

”میں نہیں سمجھا.... تم کیا کہہ رہی ہو۔!“

”کیا مجھ پر پہلے ہی سے تم لوگوں کی نظر تھی؟“

”نہیں.... تم سے اتفاقاںی ملاقات ہوئی تھی.... دارالحکومت سے کمپ آتے وقت بچ جزی خراب ہو گئی تھی! اس وقت تو مجھے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ میں وہاں کیوں بائی گئی وی!“

”کمپ میں بجھ کر بوزھے کی اسکیم معلوم ہوئی تھی اور میں نے سوچا تھا کہ اس کام کے لئے جیسا حق بہت موزوں ثابت ہو گا۔ لیکن بچ تباہ... کیا تم الحق ہو؟“

”اب الحق کہا تو تھپڑا روں گا!“ عمران نے غصیلے لمحے میں کہا۔ ”میں الحق نہیں ہوں۔“ ”تحوڑی دیر یک خاموش رہا پھر نرم لمحے میں بولا۔“ بن اکثر یہ ہوتا ہے کہ میری عقل خط و جاتی ہے بجھ میں نہیں آتا کہ مجھے کسی بات کے جواب میں کیا کہنا یا کرنا چاہئے۔ خیر ختم رو.... اب تم نے اپنے لئے کیا سوچا ہے!“

”اگر عقل خبطہ ہو گئی ہو تو تم ہی کچھ بتاؤ.... مگر تمہرو... کیا تمہیں معلوم تھا کہ میں اس قاتی عمارت میں لاٹی جاؤں گی۔ ایہ غار وہاں سے زیادہ دور تو نہیں معلوم ہوتا!“

”ہم اس وقت ہالی ڈے کیپ کے قریب ہی ہیں۔ عمارت بھی ہالی ڈے کیپ سے زیادہ دور نہیں ہے۔ اسے چونکہ مجھے پھانسنا تھا اس لئے اس نے اتنے گھما پھراو والا راستہ اختیار کیا تھا!“ ”بہر حال اب وہ لوگ تمہاری تلاش میں ہوں گے۔ پھر کہتی ہوں کہ ان کے اس طرح نکلنے میں بھی کوئی نہ کوئی چال ضرور تھی!“

”بوزھے کا نام کیا ہے؟“ ”شاطر۔ عجیب بے تکا نام ہے.... وہ کہتا ہے میں شاعر ہوں اور شاطر تخلص کرتا ہوں۔“ ہم سب سے شاطر ہی کے نام سے جانتے ہیں۔ اچھے کی دلائی کرتا ہے!“

”مستقل قیام کہاں ہے؟“

”دارالحکومت میں تیرہ پرنس اسٹریٹ...! بڑی شان سے رہتا ہے!“

”ہوں....!“ عمران تھوڑی دیر یک کچھ سوچتا رہا پھر اٹھتا ہوا بولا۔ ”تم میںں نہ ہو! میری آیا۔ میری عدم موجودگی میں غار سے نکلنے کی ہمت نہ کرتا!“

”بھی کہاں ہے.... ہم سب امن پسند شہری تھے....! تم جانتے ہی ہو کہ آدمی زندگی کی یکسانیت سے اکتا کر کیا کچھ نہیں کرتا۔ ایسے لمحات بھی آتے ہیں جب سنجیدگی کے تصور سے بھی وحشت ہوتی ہے۔ ہم آٹھ ممبروں نے ایک کلب بنایا تھا اور فرست کے لمحات میں دن بھر کی بوریت رفع کرنے کے لئے طرح طرح کی حرکتیں کرتے تھے اکثر بعض اجنبی بھی ہماری شرارتوں کا شکار ہو جاتے لیکن شرارتوں کی نوعیت ایسی نہیں ہوتی تھی کہ کوئی نہ امانتا...! وہ اجنبی بھی وقت طور پر ہمارے دلچسپیوں میں شریک ہو جاتے....! کہنے کا مطلب یہ کہ ہم کبھی قانون کی حدود سے باہر قدم نہیں نکلتے تھے۔ کلب کے قیام کا مقصد محض تفریخ تھا۔ ایک دن یہ بوزھاپتہ نہیں کہاں سے آپھا....! یہ بھی ہماری ایک شرارت کا شکار ہوا تھا۔ یعنی اس نے ہم سے استدعا کی تھی کہ ہم اسے بھی کلب کا ممبر بنالیں۔ آدمی زندہ دل ثابت ہوا تھا اس لئے ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ اپکھے دنوں بعد ہم نے محسوس کیا کہ وہ تو ہم سے سکھوں سے تیز ہے۔ نت نئی شرارتوں کے پروگرام بڑے سلیقے اور ذہانت سے ترتیب دیتا۔ آہستہ آہستہ وہ ہم سکھوں پر مسلط ہوتا گیا اور کچھ دن گذرنے پر ہم محسوس کرنے لگے کہ شرارتوں کے بہانے ہم سے کئی غیر قانونی حرکتیں بھی سرزد ہو چکی ہیں، ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جس کے ہاتھ نادانستگی میں آلوہ نہ ہو گئے ہوں اور بوزھے کے پاس ہمارے خلاف واضح ترین ثبوت تھے وہ کسی وقت بھی ہماری گرد نیس پھنسا سکتا۔ اب ہم اس کے اشاروں پر ناپنے لگے۔ کلب ایک ایسے گروہ میں تبدیل ہو گیا جس کا سربراہ وہ بوزھا تھا۔ اب ہمیں اس سے کام کے عوض رقمات بھی ملتی ہیں...! لیکن ہم اس کے جاں سے کسی طرح بھی نہیں نکل سکتے۔ وہ کہتا ہے کہ اس وقت تک محفوظ ہیں جب تک اس کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اس سے الگ ہونے کی کوشش ہی ہمیں بیل کا دروازہ دکھا دے گا۔ اب ہم مجبور ہیں...! جیل جانا کون پسند کرے گا!“

”اچھا تو وہ لوگ جنہوں نے مجھ پر حملہ کیا تھا تمہارے اسی کلب کے ممبر تھے!“ عمران نے پوچھا۔

”ہر گز نہیں....! وہ بڑے خطرناک لوگ تھے....! پہلے بھی اکثر انہیں دیکھ چکی ہوں۔ اپنے نہیں اور بھی کہنے لوگ میں جنہیں میں نہیں جانتی۔ وہ بوزھے ہی کے لئے کام کرتے ہیں۔! ہم تو صرف دس یہیں لیکن ہم سے کبھی دھیگا مشتی قسم کے کام نہیں لئے گئے!“



دوسری صبح عمران ہالیڈے کیمپ میں نظر آیا۔ اب وہ دوسرے میک اپ میں تھا۔ احمد راؤ جولیا پوری کہانی سنن پکے تھے اور اب خاموشی سے شاید اس کے بعض پہلوؤں پر غور کر رہے تھے!

پچھے دیر بعد جولیا بولی۔ ”تو تم.... محض اس لئے اس کیس میں دلچسپی لے رہے ہو کہ بزم لوگوں نے تمہیں کسی جرم میں ملوث کرنے کی کوشش کی تھی۔“
”میں صرف اس لئے دلچسپی لے رہا ہوں کہ ایکس نو نے مجھ سے استدعا کی تھی۔“
”بکواس ہے....!“ جولیا نہ اسامنہ بنا کر بولی۔ ”بھلا ایکس نو کو کسی پور کے قتل سے دلچسپی ہو سکتی ہے۔!“

”یہ تو وہی بتائے گا۔!“

”وزراٹھر یے....!“ صدر ہاتھ انھا کر بولا۔ ”آپ کے بیان کے مطابق اس رات طوفا کی وجہ سے آپ اس کے جھونپڑے تک نہیں لے جائے گے تھے۔“
”غالباً یہی وجہ تھی۔!“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔
”مقصد یہی تھا کہ آپ پر اس قتل کا الزام آئے.... لیکن کیا وہ طوفان کی وجہ سے قتل پر گرام ملتی نہیں کر سکتے تھے.... خاہبر ہے کہ اسی رات کو اسے قتل کر دینے میں پوری ایکم عمل ناممکن تھا۔!“

”گذ.....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اس سلسلے میں سب سے زیادہ اہم سوال یہی ہے۔!“
”لیکن.... ایکم میں قتل کا حصہ.... آپ پر الزام والے حصے سے زیادہ اہم تھا۔ یعنی رات آپ الجھائے جا سکتے یا نہ الجھائے جا سکتے قتل ہونا اشد ضروری تھا۔!
”فامیں.... غالباً تم نے اس کی وجہ بھی دریافت کر لی ہو گی۔!“

”جواہرات کی چوری کی خبر....!“
”بہت اچھے....!“ عمران اس کی پیٹھ ٹھوکتا ہوا بولا۔ ”غالباً یہی وجہ ہے کہ ایکس نو تمہیں معاملے میں آگے بڑھا دیتا ہے۔!
”تم دونوں گدھے ہو....!“ جولیا نے جھلا کر کہا۔ انھی اور جھونپڑے کے باہر نکل گئی اور عمران ایک طویل سانس لے کر صدر کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ پچھے سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس جولیا نے نہ اسامنہ بنا کر کہا۔ ”پتہ نہیں میں کس مرض کی دوا ہوں۔!“

”تمہیں دلکھ لینے سے ہر تم کا نزلہ نکام رفع ہو جاتا ہے.... میں تو یہاں تک کہنے کو تیار ہوں کہ تم باڈو گولا کے لئے بھی اکسیر ہو۔!“

”گولی مار دوں گی اگر بکواس کی....!“ جولیا نے جھلانے ہوئے بجھ میں کہا۔
لیکن عمران صدر کی طرف متوجہ ہو گیا۔!

”اب مجھے سعدی ایڈنسز کے نیجنگ ڈائریکٹر کے متعلق روپورٹ کا انتظار ہے۔!“

”جو اہرات کی چوری کی خبر سے تمہاری کیا مراد تھی۔!“ جولیا نے صدر سے پوچھا۔

”اگر وہ اس رات قتل نہ کر دیا جائے تو دوسری صبح کے ڈیلی میل میں وہ اشہار اس کی نظر دوں سے بھی گزرتا اور پھر شاید وہ کسی طرح بھی قاتلوں کے قابو میں نہ آتا۔!“ عمران نے کہا۔

”میری بات سنو....!“ جولیا نے جھلانے ہوئے بجھ میں کہا۔ ”قاتل اس کی دونوں حیثیتوں سے واقع تھے اور انہیں اس کا بھی علم تھا کہ وہ ہیرے پر لا لیا ہے۔!“

”چلو.... فی الحال تعلیم کئے لیتا ہوں.... پھر....!“

”انہوں نے اسی رات اسے کیوں نہیں ختم کر دیا۔!“

”میں اس سوال کا جواب نہیں دے سکتا.... تمہارے ذہن میں کیا ہے۔!“

”اس سلسلے میں یہی کہا جاسکتا ہے کہ انہیں کسی ایسے آدمی کی تلاش تھی جس پر قتل کا الزام رکھا جائے۔! لیکن پھر.... انہوں نے تیسری رات کا انتظار نہیں کیا۔! اس آدمی کو درمیان میں لائے بغیر ہی اسے قتل کر دیا۔....؟“

”صدر نے بھی یہی کہا تھا۔!“

”میں کہنا چاہتی ہوں.... کہ قتل کی جو وجہ ظاہر کی گئی ہے.... وہ نہیں ہو سکتی۔!“

”لٹھ....!“ عمران نے آنکھیں نکالیں۔ ”اب تم نے بھی ایک کام کی بات کی ہے۔!“

جولیا نہ اسامنہ بنا کر دوسری طرف دیکھنے لگی اور عمران نے پرست بجھ میں کہا۔ ”اسی لئے ایکس نو مجھے تمہارے سلسلے میں ایک بڑا اہیات مشورہ دیا کرتا ہے۔!“

”کیا مشورہ....!“ صدر نے مسکرا کر پوچھا۔

”تم دونوں گدھے ہو....!“ جولیا نے جھلا کر کہا۔ انھی اور جھونپڑے کے باہر نکل گئی اور عمران ایک طویل سانس لے کر صدر کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ پچھے سوچ رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس جولیا نے نہ اسامنہ بنا کر کہا۔ ”پتہ نہیں میں کس مرض کی دوا ہوں۔!“

بھی تھے لیکن حقیقتاً اس کے لئے اطلاعات فراہم کرتا تھا اور وہ چوریاں کرتا تھا! مجھے معلوم تھے وہ چالیس بزار کے ہیرے چراکر لایا ہے۔! میری نیت خراب ہو گئی اور میں نے اسے ختم کر دیا!

”مگر انہوں نے خواہ مخواہ یہ نظریہ کیوں قائم کر لیا۔!

”میں نے بھی یہی کوشش کی تھی کہ وہ بھی سوچیں ورنہ پہلے تو وہ مجھے صرف ایک احتیاج کر خاموش ہو گئے تھے....! پھر جب میں غائب ہو گیا تو انہیں اپنا خیال بدل دینا پڑا۔!
”لیکن آپ نے انہیں یہ باور کرنے کی کوشش کیوں کی تھی۔!

”اس لئے کہ قتل ہیروں کی وجہ سے نہیں ہوا تھا! قاتل قتل کی وجہ چھپانا چاہتے ہیں وہ سے معمولی چوری ذکیتی اور قتل کا کیس بنا کر پیش کرنا چاہتے ہیں.... اور انہوں نے ایک قاتل بھی مہیا کر لیا تھا...! لیکن اتفاق سے طوفان نے کھلیل بگاڑ دیا۔! ایسا کب ہوتا ہے صدر صاحب۔!
”ہاں.... آں.... میرا خیال ہے.... کہ.... کہ....!“ صدر خاموش ہو کر کچھ سوپنے لگا۔! پھر خودی دیر بعد بولا۔ ”اس قسم کے پلاٹ عموماً اس لئے بنائے جاتے ہیں کہ کیس کے متعلق زیادہ پہچان میں نہ کی جائے۔!

”ٹھیک نہیں پہنچے....!“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”وہ بھی چاہتے ہیں کہ مقتول کے متعلق بیاد چھان میں نہ کی جائے۔!

”تب پھر سعدی اینڈ سز کا ماں نجی بالکل سامنے کی چیز ہے.... نجی کے متعلق پہچان کی پورٹ مل چکی ہے۔ ایہ دیکھئے۔!

اس نے جیب سے کچھ کاغذات نکال کر عمران کی طرف بڑھائے....! عمران ان کا بغور طالع کرتا رہا....! پھر کچھ دیر بعد سر اٹھا کر بولا۔ ”یہ بھی بڑی دلچسپ بات ہے....! چوری کا لمبی نجی کو تھوڑی دیر بعد ہی ہو گیا تھا....! ادھر دوار اسی شام کو یہاں پہنچا تھا جس دن چوری ہوئی۔ غالباً اس وقت تک نجی کو یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ وہ اپنی شہری رہائش گاہ سے سارا سامان میٹ لے گیا ہے۔ ارپورٹ کے مطابق اس کا مکان مقتول بھی نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسی ہورت میں اسی شام کو وہ اشتہار اخبار کے دفتر میں پہنچا چاہئے تھا تاکہ دوسرے دن کی اشاعت لشکر کر لیا جاتا۔ لیکن ایسا نہیں ہوا اور دaur نے دوسرا دن بخیر و خوبی یہاں گزار لیا۔! یہ

نہ کہا۔“ یہ بھی ممکن ہے کہ مقتول اپنے متعلق چوری کی خبر پڑھ کر ان کے قابو میں نہ آتا!

”بہر حال آپ کا بھی بھی خیال ہے کہ قتل ہیروں کے لئے نہیں ہوا۔!

”ہاں....! سوچنا تھی پڑے گا۔ ہیرے اس سے اس رات بھی حاصل کے جا سکتے تھے جو شام وہ یہاں پہنچا تھا۔ وہ کتنی تھے زبردستی چھین لیتے۔ قتل کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ کسی سے فریاد بھی نہ کر سکتا۔! کیونکہ ہیرے چوری کے تھے۔!

”یہ دلیل بھی معقول ہے۔!

”لہذا اس کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ قتل کی وجہ ہیرے نہیں ہو سکتے۔! اسے یور دیکھو.... ایک پاچ قتل کر دیا گیا....! وہ بھی اس طرح کہ اپنی کرسی نماگاڑی سمیت کھڈ میں پا گیا۔ قدرتی بات ہے کہ لوگ سب سے پہلے بھی سوچیں گے کہ وہ اندھیرے میں باہر کا ہو گا.... اندازے کی غلطی کی بناء پر کھڈ میں جا گرا۔ پھر لاش کے متعلق چونکا دینے والا انکشاف ہوتا ہے۔! یعنی نہ تو وہ پاچ تھا اور نہ موچھیں ہی اصلی تھیں۔ سننی کیوں؟ پھر اچانک ڈلی میں پکڑ پڑتا ہے...! دوسرا سننی خیز انکشاف وہ چور تھا....! لیکن اپاچ کی حیثیت سے پہلی بار یہا نہیں آیا تھا۔! پولیس کے لئے مزید الجھنیں.... پھر یہ معلوم ہوتے ہی کہ وہ کسی فرم کا ٹریبونل ایجنت تھا اور اس نے اپنی فرم کے جواہرات چڑائے تھے پولیس اس کے جھوپڑے سے دوچار گے برآمد بھی کر لیتی ہے۔! نظریہ قائم کیا جاتا ہے کہ وہ چور تھا....! اسی ہیرے چڑائے تھے....! کسی انہیں ہیروں کے لئے اسے قتل کر دیا۔! وہ حقیقتاً پاچ نہیں تھا اس لئے حملہ آور سے اپنے ہو گا۔ حملہ آور نے اسے گلا گھونٹ کر مارا ڈالا اور لاش کر سی پر ڈال کر کھڈ میں لڑھا دی۔! بہرہ ابھی اس سے زیادہ نہ سوچو کہ وہ ایک چور تھا۔ ایسا چور جو یہاں اس کمپ میں اپنی اصلیت پھر تھا.... کیوں....؟“

”یہ آپ کا نظریہ ہے۔!

”ہشت.... میں حملہ آوروں اور پولیس کا نظریہ پیش کر رہا ہوں۔ حملہ آور جو کچھ بادر چاہتے ہیں پولیس اس سے ایک انجھ بھی آگے نہ بڑھ سکی۔! اب وہ میری ملاش میں ہے۔ جان میرے اور مقتول کے متعلق پولیس کا کیا خیال ہے انہوں نے نظریہ قائم کیا ہے کہ داور کیمپ میں چوریاں کیا کرتا تھا اور میں اس کا شرکیک کار تھا۔! ظاہر ہم دونوں ایک دوسرے کے

”وہ کون تھا....! میں فائل یا صفحے کے نمبر سے اندازہ نہیں لگا سکوں گا۔ میری تحویل میں جو پیارڈ ہے اس کا حافظ تو ضرور ہوں لیکن حافظ بننے کی صلاحیت مجھے میں موجود نہیں ہے۔!“

”وہ ایک غیر ملکی اجنبی تھا....! اپاچ کے روپ میں بیان مایوسی کے جرا شم پھیلا کر تھا۔! نہ جانتے ہی ہو کہ یہ کن لوگوں کی نیکیک ہے....! نوجوان اس کی علیت سے مرعوب ہو جاتے تھے اور وہ انہیں اپنا ہم خیال بناتا تھا....!“

”لاش دیکھتے ہی آپ نے پہچان لیا تھا۔!“

”نہیں.... لاش کو قریب سے دیکھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ پولیس انپکٹر نے اطلاع دی تھی کہ ہمیک اپ میں تھا اور اپاچ بھی نہیں تھا! پھر جب اس نے ذیلی میل سے شائع ہونے والی کسی نسیخت کا حوالہ دیا تو فوری طور پر وہ الجھن رفع ہو گئی۔ جو ذیلی میل میں اس کی نشویر دیکھ کر پیدا ہوئی تھی۔ خیال تھا کہ صورت کی حد تک جانی پہچانی ہے لیکن کہاں دیکھا تھا یاد نہیں آ رہا تھا۔! بہر حال ہر اس اپنکے اکٹشاف سے لگنے والے ہمیں جھیلنے فائل اور صفحہ نمبر تک یاد دا دیا تھا۔!“

”لیکا ہم پہلے بھی اس سے مکارئے تھے....!“ صدر نے پوچھا اور پھر یہک بیک پوک کر رہاں کو گھوڑا نے لگا۔!

”خیریت....!“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا شرمیا۔!

”آپ کو ہمارے ریکارڈروم سے کیا سروکار....!“ صدر اسے بدستور گھوڑا ہوا بولا۔

”یہ بھی تم لوگوں کی تالائیوں کی ایک روشن مثال ہے....! ایکس ٹو کا خیال ہے کہ وانش نزل میں پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا....! لیکن میں نے ریکارڈروم کے فانیلوں کے صفات نمبر سدارک کر کے رکھ دیئے ہیں....! کیوں....?“

یہک بیک جو لایا بوكھائی ہوئی جھوپڑے میں داخل ہوئی اور وہ چوک کر اس کی طرف مڑے۔

”سرخ بالوں والی....!“ وہ ہانپتی ہوئی بولی۔ ”سرخ بالوں والی ہی تھی نا....!“

”کوئی خاص بات....!“

”وہ پولیس کے ہاتھ لگ گئی ہے اور اس نے تمہارے خلاف بیان دیا ہے۔!“

”دل بھپ....!“ عمران نے کچھ سوچتے ہوئے سر کو جبکش دی پھر بولا۔ ”ایسا بیان دیا ہے۔“

”لیکن کہ ایک احمد سے آدمی نے اسے در غلابی تھا کہ وہ مقتول کے خلاف کیپ میں پر یہ یگنڈہ

مہلت اسی لئے دی گئی تھی کہ ایک قاتل بھی مہیا کر لیا جائے۔ بات کچھ بن گئی تھی....!“

”طفاق آگیا....! ایکیم پر عمل نہ ہو سکا....! مگر وہ قتل کر دیا گیا کیونکہ دوسری صفحہ کے اخبار میں سعدی اینڈ سنز کا اشتہار آئے والا تھا۔! کھلیل گزر جاتا۔ داور ہوشیار ہو جاتا اور شاید وہ اس پر قابو پاسکے۔!“

”آپ تو اس انداز میں گفتگو کر رہے ہیں جیسے داور کی اصلیت سے واقف ہوں۔!“

”نہ ہوتا تو جبک مارنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ یہ سو فیصد ایکس ٹو کے مخلکے کا کیس۔“

”صدر صاحب....!“

”اُوہ....!“ صدر نے متھرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ ”اگر یہ بات ہے تو آپ دیر کیوا کر رہے ہیں۔!“

”محبوبی.... بوڑھا کھسک گیا....! اب شاید وہ اپنی اس قیام گاہ میں بھی نہ مل سکے جس پتہ لڑکی نے بتایا ہے۔!“

”تو پھر سعدی اینڈ سنز....!“

”ہاں.... آس....!“ مگر نجمی کے بھی کار آمد ثابت ہونے کا کوئی امکان نہیں۔! میرا بڑی ہے کہ وہ نادانستہ طور پر ان لوگوں کا آلہ کار بناتا ہے۔!

”لیکن مقتول اس کا ملزم تھا۔!“

”یقیناً تھا لیکن ضروری نہیں ہے کہ نجمی اس کی اس حیثیت سے بھی واقف رہا ہو جس بنا میں دل بھی لے رہے ہیں۔! سلیمان میرا بادر بھی ہے....! ہو سکتا ہے کہ وہ محض اس باور پھی ہو کہ اس کی اصلیت چھپی رہے....! یہ نہ ظاہر ہونے پائے کہ وہ جرمی کی کسی یونیور کا گرجویٹ ہے اور ہمارے ملک میں کسی دوسرے ملک کے اجنبیت کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔

”اوہ.... تو داور.... کوئی غیر ملکی جاؤں تھا....!“ صدر نے حیرت سے کہا۔

”مجھے افسوس ہے کہ تم ایک گدھے ہو جس پر کتابیں لاد دی گئی ہوں....! تم ایکس ٹو ریکارڈ کیپر بھی ہو....! لیکن یہ نہیں جانتے کہ داور کون تھا۔“

”ارے.... تو کیا ہمارے پاس اس کار ریکارڈ بھی موجود ہے۔!“

”میں تمہیں فائل نمبری نہیں بلکہ صفحے کا نمبر بھی بتا سکوں گا۔“

کرتی پھرے....! اس کے لئے اس نے اسے ایک ہزار روپے دیئے تھے۔!
 ”بوکھلا گئے ہیں۔!“ عمران نے قہقہہ لگایا! ”اب حماقتیں سرزد ہو رہی ہیں....! وہ....!
 ”تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ پچھلی رات تم پوری طرح دھوکا کھا گئے تھے۔!
 ”یوں....؟“
 ”ان لوگوں نے خود ہی اسے تمہارے حوالے کیا تھا کہ تمہارے مختلف معلومات حا
 کر سکیں۔!
 ”لڑکی پولیس کو کہاں ملی ہے۔!
 ”یہیں کمپ میں.... میڑو کے رینکریشن ہال میں اس کا بیان لیا جا رہا ہے۔!
 ”آؤ....!“ عمران نے صدر سے کہا۔ یہ منظر بھی دیکھی سے خالی نہ ہو گا۔!
 وہ اٹھ گئے.... جولیا بھی ساتھ ہی تھی۔ اپنے دیر بعد وہ میڑو کے ڈائیننگ ہال میں
 آئے۔ باہمیں جانب والی گلری میں اپنے بادوڑی لوگ دکھائی دیئے....! ایک سرخ بالوں،
 یوریشین لڑکی بھی ان کے ساتھ تھی۔ اپنے تماشائی ہال کے وسط میں موجود تھے۔ باہمیں جانب
 گلری میں داخلہ رونے کے لئے ایک کافی سیبل تینیں تھیں!
 ”کیا وہ تمہیں پہچان نہ لے گی۔!“ جولیا نے عمران سے کہا۔ ظاہر ہے کہ تم نے یہ میکا
 اسی کے سامنے کیا ہو گا!“
 ”مصیبت تو یہ ہے کہ میں خود ہی اس وقت اسے پہچاننے میں دشواری محسوس کر
 ہوں....!“ عمران نے بے بھی سے کہا۔
 ”کیا مطلب....؟“
 ”اس کے بالا خروٹ کی رنگت کے ہیں۔!
 ”اپنی آنکھیں شست کراؤ....!“ جولیا کے لیجھ میں تمشق تھا۔
 عمران نے لاپرواٹی سے شانوں کو جہش دی اور ہال سے باہر آگیا جولیا اور صدر بھی پیچھے
 پیچھے آئے تھے۔!
 ”لیا یہ لڑکی وہ نہیں ہے جو پچھلی رات آپ کے ساتھ تھی۔!“ صدر نے عمران کو رد
 ہوئے پوچھا۔!

”وہ سرخ بالوں والی لڑکی تھی۔! اس کے بالا خروٹ کی رنگت کے ہیں۔!
 ”کیا کواس کر رہے ہو....!“ جولیا جھلانگی۔
 ”اس نے اپنے بالوں میں لال خطاپ لگایا ہے۔ رنگت قدرتی نہیں ہے۔!
 ”اوہ.... تو یہ حقیقتاً دسری لڑکی ہے۔!
 ”یقیناً....! اب وہ اس طرح معلوم کرنا چاہے ہیں کہ میں کون ہوں....! وہ طرح کے شے
 ان کے ذہنوں میں ہوں گے....! کیا وہ نادانشگی میں کسی سرکاری آدمی سے جانکرائے تھے۔! ای
 میرا تعلق کی دوسرے گروہ سے ہے جو ان کے مختلف کی حد تک معلومات رکھتا ہے۔ ان میں
 سے کسی ایک شے کی تصدیق کے لئے یہ چال چلی گئی ہے....! لیکن اب....ہا....!
 ”میا...؟“
 ”پچھے نہیں.... فکر نہ کرو....! اب انہیں یقین ہو جائے گا کہ میرا تعلق کسی سرکاری
 ادارے سے نہیں ہو سکتا....! پھر وہ اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں گے۔!
 ”جہنم میں جاؤ....!“ جولیا نے بُرا سامنا بنایا کہ تھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر
 بولی۔ ”وہ لڑکی کہاں ہے۔!
 ”تم اس کی تلاش میں نکلی تھیں۔!“ عمران نے سنجیدگی اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ”میں تمہیں
 سنبھل کرتا ہوں کہ جتنا کہا جائے اس سے زیادہ کرگزر نے کی خواہش کو دباۓ رکھنا۔!
 ”کیا مطلب....؟“ جولیا نے آنکھیں نکالیں لیکن عمران اس کی طرف توجہ دیئے بغیر صدر
 سے بولا۔ ”سعدی ایڈن سنر کے تینوں ملازموں کو پولیس کی حرast سے داش مزمل میں منتقل
 ہونا چاہئے۔!
 ”کون سے ملازم....؟“
 ”اوہ.... کیا تم نے رپورٹ بغور نہیں دیکھی تھی۔ وہاں داور کی موجودگی میں تین ملازم
 بھی کاؤنٹر پر تھے....! وہ حرast میں ہیں۔! تم دونوں شہر واپس جاؤ۔!
 یک بیک عمران خاموش ہو گیا۔!
 ”کیوں....؟ یہ فائزہ کی آواز تھی۔!“ اس نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
 جولیا اور صدر نے بھی آواز سنی تھی۔ اوہ میڑو کے رینکریشن ہال سے زیادہ دور نہیں تھے۔!

پھر یک بیک شور بھی سنائی دیا....! آوازیں رنگریش ہال ہی سے آئی تھیں....!
”اوہ....!“ عمران بڑی بڑی اور ان دونوں سے مضطربانہ انداز میں کہا۔ ”جاو۔! اپنے جھونپڑے
میں جاؤ۔! شامکد....!“

پھر وہ تیزی سے ہال کی طرف بڑھ گیا۔

”سبھی میں نہیں آتا کیا کرتا پھر رہا ہے۔!“ جولیا نے غصیلے لمحے میں کہا اور اپنے جھونپڑے کی
طرف مڑ گئی۔!



سرخ بالوں والی لڑکی فرش پر پڑی تڑپ رہی تھی اور پولیس آفیسر ہکابا کھڑے تھے۔! پھر وہ
اُس نست کو دوڑے جدھر سے فائز ہوا تھا۔! لڑکی اُسی طرح تڑپی ہوئی باہمی جانب لڑکہ
گئی۔ ہال میں کھڑے ہوئے آدمیوں میں سے کسی نے بھی گلزاری کی طرف بڑھنے کی ہمت نہ
کی۔! گلزاری فرش سے کافی اوپھائی پر تھی۔! لہذا وہ سری جانب لڑک جانے کی وجہ سے زخمی
لڑکی ان کی نظر وہی سے اوچھل ہو گئی۔!

”وہر سے.... اوہر سے....!“ کسی نے فائز کی سست کے متعلق آفسروں کی رہنمائی کی۔
لیکن جدھر اشارہ کیا گیا وہاں سپاٹ دیوار کے علاوہ اور کچھ بھی نہ دکھائی دیا۔...! نہ وہاں کوئی
کھڑکی تھی اور نہ روشنی دن تھا۔! کہیں کوئی سوراخ بھی نہ ملا۔! اگر وہاں سے فائز کیا گیا ہوتا تو حملہ
اور پر کسی نہ کسی کی نظر ضرور پڑی ہوتی اور وہ آسانی سے باہر نہ نکل سکتا۔!

یک بیک ایک آفسر نے ہال کے دروازے بند کرنے شروع کر دیئے اور دوسرا نے جیخ
کر کہا۔ ”براہ کرم کوئی صاحب یہاں سے جانے کی کوشش نہ کریں۔! ہم جامہ تلاشی لئے بغیر کسی
کو بھی نہ جانے دیں گے۔!“

ناممکن تھا کہ عمران اندر ہادھنڈ ہال میں داخل ہونے کی کوشش کرتا۔! وہ باہر ہی تھا کہ
دروازے بند کر دیئے گئے۔!

باہر اچھی خاصی بھیزرا کھٹا ہو گئی تھی۔...! دفعتا عمران کو میڑد ہوٹل کا منجر دکھائی دیا جو اُدھر
ہی آرہا تھا۔...! اُسی وقت ایک پولیس آفسر بھی باہر نکلا۔...! میجر پر نظر پڑتے ہی اُسے تیز چلے کا
اشارة کر کے دروازے ہی میں رک گیا۔...! پھر جمع کو گھورتے ہوئے تیز آواز میں بولا۔!

”جائے.... بہت جائیے.... یہاں سے.... بھیزرا ہنایے....!“
لوگ منتشر ہو گئے.... عمران کو بھی ہنایی پڑا۔... لیکن آدھے گھنٹے کے اندر ہی اندر لڑکی
کے قتل کی خبر سارے کیپ میں مشہور ہو گئی۔!



آئینے پر نظر پڑتے ہی مونا چل پڑی۔... عمران نے غارہ میں اس کا علیہ تبدیل کیا تھا اور
وہ پہاڑوں سے نکل کر سردار گذہ شہر کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔! مونارت ستر پر چھتی آئی تھی
کہ اس کی شکل کیسی لگ رہی ہے اور پھر جب وہ ایک ناٹ کلب میں داخل ہوئے تھے تو مونا ایک
الماری کے قد آدم آئینے میں اپنی شکل دیکھ کر جیران رہ گئی تھی۔!

”میرے خدا۔!“ اس نے آہتہ سے کہا۔ ”میں تو کوئی بنگان معلوم ہوتی ہوں۔!“
بالوں کی رنگت خضاب نے بدلت کر گھری سیاہ کر دی تھی۔! جنہیں سمیٹ کر بڑا شاندار جوڑا
سچالیا کیا تھا اور پتہ نہیں وہ کون سالوں تھا جس نے چرے کی رنگت میں سلوٹا پن بھی یید اکر دیا تھا۔!
وہ ایک خالی میز کے گرد بیٹھ گئے اور عمران نے آہتہ سے کہا۔ ”بس تم اپنی چال کو ذرا تاقابو
میں رکھو۔... آندھی اور طوفان کی طرح چلتی ہو۔!“

”کوشش تو کرتی ہوں کہ آہتہ چلوں۔...!“ وہ منٹانی۔...! پھر چونک کر بولی۔ ”یہاں
کیوں لاۓ ہو۔!“

”کیا تم ہمیشہ گاروں ہی میں رہی ہو۔!“

”اوہ یہ بات نہیں۔...! مجھے بار بار اس بیچاری لڑکی کا خیال آتا ہے۔! پتہ نہیں وہ کون تھی۔!
”کیا تم میں کوئی ایسی لڑکی نہیں تھی۔!
”نہیں۔...!“

”کبھی بوڑھے کے ساتھ بھی نہیں دکھائی دی۔!
”نہیں۔... وہ ہمیشہ تھبھی ہوتا تھا۔!“

”تمہیں یہاں لائے جانے پر حرمت کیوں ہے۔!“

”مطلوب یہ کہ ہم اکثر یہاں بیٹھتے رہے ہیں۔ ذر ہے کہ کوئی پہچان نہ لے۔!
”اس کی پرواہ نہ کرو۔...! پولیس کو میری تلاش بھی ہے اور ہمارے دوسرے دشمن بھی

مشترک ہیں۔!

”جی بتاؤ....! کیا تم بھی کسی گروہ سے تعلق رکھتے ہو۔!

”دینا کا ہر یوں قوف آدمی بجائے خود ایک بڑا گروہ ہے۔!

”بے تکلی باشی نہ کرو.... پتہ نہیں تم کس قسم کے آدمی ہو۔ اسے تمہیں عقل مند سمجھ لینے کو دل چاہتا ہے اور نہ احمد.... تم کیا کرنا چاہتے ہو....؟ تمہاری جگہ اگر کوئی اور ہوتا تو کبھی اورم کارخ بھی نہ کرتا۔!

”میں پاگل ہو جاتا ہوں جب کوئی مجھے انکو سمجھ کر یہ قوف بنانے کی کوشش کرتا ہے.... آہاں.... واہ....!“ عمران خاموش ہو کر کاؤنٹر کی طرف دیکھنے لگا جہاں کیپ کے میڑو ہوٹل کا نیجر کاؤنٹر کلر سے پکھ کہہ رہا تھا۔ وہابھی ابھی ہال میں داخل ہوا تھا۔

”کیوں....؟ یہ تو میڑو کا نیجر معلوم ہوتا ہے....!“ موتابولی۔

”علوم نہیں ہوتا بلکہ وہی ہے....!“ عمران آہستہ سے بڑا بڑا۔ غالباً اس کے اس انہاں ہی نے لڑکی کو بھی نیجر کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔

”اوہ.... تو یہ یہاں جو اکھیتے آیا ہے....!“ موتابلے پچھا دیر بعد کہا۔ نیجر اب کاؤنٹر سے ہٹ کر ایک سوتھے چلے گا تھا۔

”تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ وہ جو اکھیتے آیا ہے۔!

”سرخ لفاف....!“ موتابولی۔ ”کاؤنٹر کلر نے اسے سرخ لفافہ دیا تھا۔!

”میں نہیں سمجھا۔!

”یہاں ایک تہہ خانہ بھی ہے جس میں جو ہوتا ہے.... شاطر نے ایک بار تذکرہ کیا تھا میرے ساتھیوں میں سے ایک کو اپنے ساتھ وہاں لے بھی گیا تھا۔ مگر یہ قرار خانہ غیر قانونی نہیں ہے۔! کلب کے پاس لاٹنیں ہے۔! البتہ ہر کس و ناکس کا داخلہ روکنے کے لئے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے....! سرخ لفافہ کے بغیر وہاں داخلہ نا ممکن ہے۔!

”تب پھر ہم کیسے داخل ہو سکیں گے۔!“ عمران نے مایوسان انداز میں کہا۔

”اڑے تو اس کی ضرورت ہی کیا ہے....؟“

”ہائیں.... تو کیا ہم یہاں عبادت کرنے آئے ہیں۔!“ عمران نے آنکھیں پھاڑیں۔

”محبے پچھی نہیں ہے۔!

”بے پھر واپس جاؤ.... یہاں تو یہ عالم ہے کہ میں نے پیدا ہوتے ہی گھٹی کی بجائے حکم کا یک طلب کیا تھا۔! اگر یہ معلوم ہوتا کہ نہ ملے گا تو پیدا ہونے سے صاف انکار کر دیتا۔ اچھا تو تمہارے اس ساتھی نے وہاں کے متعلق تم لوگوں کو کیا بتایا تھا۔!

”پکھ بھی نہیں.....! لیکن میں اتنا جانتی ہوں کہ ان لفافوں کے استعمال سے بھی ہر ایک واقع نہیں ہے۔ اچوکہ نیجر نے خاص طور پر کاؤنٹر ہی سے لفافہ وصول کیا تھا اس لئے خیال پیدا ہوا کہ وہ اس کے استعمال سے واقع ہو گا۔ ابھی جب یہ ابل لائے گا تو اس کے ساتھ لفافہ بھی ہو گا۔ لفافے کے اندر ایک چھپا ہوا پرچہ ہوتا ہے جس پر تحریر ہوتا ہے آپ کی تشریف آوری کا شکریہ۔ اگر آپ باقاعدہ ممبر بن جائیں تو بہتری سو توں حاصل کر سکیں گے۔!

”بے تو ہر ایک جا سکتا ہے.... بات کیا رہی۔!

”جنہیں قرار خانے کا علم ہی نہیں وہ کیسے جائیں گے.... اوہ تو اس لفافے کو صرف کلب کی پلٹی کا ایک ذریعہ سمجھیں گے۔!

”اچھا تو اب ہمیں کچھ کھاپی کر فوری طور پر بل طلب کرنا چاہئے۔!“ عمران نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”شاید تمہارا ذیالت ہے کہ شاطر یہیں آچھا ہے۔! لڑکی اسے گھورتی ہوئی بولی۔

”ممکن ہے ایسا ہی ہو....! یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا...! لیکن میں جواضور کھیلوں گا۔!

”تم جانو۔.... میں تو تہہ خانے میں ہر گز نہیں جاؤں گی۔!

”میں شاید تمہیں لے بھی نہ جاؤں....!“ عمران نے کہا اور ویٹر کو بلا کر کافی کا آڑڈر دیا جو جلد ہی سرو کر دی گئی۔!

موتابلے کچھ سوچ رہی تھی اس نے کافی کا گھونٹ لے کر کہا۔ ”سمجھ میں نہیں آتا کہ انہوں نے اس لڑکی کو پولیس تک پہنچا کر پھر قتل کر دیا۔!

”اس نے احمد کے خلاف بیان دیا تھا اس نے اس کا قاتل احمد ہی ہو سکتا ہے۔!

”تو مقصود یہی ہے کہ پولیس احمد ہی کو تلاش کرتی رہے۔!“ موتابولی۔

”قطیعی.... اس کے علاوہ اور کوئی مقصود نہیں ہو سکتا۔!

کافی ختم کر کے عمران نے مل طلب کیا....! طشتہ ری میں سرخ لفاذ بھی موجود تھا۔ عمران نے اسے انھا کر ایک طرف رکھ لیا۔ اوپر قیمت و صول کر کے جا پڑا تھا۔!
لفافے سے تشكیر نامہ بھی برآمد ہوا....! مضمون بھی وہی تھا جس کا تذکرہ لٹکی کر پچھلے تھی! لیکن اس کے ایک گوشے میں پسل سے گھیٹے ہوئے دو حروف تھے! ”ایں پی“ انداز ایسا ہی تھا جیسے کسی نے اپنے دستخط بنائے ہوں!—
عمران نے اس رات جو اکھیتاں توی کر دیا!—
دوسری رات وہ کلب میں تھا تھا۔ آج بھی اس نے مل او اکرنے کے بعد سرخ لفاذ و صول کیا....! آج بھی تشكیر نامے کا مضمون وہی تھا! لیکن پسل سے ہوئے دستخط کے حروف میں تبدیلی نظر آئی۔ آج ایں پی کی بجائے ”ایں پی“ گھینٹا گیا تھا!



چوتھی رات موتا کلب میں داخل ہوئی تو اس کا دل بڑی شدت سے دھڑک رہا تھا۔ حالانکہ وہ میک اپ میں تھی اور اسے یقین تھا کہ اسے بچانا نہیں جاسکے گا۔ لیکن پھر بھی رہ رہ کر ایسا ہی محسوس ہوتا جیسے کسی نے پچھے سے گردن پر خمیر کی نوک رکھ دی ہو!—
وہ ایسی بوڑشن میں تھی جہاں خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ ہی دینا پڑتا ہے۔ ایک طرف بوڑھا تھا اور دوسری طرف پولیس....! احتمل بھی اب خطرناک ثابت ہو رہا تھا۔ آہستہ آہستہ ہی وہ اس کے متعلق اندازہ لگا سکتی تھی کہ وہ احتمل نہیں ہو سکتا۔ پھر وہ ایک احتمل کی دیشیت سے اس کے سامنے کیوں آیا تھا....؟“

بھی سوال اسے اس نتیجے پر پہنچنے میں مدد دیتا تھا کہ وہ بھی کسی ایسے گروہ سے متعلق رکھتا ہے جو بوڑھے کے گروہ کا مقابلہ ہے۔ بہر حال وہ چاروں طرف سے خطرات میں گھری ہوئی تھی۔
ایک خالی میز کے قریب بیٹھتے ہوئے اس نے سوچا کہ نادانستہ طور پر بوڑھے کے ہاتھوں غیر قانونی حرکات پر مجبور ہونے کے باوجود بھی تک اس نے کوئی ایسا جرم سرزد نہیں ہوا جس کی پاداش میں اسے زندگی ہی سے ہاتھ دھونے پڑیں۔ پھر وہ خود کو کیوں نہ پولیس کے ہاتھ کر دے۔ احتمل کے متعلق وہ کچھ بھی نہیں جانتی۔ ہو سکتا ہے کہ اس کے ساتھ رہنے میں گولی کا فتح نہیں بننا پڑے اب اس وقت وہ تھا موت کے منہ میں جا رہی ہے۔ اسے احتمل کی ایک ایسیم پر

عمل کرتا تھا۔ اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ اسوجہ رہی تھی کہ اب یہاں سے چپ چاپ اٹھ کر پولیس اشیش نی کی راہ لئی چاہئے۔۔۔ لیکن یک بیک ذہن کو جھکتا سا لگا۔۔۔ دو گھورتی ہوئی آنکھوں سے نظر کل کرائی تھی۔۔۔ اور اس کا سارا جسم کاپ کر رہ گیا تھا۔ احتمل نے اسے یہ نہ بتایا تھا کہ وہ بھی پیچھے ہی پیچھے ہاں پہنچ گا۔ وہ اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر موجود تھا۔
اب وہ یہاں سے باہر قدم نہیں نکال سکتی تھی۔ اول ڈوبنے لگا۔ پھر خود پر غصہ بھی آیا کہ اس نے پہلے ہی یہ بات کیوں نہیں سوچی تھی۔۔۔ وہ اس کی عدم موجودگی میں کسی وقت بھی غار سے نکل کر پولیس تک پہنچ سکتی تھی! تو پھر شامہ ڈوبنا ہی اس کی تقدیر بن چکا ہے۔ آخر یہ موٹی ہی بات پہلے ہی سمجھ میں کیوں نہیں آئی تھی۔

اس نے احتمل کے چہرے سے نظر ہٹائی۔۔۔ اس وقت نہ جانے کیوں وہ اسے بہت خوف تاک لگ رہا تھا۔ بوکھلانے ہوئے انداز میں اس نے ایک ویٹر کو کچھ چیزوں کا آرڈر دیا اور کو شش کرنے لگی کہ اب اس کی طرف نہ دیکھے۔

احتمل برا بر اسے گھورے جا رہا تھا! بکھی بکھی وہ بھی انکھیوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور اس کے جسم میں خوف کی لہریں دوڑ جاتیں۔ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے اس کے خیالات پڑھ لئے ہوں اور اب اسے اپنی خون خوار آنکھوں سے دھمکیاں دے رہا ہو۔ اوہ۔۔۔ یہ آنکھیں جن میں۔۔۔ جن میں پہلے بکھی حماقت اور مخصوصیت کے علاوہ ان میں بکھی جذباتی لگاؤ کی بھی جھلکیاں نہیں ملی تھیں۔۔۔ اور اس نے یہی سوچا تھا کہ وہ حق جز را گاڑ دی ہی ہے۔ درنہ کسی دیران غار میں ایک جوان عورت کے ساتھ بے تعلق سے راتی گزار لینا فرشتوں ہی کے لئے ممکن ہو سکتا ہے۔

پدرہ منٹ میں وہ کافی ختم کر سکی۔۔۔ مل طلب کیا اور پھر کچھ دیر بعد سرخ لفافہ ہاتھوں میں تھا۔ آج تشكیر نامے پر پچھلے دونوں والے حروف کی بجائے پسل سے ”ئیں ایں“ لکھا گیا تھا۔۔۔ وہ آہستہ سے کراہ کر اٹھی اور احتمل نے ایک بار پھر اسے گھور کر دیکھا اور وہ سنجل گئی! اچانک خیال آیا کہ شامہ دوہا سے خود کو سنجلے رکھنے کا اشارہ کر رہا ہے۔
ٹولیں راہداری میں داخل ہوتے وقت اس نے مز کر دیکھا۔ خیال تھا کہ شامی وہ پیچھے پیچھے ہی آئے گا لیکن خیال غلط تکلا۔۔۔ اور وہ آگے بڑھتی چلی گئی۔۔۔ سامنے دروازے پر ایک باور دی

در بان موجود تھا۔!

”ایک منٹ ٹھہریے محترمہ!“ اس نے بڑے ادب سے کہا اور دیوار سے لگے ہوئے ایک ٹین پر انگلی رکھ دی!۔

وہ رک گئی....! الفافہ ہاتھ میں بدستور دباؤ تھا اور اس نے اُسے اسی طرح اٹھا کر دوسروں کی نظریں اس پر پڑتی رہیں!۔

اسنے میں ایک آدمی اور بھی آگر اس کے قریب ہی رکا اور در بان نے اسے بھی رکنے کو کہا۔

چند لمحوں کے بعد کہیں دور سے گھنٹی کی آواز آئی اور در بان نے موٹا سے کہا!۔

”تشریف لے جائیے محترمہ!“ اور دوسرے آدمی سے وہیں ٹھہرنے کی درخواست کی! موٹا آگے بڑھ گئی....! دس قدم پل کر باسیں جانب مڑنا پڑا کیونکہ سامنے دیوار تھی....! اور داہمیں طرف بھی راستہ مسدود تھا!۔

باسیں جانب تھے خانہ ہی تھا! لیکن زینے نہیں تھے۔ راستہ بتدر تج ڈھلان اختیار کرتا ہوا ایک جگہ ختم ہو گیا تھا۔ سامنے ہی براسدار والہ تھا جس سے دوسری طرف کی روشنی نظر آرہی تھی!۔

ڈھلان اس نے تیزی سے طے کی تھی لیکن دروازے کے قریب پہنچ کر پھر رکنا پڑا۔ یہاں بھی ایک در بان موجود تھا! لیکن اس نے بھی لفافے کی طرف دھیان نہ دیا اور وہ داخلے کے لئے قدم اٹھا ہی رہی تھی کہ ایک خوش پوش بوڑھی عورت باسیں جانب سے چھپتی ہوئی آئی اس کے ہاتھ میں کافند کے پھولوں کی ایک توکری تھی....! موٹا اس طرح چوکے پڑی جیسے کچھ یاد آگیا ہو....! اس نے آہستہ سے کہا۔ ”ٹی ایل“ اور بوڑھی ہاتھ اٹھا کر بولی ”میں آج بہتر تقدیر کے لئے دعا کرتی ہوں۔ محترمہ.... میرا تھنھی....!“

”پھر اس نے توکری سے ایک سرخ پھول نکال کر اس کے جوڑے میں لگاتے ہوئے کہا۔“

”واپسی پر مجھے نہ بھولیئے گا.... دس تیموں اور لاوارٹوں کی ذمہ داری مجھ پر ہے!“

موٹا زبردستی مسکرائی اور ہال میں داخل ہو گئی....! بھی تک اُسے کوئی دشواری نہیں پیش آئی تھی، جو کچھ بھی ہوتا آیا تھا اس کے لئے غیر متوقع نہیں تھا....! احمد نے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ اسے ان مراحل سے گذرنا پڑے گا! لیکن وہ نہیں جانتی تھی کہ ہال میں داخل ہونے کے بعد کہا

ہو گا۔ اس کے بارے میں اُس نے کچھ نہیں بتایا تھا!۔

ہال میں داخل ہوتے ہی آنکھیں کھل گئیں.... ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی بہت بڑے اور شاندار بھری جہاز کا نیکر نیشن ہال ہو۔ ابے شمار میز دل پر مختلف قسم کا جواہر ہو رہا تھا۔ یہاں پہنچ کر اُسے اپنایہ خیال بھی غلط ہی معلوم ہوا کہ وہ جو اخانہ صرف مخصوص آدمیوں کے لئے تھا۔ یہاں تو اتنی زیادہ بھیڑ تھی کہ کبھی کلب کے ڈائیکنگ ہال میں بھی نہیں نظر آئی تھی۔ پھر سرخ لفافے کے ڈھونگ کا کیا مقصد ہو سکتا تھا۔ اس نے مڑ کر دیکھا اس کے بعد داخل ہونے والے آدمی کے پاس سرخ پھول بھی نہیں تھا۔ وہ ایک میز کے قریب رک کر کسی سے گفتگو کرنے لگا۔ پھر سرخ پھول اس کے لئے اچھی خاصی ابھسن بن گیا.... کتنی ہی عورتیں ہال میں موجود تھیں لیکن کسی کے بھی بالوں میں سرخ پھول نہ دکھائی دیا! پھر آخر اس کا مقصد کیا تھا....؟ وہ سوچنے لگی ممکن ہے دوسروں نے وہ پھول اپنی جیبوں میں ڈال لئے ہوں! تو پھر وہ بھی بھی کرے۔ جوڑے میں تو سرخ پھول بڑا وابہیات لگ رہا ہو گا!۔

لیکن وہ ایسا نہ کر سکی.... یہ بھی حق ہی کی ہدایت تھی کہ پھول کو ہر حال میں نمایاں رکھا جائے۔ اس نے خندھی سانس لی.... اور یو ٹھی بے ارادہ ایک طرف بڑھتی چلی گئی!۔

دفعہ ایک آدمی نے اس کی راہ روکتے ہوئے آہستہ سے کہا۔ ”تیرہ کار من اسٹریٹ ٹھیک دس بجے!۔“

انداز ایسا ہی تھا جیسے کسی شناسانے دوسرے کو رد کر کر اس کی اور اس کے اہل و عیال کی خیریت پوچھی ہو اور پھر اپنی راہ لگ گیا ہو۔

موٹا اسے جواریوں کی بھیڑ میں گم ہوتے دیکھتی رہی۔ پھر چوکی اور اس طرف متوجہ ہو گئی جہاں رولت ہو رہا تھا۔ ابھی تو ساڑھے آٹھ ہی بجے تھے.... وہ کچھ دیر تکمیل رک کر حالات پر مزید غور کرنا چاہتی تھی!۔

اب پھول کا مقصد سمجھ میں آنے لگا تھا....! ہو سکتا ہے پھول صرف انہیں لوگوں کو دیئے جاتے ہوں جو شکر نامے پر پٹل سے لکھے ہوئے حروف بوڑھی عورت کے سامنے دہراتے ہوں اور یہ پھول یہاں سے کسی دوسری جگہ کے لئے رہنمائی کا ذریعہ بتا ہو۔

اُس نے دو تین بار چھوٹی چھوٹی رقمیں داؤں پر لگائیں....! بھی ہاری اور کبھی جیتی....!

”پھول والی نے....!“ غیر ارادی طور پر اس کی زبان سے نکل گیا لیکن ساتھ ہی ریڑھ کی ہڈی میں سردی لہر بھی دوڑ گئی۔! کہیں جواب غلط تھا ہو۔!
 ”ٹھیک ہے.... اب اپنی مدد آپ کرو....! اس کے بعد اس دروازے میں داخل ہو جانا جس پر بزر روشنی نظر آری ہے!“
 وہ تینی طور پر مانیکر و فون کی آواز تھی۔! آواز کی سمت بھی معلوم ہو گئی تھی....! لیکن دیوار پر کہیں ہارن نہ دکھائی دیا۔!

اوہ.... یہ دوسرا بھجن.... اپنی مدد آپ کس طرح کی جائے.... پھر خوف کی جگہ اس نے لے لی اور اس نے سوچا ہے بھی کی موت تو مقدر ہو ہی چکی ہے پھر کیوں جان گھلائی جائے۔ چلو آگے بڑھو....! جو کچھ بھی ہو گا کیجا جائے گا۔ اگر سکون کی زندگی تقدیر میں ہوتی تو اس چکر میں پھنسنی ہی کیوں....?

وہ اس دروازے کی طرف بڑھی جس پر بزر رنگ کا بلس روشن تھا۔! ہینڈل پر ہاتھ رکھتے ہی دروازہ کھل گیا....! اور وہ بے وہرہ اندر گھستی چل گئی۔

پھر ایک ذہنی جھنکا.... وہ اس طرح یکخت رکی تھی جیسے زمین نے پیر پکڑ لئے ہوں۔ سامنے ہی آٹھ یادس ایسے آدمی بیٹھے دکھائی دیئے تھے جن کے چہروں پر سیاہ نقایں تھیں اور ان کے لباس بھی سیاہ تھے چونکہ وہ بیٹھے ہوئے تھے اس لئے لباس کی ساخت کے بارے میں اندازہ لگاتا مشکل تھا ایسے ہوش بھی کہاں تھا کہ وہ ان کی طرف توجہ دے سکتی۔!

دفتار کرے میں بھی آواز گوئی جو اس نے پچھلے کرے میں سنی تھی۔ ”یہ محترمہ اپنی مدد آپ نہیں کر سکتیں!“

اس کے بعد کرے کی فضا پر بوجل سکوت طاری ہو گیا! ایک لمبی سی میز تھی جس کے دونوں اطراف میں کرسیوں پر ناقاب پوش نظر آرہے تھے اور صدر نشین بھی ایک ناقاب پوش ہی تھا!

دفتار صدر نشین اپنی بائیں جانب والی تپائی کی طرف مزا جس پر فون رکھا ہوا تھا....! کسی کے نمبر ڈائل کر کے ماڈ تھے پیس میں بولا۔ ”گیارہوں فرد بھی پہنچ گیا.... کیا اور کوئی بھی ہے.... نہیں.... اچھا.... شکر یہ....!“

مقصد جو اکھیلنا ہرگز نہیں تھا.... وہ تو اسی بہانے کی جگہ رک کر اس مسئلے پر غور کرنا چاہتی تھی تو گویا اب یہاں سے اُسے کار من اسٹریٹ کی تیر ہوئی عمارت میں پہنچنے کی ہدایت تھی....! آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ اس کا کیا مقصد ہے۔ احتقانے سے چاروں پہلے اس کلب میں ہی کیوں تھا....؟ اگر شاطر کسی خطرناک گروہ سے تعلق رکھتا تھا تو اس گروہ کی نوعیت تھی....؟“

ابھسن بڑھتی گئی اور اسے ہاں سے روائی ہی میں عافیت نظر آئی۔ ورنہ وہ سوچتی رہتی داکوں پر قبیلہ لگا گا کر ہاتھی چل جاتی۔!

واپسی میں پھولوں والی بوڑھی عورت دکھائی تو دی تھی لیکن اس کی طرف سے بے پرواہ آری تھی۔! مونا سمجھتی تھی کہ وہ اس کی طرف بڑھ کر دعائیں دیتی ہوئی پکھنے پر خود دھکر کرے گی۔! مگر اس نے اس کی طرف توجہ نہ دی۔!

مونا پکھ دیر بعد ڈائنگ ہال میں پہنچی۔! ابھی تو نوبجے تھے....! پورا ایک گھنٹہ باقی تھا۔ یہاں سے کار من اسٹریٹ تک پہنچنے میں پندرہ منٹ سے زیادہ نہ صرف ہوتے۔ ”ٹھیک دس۔ پر زور دیا گیا تھا....! اس لئے وقت سے پہلے پہنچنا ممکن تھا کہ کسی نئی ابھسن کا باعث بن جاتا۔“ اس نے ایک خالی میز پر بیٹھتے ہوئے مضطربانہ انداز میں چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن بار احتمل کہیں نہ دکھائی دیا۔!



دس بجئے میں ابھی پانچ منٹ باقی تھے کہ وہ کار من اسٹریٹ کی تیر ہوئی عمارت کی کپڑا میں داخل ہوئی اور ایک بارہ دی جو کیدار نے اُسے برآمدے تک پہنچایا۔ برآمدے میں دھنڈل روشنی پھیلی ہوئی تھی....! اتنی دھنڈلی کہ یہاں کھڑا ہوا کوئی آدمی دس گز کے فاصلے سے بھی پہنچا جا سکتا۔...! جو کیدار اسے دیں چھوڑ کر پھر چانک کی طرف چلا گیا!

پکھ دیر بعد بائیں جانب سے آواز آئی۔ ”ادھر آئیے!“
 وہ چونک کر مرڑی.... وہ دروازہ غالباً اسی کے لئے کھولا گیا تھا اور آواز بھی اسی سمت سے تھی۔! وہ لڑکھڑا ہوئی اور ہر ہی بڑھ گئی۔
 کرہ خالی تھا....! لیکن آواز پھر آئی۔ ”کس نے بھجا ہے!“

ریسیور کھ دیا گیا۔۔۔ اور صدر نشین نقاب پوش کی تیز آنکھیں مونا کو اپنے ذہن میں چھپتی
محوس ہونے لگیں۔۔۔ پھر وہ امتحا ہوا بولا۔ ”آپ سب براؤ کرم دوسرے کمرے میں چلے۔۔۔“
سکھوں کے پیچے مونا بھی دوسرے کمرے میں پہنچی۔ صدر نشین ان سے پہلے کمرے میں
داخل ہوا تھا۔ مونا نے اسے ایک جگہ دیوار پر ہاتھ رکھ کر ٹھہرا دیکھا۔۔۔! پھر اپاٹک وہ بھی
لڑکھراتے ہوئے نظر آئے۔ صدر نشین نقاب پوش تیزی سے کمرے کے وسط میں پہنچ گیا اور
تب مونا کو محوس ہوا کہ وہ لوگ کیوں لڑکھراتے تھے۔۔۔ کمرے کا فرش بآہنگی نیچے ڈھنڈ رہا
تھا اور جیسے جیسے وہ نیچے جلا ہے تھے اور فرش کی خلافائیں جانب سے برآمد ہونے والے ایک تنخے
سے نبہ ہوتی جا رہی تھی۔!

پھر تھوڑی دیر بعد ایک دھچکے کے ساتھ فرش کی حرکت رک گئی۔ ایک بار پھر وہ گرتے
گرتے نیچے اور صدر نشین نقاب پوش نے قہقهہ لگایا۔

دوسرے نقاب پوش اسے حیران حیران آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔ دفتار اس نے مونا کی
طرف انگلی اٹھا کر کہا۔ ”کیوں لڑکی۔۔۔! انداز اکتنے آدمیوں کا گھیرا ہو گا۔“

”گھیرا۔۔۔!“ وہ تھوڑک نگل کر بولی۔ ”میں نہیں سمجھ سکتی آپ کیا کہہ رہے ہیں۔!
”تم کون ہو۔۔۔!“

”میں۔۔۔!“ یہ بیک مونا نے سنبھالا لیا۔ ویسے اس کا ذہن اب بھی گویا ہوا میں اڑا جا رہا تھا
اس نے سختی سے دانت بھینچ کر اپنی کیفیت پر قابوپانے کی کوشش کی اور جب کڑا کر کے بولی۔ ”میں
مونا کر کر شی ہوں۔۔۔! مجھے شاطر کی تلاش ہے جس نے مجھے موت کے جزوں میں دھیلنے کو
کوشش کی ہے۔!
”تم کس شاطر کی بات کر رہی ہو۔۔۔! اور کیا سمجھ کر رہاں آئی ہو۔!
”میں تمہیں چورڑا کو اور قائل سمجھ کر رہاں آئی ہوں۔!
”لڑکی تم حقیقتاً موت کے جزرے میں آگوڈی ہو۔ وہ احتمل کہاں ہے۔۔۔ آہا۔۔۔ یہ میک
اپ۔۔۔ ذرا قریب آؤ۔۔۔ اوہاب تو تمہارے بال بھی سیاہ نظر آرہے ہیں۔ کیوں؟ کیا تم خود
اپنی اس بدحالی کی ذمہ دار نہیں ہو۔!
”میں کچھ نہیں جانتی۔ کیا میں اپنی خوشی سے لیبروں کے اس گروہ میں شامل ہوئی تھی۔!

”کیا قصہ ہے۔۔۔!“ ایک نقاب پوش نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔
”ماں بھیڑ۔۔۔!“ صدر نشین کا الجہ تغیر آمیز تھا۔
”گندے سور۔۔۔!“ مونا بھر گئی۔
”شٹ اپ۔۔۔!“ صدر نشین چیخ کر آگے بڑھا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بیدردی سے جھنکا دیتے
ہوئے بولا۔ ” بتاؤ وہ حق کون ہے۔!
مونا منہ کے بل گر کر چیختی اور ایک نقاب پوش آگے بڑھ کر بولا۔ ”اوہ۔۔۔ نو۔۔۔ نو۔۔۔
بلیز اتنی بے دردی نہیں۔۔۔ بیماری۔!
”پیچھے ہٹو۔۔۔!“ صدر نشین نے جھلاہٹ میں اسے دھکا دیا۔
وہ چپ چاپ پیچھے ہٹ آیا۔ مونا اپنی ناک دبائے ہوئے اٹھی لیکن دوزاؤ بیٹھی رہی۔۔۔!
ناک سے خون کے قطرے پکڑ رہے تھے۔!
”اوہ۔۔۔ یہ تم نے کیا کیا۔۔۔؟“ وہی نقاب پوش تیزی سے آگے بڑھ کر بولا۔ جسے صدر
نشین دھکا دے چکا تھا۔۔۔! وہ ان دونوں کے درمیان آگیا۔
”کیا تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔۔۔!“ صدر نشین غریبا۔
”نہیں۔۔۔ میرا خیال ہے کہ تم سے زیادہ خشنڈے دماغ کا آدمی ہوں۔!
”اوہ۔ تم مجھ سے اس الجہ میں گفتگو کر رہے ہو۔۔۔!“ وہ کسی زخمی کتے کی طرح غریبا۔ ”تم سے
بھی سمجھوں گا۔!
”فی الحال تم سید ہی سادوی اور دو سمجھتا سمجھو۔۔۔!“ نقاب پوش نے جواب دیا۔ ”میں کہہ رہا
ہوں کہ لڑکی سے اس طرح پیش نہ آو۔!
”تم جانتے ہو اسے۔۔۔!
”نہیں۔۔۔!
”اک نے خداری کی ہے۔!
”کچھ بھی کیا ہو۔۔۔ پیچھے ہٹ جاؤ۔۔۔!“ نقاب پوش نے صدر نشین کو اس زور سے دھکا دیا
کہ وہ یوارے جا گکرایا۔
”اوہ۔۔۔ تو تم بھی۔۔۔ خدار۔۔۔!“ وہ دانت چیل کر بولا۔

"یہ کیا کیا.... یہ کیا ہے....!" دو تین نقاب پوش آگے بڑھے۔

"بچپے ہٹو...!" لڑکی کا طرف دار پھر گیا۔ "هم سب خالی ہاتھ ہیں....! مجھے اچھی طرح علم ہے۔ اس لئے اگر کسی سے بھی کوئی حماقت سرزد ہوئی تو اپنے کچو مر کا وہ خود ذمہ دار ہو گا۔" دفعتاً کر کر اہٹ کی آواز گونجی.... اور مونا جھی پڑی۔ "سنبلو....!"

صدر نشین نے ایک برا سا جا تو کھولا تھا!

لڑکی کے طرف دار نے قہقہہ لگایا اور مٹکہ اڑانے والے انداز میں بولا۔ "میں یہ جانتا ہوں کہ تم چاقو کے مرض میں بٹلا ہو۔"

"یہ شاطر ہے.... یہ شاطر ہے....!" مونا جھی!

"میں یہ بھی جانتا ہوں۔!"

"تب تو تم نے بھی اپنی موت کو دعوت دی ہے۔" نقاب پوش نے چاقو کے دستے پر گرفتخت کرتے ہوئے کہا اور دوسروں سے بولا۔ "مگر و.... انتظار کس بات کا ہے۔"

نقاب پوشوں نے اپنے چرمی پینڈ بیگ زمین پر ڈال دیے....! لڑکی کا طرف دار بھی اپنا بند بیگ ایک طرف اچھال چکا تھا!

"سنبلو.... مونا پھر جھی....!" یہ خبر زنی کا ماہر ہے۔

"ہائیں.... اسے باپ رے....!" وفتاً اس کا طرف دار بولکھا کر بچپے ہٹ گیا.... اور مونا کو ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی کھوپڑی گردن سے اچھل کر فضا میں پرواز کر جائے گی۔ یہ کس کی آواز تھی.... یہ کون تھا.... او!

صدر نشین کے بڑھتے ہوئے قدم بھی رک گئے اسے اس پوزیشن میں دیکھ کر بھلا دسرے کیوں قدم اٹھاتے!

"کون ہو تم....!" اس نے گوئی آواز میں پوچھا۔

"ان سھوں کے سامنے یہ پوچھ کر تم یہاں کا قانون توڑ رہے ہو۔ کیا یہ سب ایک دوسرے کو اپنی شکلیں دکھائیں گے۔"

"نہیں.... لیکن مجھے اختیار ہے کہ کماز کم ان کی شکلیں دیکھ سکوں۔!" صدر نشین غریباً۔

"اچھا تو آؤ دیکھ لو میری شکل....!"

"میرا خیال ہے کہ میں یہ آواز پہلے بھی سن چکا ہوں۔!" صدر نشین آہستہ سے بڑھ ریا اور بڑھے گھونے لگا۔

یک بیک لڑکی کے طرف دار نے اپنی نقاب نوج چھکنی اور صدر نشین بے ساختہ اچھل پل پھر سنبل کر بولا "اوہ.... تو یہ تم ہو.... اچھا.... سنبلو....!"

"لیکن میں ایک ہی قسم کے داؤ بیچ پسند نہیں کر سکتا....! اُس رات جس قسم کے ہاتھ لھائے تھے تم نے.... آج ان سے مختلف ہونے چاہئیں۔!"

مونا سوچنے لگی.... پھر حماقت سرزد ہوئی ہے۔ اس سے.... اکیلے ان لوگوں میں آپھنسا اور بہر خود کو ظاہر بھی کر دیا۔ حکمت عملی سے کام لیتا چاہئے تھا۔ لیکن وہ تو اسے بچانے کے لئے۔

"تم آخر کیا چاہتے ہو۔!" صدر نشین اسے گھوڑتا ہوا بولا۔ اُنہوں نے کیوں وہ یک بیک زم بیگی تھا۔

"میں اسکے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتا کہ ملک و قوم کے نمک حراموں کو جہنم میں پہنچا دوں۔!"

"کیا مطلب....!"

"مطلب پوچھتے ہو ذمیل....!" احمد کا بیجہ خون خوار تھا۔ "اور کو تم لوگوں نے کیوں قتل یا تھا۔"

"اوہ.... ابھی تک یہ خطہ ہن سے نہیں نکلا مگر تم ہمیں ملک اور قوم کے نمک حرام کیوں ہم رہے ہو۔"

"ہااا.... تو تم یہ سمجھتے ہو کہ میں تمہیں معمولی قسم کا چور یا ذا کو سمجھتا ہوں....! کیا تم اس مل کے ایجنت نہیں ہو جو ساری دنیا میں انتشار پھیلا کر شیطانی حکومت کا خواب دیکھ رہا ہے۔ کیا اپنی ایکم کے مطابق یہاں مایوسی اور دہریت کے جرا شیم نہیں پھیلا رہے تھے۔ مایوسی اور دہریت کے شکاروں کو اپنی نجات کا راستہ صرف تمہاری ہی آئیڈی یا لوچی میں نظر آتا ہے۔ اُتم لوگ بس کچھ بہت ہی منظم طریقے پر کرتے ہو۔!"

صدر نشین چند لمحے خاموش رہا۔ پھر بولا۔ "ہاا.... میں نے سنا ہے کہ داور یہی کرتا تھا مگر میں اس سے کیا تعلق۔!"

وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ صدر نشین نے اُس پر چھلانگ لگائی....! غالباً با توں میں الجھانے کا

”تم آخر چاہتے کیا ہو....!“ شاطر نے بس ہو کر کہا۔
حق جیب سے چاقو نکال کر اسے دوبارہ کھلواتا ہوا بولا۔ ”معاشرے کے اس گندے پھوڑے کا اپر لشن منظر عام پر.... اب تم اس فرش کو اس کی اصلی جگہ پر پہنچانے کی کوشش کرو.... ورنہ تمہارے جسم پر خم ہی خم نظر آئیں گے.... چلو....!“

”ٹھہر و....!“ شاطر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”کیا تم مجھے اپنی اصلیت سے آگاہ نہیں کر دے گے۔!“
”میں تمہارے لئے اس خدا کا قبر ہوں جس کے وجود سے تمہیں انکار ہے۔ جلدی کرو....!
ورنہ میرا کھلی پھر شروع ہو جائے گا!“

”اوپر.... کون ہے....! میں قدموں کی آوازیں سن رہا ہوں۔!“

”پولیس....!“
”پولیس....!“ وہ سب جنح پڑے.... اور ایک بار پھر ہنہوں نے اس پر دھاوا بول دیا۔
شاطر پیش پیش تھا۔ انہیں لکار رہا تھا۔ غیرت دلارہا تھا۔ یہ حملہ یقیناً خطرناک ثابت ہوا تا اگر چاقو حق کے ہاتھ میں نہ ہوتا۔!

ایک گرا.... دوسرا گرا.... لیکن تیسرا جیج کے ساتھ ہی پھر کھلی ختم ہو گیا۔ وہ اس کے پاس سے ہٹ کر دیوار سے جا لگے تھے اور شاطر بھی ان سے پچھے نہیں رہا تھا....! مونا حلچ چڑا چڑا کر پنس رہی تھی۔

پھر شاطر کو مجبور ہو جاتا پڑا۔ اس نے اس پوشیدہ میکنزیم کو حرکت دی جس کے تحت کرے کافرش حرکت کرنے لگتا تھا۔

چیز چیزے فرش اور اٹھ رہا تھا چھت بھی بائیں جانب کھلکھلی جا رہی تھی۔ اوپر تقریباً ایک فٹ کی خلا نظر آتے ہی کئی پیر نظر آئے تھے جنہوں نے دائیں جانب والے دروازوں میں چھلانگیں لگائی تھیں اور احمد نے جیج کر کہا تھا۔ ”وہیں ٹھہر و....! خکار میرے قابو میں ہیں۔!“
فرش اپنی اصلی جگہ بیٹھ گیا اور بارو دی پولیس آفیسر دروازوں سے ان کی طرف چھپے۔
ان میں سردار گذھ کا ایسی پی بھی تھا۔! دوسرے نقاب پوشوں کی طرف بڑھے تھے اور دہ سیدھا عمران کی جانب آیا تھا۔!

”میں معافی چاہتا ہوں جناب....!“ اس نے کہا۔ ”بھلا مجھے کیا معلوم تھا میں توکل سے

مقصد یہی تھا کہ غافل پا کر حملہ کیا جائے۔

لیکن اسے مایوسی ہی ہوئی۔...! حق غافل نہیں تھا۔ مونا جیجنی تھی۔ لیکن پھر اس نے دیکھ کر احمد نے حملہ آور کو دونوں ہاتھوں پر اٹھا کر اس طرح دوسروں پر بھیک مارا تھا جیسے وہ ریویک ہلکی سی گیند رہا ہو....! ایک بہت ہی کرب ناک جیج تھہ خانے کی محدود فضائیں گو نجی....! حمل آور کا خبر اس کے ایک ساتھی ہی کے بینے میں پیوست ہو گیا تھا۔

پھر وہ سبھی دیوانوں کی طرح احمد پر ٹوٹ پڑے.... مونا نبڑی طرح کانپ رہی تھی دفعہ صدر نشین کا چاقو اچھل کر اس کے پیروں کے پاس آپڑا اور اس نے اسے اٹھا لینے میں دیر نہیں لگائی۔ اب وہ کسی حد تک مطمئن ہو گئی تھی۔! احمد نے پہلے ہی ان لوگوں کے غالی ہاتھ ہونے کا اعلان کر دیا تھا اور شاید وہ یہ بھی جانتا تھا کہ صدر نشین کے پاس ایک چاقو ہے۔ چاقو ہی کی نیا پر مونا شاطر کو پیچاں سکی تھی۔! کیونکہ وہ اپنے پاس چاقو ہی رکھتا تھا اور کسی بار غیریہ کہہ چکا تھا کہ ”ایک ماہر خیزان ہے۔! لیکن اس وقت ہمارت کام نہ آئی وہ حیرت سے آنکھیں چھڑائے احمد کی جنگ کا منظر دیکھ رہی تھی۔

کیا یہ آدمی ہے اس نے سوچا۔ تھا آٹھ دشمنوں میں گھرے ہونے کے باوجود بھی اتنے لاپرواں سے لڑ رہا ہے جیسے وہ محض ایک دلچسپ کھیل ہو۔ اجب بھی کسی پر ہاتھ پڑ جاتا اس کے حلقوں سے کراہ ضرور نکلتی۔... یہ یہکہ شاطر چیخا۔ ”اوز نخو....! ایک آدمی قابو میں نہیں آتا۔!“
پھر ایک متین کن منظر دکھائی دیا....!

انہوں نے یکنہت ہاتھ روک لئے اور ان میں سے ایک ہانپا ہوا بولا۔ ”تم جانتے ہو کہ کون ہیں اور ہمارے پیشوں سے بھی واقف ہو۔!“

”آہا....!“ احمد بخس پڑا۔ ”یہ گدھا کیا جانے میں جانتا ہوں۔....! تم اٹھلے اس ہو بجا تمہیں لڑائی بھڑائی سے کیا کام....! اس کے لئے تو تم غیر تعلیم یافتہ لوگوں کو استعمال کرتے ہو۔
تمہارا کام تو کافی ہاؤزوں، باروں اور ریستورانوں کی میزوں تک ہی محدود ہوتا ہے۔!

شاطر کھڑا ہانپا رہا۔... وہ لوگ بھی کچھ نہ ہو لے۔
احمد نے مونا سے چاقو لے کر بند کیا اور اسے جیب میں ڈالتے ہوئے بولا۔ ”اب جاتا۔
شاطر آپ کو ایک غزل ناہیں گے جس کے بول ہیں ”مارے ساتھی جانے نہ پائے۔“

اصل چیز تو پہل سے لکھے ہوئے دو حروف تھے، جو شکر ناموں پر پائے جاتے تھے۔ ایہ حروف ان کے لئے تھے جو اس گروہ سے تعلق رکھتے تھے اور اپنی کار گزاریوں کی روپورٹ شاطر کو دینے والوں نے شہروں سے سردار گذہ آتے تھے، یہ لوگ گیٹ پر ان حروف کو دہراتے تھے انہیں پڑھا ایک سرخ پھول دیتی تھی اور اسی پھول سے وہ لوگ انہیں پیچان لیتے تھے جن کا کام اطلاع دینا ہوتا تھا کہ آج فلاں جگہ مینگ ہو گی۔ روزاہمہ حروف بدلتے رہتے تھے۔ ان کا طریقہ کار معلوم کرنے کے لئے میں نے اپنی تین راتیں برباد کی تھیں۔ اگر وہ میں دو طرح کے لوگ تھے۔ ایک تو وہ جو کھلے عام اپنے فرائض انجام دیتے اور دوسرا وہ جو ایک دوسرے کو نہیں جانتے تھے۔ اصل کام یہی لوگ انجام دیتے تھے یعنی ایک غیر ملک کا پروپیگنڈہ۔ کھلے عام کام کرنے والے اسے چوروں اور ڈاؤنوں کا گروہ سمجھتے تھے اور ایک دوسرے کو پیچانتے بھی تھے اور شاطر کو اپنا سردار سمجھتے تھے۔ اس کی دوسری حیثیت ان کی نظروں سے پوشیدہ تھی۔ وہ باہر سے آنے والوں کو بھی اپنی ہی طرح چور اور ڈاکو سمجھتے تھے۔ اصل کام کرنے والوں نے شاطر کی شکل بھی نہیں دیکھی تھی۔ شاطر ان میں سے ہر ایک کو پیچانتا تھا اور انہیں چاہتا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو بھی پیچانیں ای لئے اس نے وہ طریقہ اختیار کیا۔۔۔! ہاں میں ایک وقت میں ایک ہی آدمی داخل ہو سکتا تھا جب تک ایک بھی سرخ پھول والا اندر موجود ہوتا تھا تو دوسرا نہیں جانے پاتا تھا۔ جب وہ ہاں سے مینگ منعقد ہونے کی جگہ معلوم کر کے رخصت ہو جاتا تھا تو دوسرے کا داخلہ ہوتا تھا۔ اسی طرح وہ اس عمارت میں بھی ایک ہی ایک کر کے داخل ہوتے تھے جہاں مینگ ہوتی تھی۔۔۔ انہیں وقت ہی اس مناسبت سے دیا جاتا تھا کہ وہاں ایک دوسرے کا سامنا ہونے پائے۔ میں نے چھپ کر وہاں کے طریقہ کار کا مشاہدہ کیا تھا۔! ایک پر ایک آواز خالی کمرے میں ان کا استقبال کرتی تھی اور ہدایت دیتی تھی کہ وہ اپنی مدد آپ کریں۔! جس کا مطلب ہوتا تھا الماری کھول کر پلاسٹک کی سیانہ ناقاب نکالنا اور چہرے پر چڑھا لینا۔! بہر حال اس رات میں لڑکی سے پہلے ہی وہاں پہنچ گیا تھا۔! اسے وہاں لے جانے کا مقصد یہ تھا کہ اس کا بھی امتحان ہو جائے۔۔۔! مجھے شبہ تھا کہ وہ اب بھی انہیں کے لئے کام کر رہی ہے۔! اعتراض ہو سکتا ہے کہ میں اکیلے ہی وہاں کیوں گیا تھا۔ یہ چیز خدا کا بھی ثابت ہو سکتی تھی۔۔۔! ہاں خدشہ تھا۔۔۔! لیکن اس طرح صرف میری ہی زندگی خطرے میں پڑتی دوسرے محفوظ رہتے۔۔۔ میری عادت ہے کہ غیر یقینی حالات میں اکیلے ہی کام

آپ کی تلاش میں ہوں۔! سر سلطان نے کل ہی مجھے آگاہ کیا تھا کہ یہ ان کے محلے کا کیس ہے اور آپ محلہ خارجہ کے ایجنت ہیں۔! اس وقت آپ کا فون ملتے ہی یہاں آیا تھا۔ کچھ کاغذات میں لیکن عمارت خالی پڑی تھی۔!

”ان چرچی ہینڈ بیگوں کو بھی سنبھالئے۔۔۔ ان میں ثبوت ہی ثبوت میں گے۔۔۔ میں نے سر غنہ کو پکڑ لیا ہے۔۔۔ نہیں۔۔۔ وہ میرا ہینڈ بیک ہے۔۔۔ مجھے دیجئے۔۔۔ اور وہی سرخ بالوں والی لڑکی۔۔۔ یہ سلطانی گواہ بنائی جائے گی۔!

”سرخ بالوں والی لڑکی۔!“ ایس پی نے حیرت سے کہا۔ ”مگر وہ تو۔۔۔!“ ”مرگی۔۔۔ نہیں۔۔۔! وہ کوئی اور تھی۔۔۔! پولیس کو غلط راہ پر ڈالنے کے لئے قتل کی گئی تھی۔! وہ خضاب تھا۔! میرا خیال ہے کہ اس کے بالوں کی اصلی رنگت اخروت کی ہی تھی۔!

”میں قطبی نہیں سمجھ سکا۔۔۔!“ ایس پی بولا۔

”لکڑہ سمجھتے۔۔۔ فی الحال لے جائیے۔۔۔! دیکھتے لاکی کو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے۔۔۔ یہ شریف لڑکی ہے۔۔۔ نادانشکی میں ان کے ہاتھوں بلیک میل ہوتی رہی تھی اور مجبور آن کے لئے کام کرتی تھی۔!

کچھ دیر بعد وہ سب وہاں سے لے جائے جادہ ہے۔! موتا نے عمران کو روک کر کپکپالہ ہوئی آواز میں کہا۔ ”میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ پھر کب ملوگے۔!

”جلد ہی۔۔۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اب تم محفوظ ہو۔!

موتا نے ٹھنڈی سانس لی اور اسے جاتے دیکھتی رہی۔!



ایک بفتہ کے بعد عمران داش منزل میں بیٹھا۔ ٹرانس میٹر کے سامنے اپنی روپورٹ پڑھ رہا تھا۔ سیکرٹ سروس کے سارے مجرم موجود تھے۔ روپورٹ ”ایکس ٹو“ کے لئے تھی۔

اب وہ کہہ رہا تھا ”سردار گذہ کے اس نائٹ کلب میں مجھے وہی آدمی کا ڈنٹ کفر کی حیثیت سے نظر آیا تھا جس کی جیب سے میں نے ہالی ڈے کیمپ میں سکریٹ کا خالی پیٹ نکالا تھا۔! بھر وہاں تمار خانے کا علم ہوا جو چھپی ہوئی چیز نہیں تھی۔ سبھی اس کے متعلق جانتے تھے۔ اس نے لفافے کے متعلق لڑکی کو غلط فہمی ہوئی تھی۔! تمار خانے میں داخلہ ان کے بغیر بھی ہوتا تھا۔!

کرتا ہوں....! ویسے میں نے احتیاطاً پولیس کو بھی فون کر دیا تھا۔ یہ بات پاچھے ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ اب شاطر ہی یہاں اس تنظیم کا سراغنہ تھا۔ پہلے دو آدمی تھے ایک داور اور دوسرا شاطر۔ شاطر خود سر آدمی ہے۔! اپنی بڑائی داور سے بھی منوانا چاہتا تھا۔ لیکن داور ذہنی صلاحیتوں کی بنا پر اس سے بھاری پڑتا تھا۔ لہذا آئے دن دونوں میں حق جج رہتی تھی۔....! آخر کار شاطر نے ایک پلاٹ بنایا کہ ختم ہی کر دیا۔! سعدی اینڈ سنز کے یہاں کاؤنٹر پر کام کرنے والوں میں سے بھی ایک تنظیم سے تعلق رکھتا تھا اسی نے شاطر کے کہنے پر ہیرے اڑائے تھے۔ شاطر جانتا تھا کہ وہ کب پابرج کی حیثیت سے ہالی ڈے کیپ جائے گا۔ اس لئے موقع ملنے والے کے قتل کے بعد ہی کو بھی خبر نہ تھی کہ اس کے لئے کیا ہو رہا ہے۔ پھر ایسا انظام کیا گیا کہ داور کے قتل کے بعد ہی سعدی اینڈ سنز کا اشتہار اخبار میں آئے۔ اچھا ایک قاتل کی فرمائی اور ہیروں کی چوری کا مقصود حقیقتاً نہیں تھا جو پہلے میری سمجھ میں آیا تھا۔ وہ پولیس کو غلط راستے پر نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔! پولیس داور کی اصلیت معلوم بھی کر لیتی تو کیا ہوتا۔ بات داور ہی پر ختم ہو جاتی۔! قاتل تک پہنچا دشوار ہوتا۔ یہ پلاٹ شاطر نے دراصل اپنے دور دلیش کے آقاوں کے لئے بنایا تھا۔! انہیں یہ بادر کرانے کی کوشش کی تھی کہ داور چور بھی تھا اور چوریوں کے سلسلے میں اپنے کچھ مدد گار بھی رکھتا تھا۔ جنہوں نے قبیلی ہیروں کے باعث میں اسے قتل کر دیا۔! اگر وہ یونہی خواہ ماردا لالا جاتا تو اس کے دور دلیش کے آقاوں کو ضرور فکر ہوتی کہ کیا قصہ ہے۔! وہ اپنے طور پر جہان میں کرتا اور ہو سکتا تھا کہ اس صورت میں خود شاطر ہی کی زندگی خطرے میں پڑ جاتی۔ داور ان کے لئے بہت اہم تھا۔ اذین تھا اس لئے ان کے پروپیگنڈے کے لئے نت نے طریقے اختیار کر تارہتا تھا جو سو نصفی کامیاب ہوتے تھے۔! اب تکی دیکھنا چاہئے کہ وہ پابرج کے روپ میں ان کا پروپیگنڈہ کیوں کرتا تھا۔! ہالی ڈے کیپ میں زیادہ تر نوجوانوں کا اجتماع ہوتا تھا جو سر توں اور دلوں سے بھر پور نظر آتے ہیں۔ مستقبل کے متعلق ان کے خیالات رجائی ہوتے ہیں لیکن داور ان میں مایوس اور دہریت کے جرا شکم پھیلاتا تھا۔! وہ اس کی باتیں سن کر سوچتے تھے کہ اتنے فرشتہ سیرت آدمی کو خدا نے پابرج کیوں کر دیا۔! کیا یہ انصاف ہے۔! میں پھر ان کے ذہن بیکن لگتے تھے وہ انہیں اچھی طرح مایوس کر دینے کے بعد اپنے آقاوں کے دلیں کا پروپیگنڈہ شروع کر دیتا تھا۔!

عمران خاموش ہو گیا۔....! اور دوسرا طرف سے بلیک زیر و کی ایکس ٹو کی ہی آدھا

ہی۔ ”میں آپ کو اس کی کامیابی پر مبارک باد دیتا ہوں مسٹر عمران۔!“

”صرف مبارک باد....!“ عمران نے نہ اسامنہ بنایا کہا۔

”پھر اور کیا چاہئے۔!“

”ایک درجن چھوٹ گم کے پیکٹ....! اور دور دلیش کی صد اکیا ہے۔!“

”دوسری طرف سے ہلکے سے قیچیے کی آواز آئی اور ٹرانس میٹر بند کر دیا گیا۔!“

”تم اس پتھر کو ہنسا تو کہتے ہو....!“ جو لیا نے کہا۔

”لیکن.... اب کیا صورت ہو گی....!“ جو ہاں نے متکفر انداز میں کہا۔ ”پورے ملک میں شاطر کے انجمنوں کے متعلق چھان بین کرنی پڑے گی۔!“

”شاطر نے سب کچھ اگل دیا ہے۔! خاص انجمنوں کی پوری لست اس سے حاصل کی جا گئی

ہے۔!“ عمران بولا۔ ”اور انہیں تلاش کر لینا مشکل نہ ہو گا۔!“

”مگر نجی... کا کیا ہوا....!“ جو لیا نے پوچھا۔ ”کیا وہ اس سازش میں شریک نہیں تھا۔!“

”نہیں.... اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ داور حقیقتاً کون ہے۔!“

”پھر وہ اشتہار دا اور کی زندگی ہی میں کیوں نہیں شائع ہو سکتا۔!“ صدر نے پوچھا۔

”کاؤنٹر پر کام کرنے والا تیسرا آدمی جس نے ہیرے چائے تھے۔ نجی کو چکر دیا رہا۔! اس کی

کرفتہ تو داور کی موت کے بعد ہی عمل میں آئی تھی۔! اشتہار اس نے اس منابت سے شائع

ہونے دیا تھا کہ داور کی موت کے بعد ہی منظر عام پر آئے اس سے پہلے نہیں....! ایکم پہلے سے

یہاں کی جا چکی تھی۔! اس لئے طوفان آجائے کی بناء پر پوری طرح اس پر عمل نہ ہو سکے کے باوجود

بھی اس میں کوئی تبدیلی نہ کی جاسکی۔! یعنی کسی آدمی کو قاتل کی حیثیت سے پیش کئے بغیر ہی اسے

قتل کر دیا ہنا پڑا تھا۔ شاطر جانتا تھا کہ صحن اشتہار ضرور آجائے گا اس کی اشاعت کسی طرح بھی نہ

روکائی جاسکے گی۔ لہذا اگر داور اس رات زندہ ہو جاتا اور خود اس اشتہار کو دیکھ لیتا تو شاطر تخت

الشر کی میں جا چھنے کے باوجود بھی اس کے ہاتھوں سے نہ نجع کرتا۔!

”اور یہ لوگ اتفاقاً تم ہی سے آکرائے....!“ جو لیا بولی۔

”قدرت.... دنیا کا کوئی مجرم بھی سزا سے نہیں نجع کرتا۔....!“ قدرت خود ہی اس کے

مطابق انجام کی طرف دھکیلتی ہے۔! اگر ایسا نہ ہو تو تم ایک رات بھی اپنی چھت نجعے بیچے آرام

کی نیندہ سو سکو....! زمین پر فتوں کے علاوہ اور کچھ نہ اگے....!"



مونا خانت پر رہا کر دی گئی اور اسے راتا تہوڑ علی والے محل میں رکھا گیا تھا۔ ایک دن، عمران کے متعلق جوزف سے گفتگو کر رہی تھی۔!

”کیا اس کا دنیا میں کوئی نہیں ہے....!“ اس نے پوچھا۔

”وہ خود ہی دنیا میں سب کچھ ہے.... اس کے چکر میں نہ پڑو۔!“

”مجھے اس سے ہمدردی ہے۔!“

”لڑکی اپنی کھوپڑی سے باہر ہونے کی کوشش نہ کرو....! اور نہ خسارے میں رہو گی۔!“
”کیا کواس کر رہے ہو....!“ مونا جلا گئی۔

”ٹھیک کہہ رہا ہوں....! تم اس بڑی جولیا سے زیادہ حسین نہیں ہو۔!“

”میں یہ کب کہہ رہی ہوں.... کیا تم بالکل گدھے ہو....!“

اتنے میں عمران کمرے میں داخل ہوا۔! جوزف آپے سے باہر ہو رہا تھا۔!

”خذ ہو گئی باس....!“ وہ حلٹ پھاڑ کر دہاز۔ ”میں اسے برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی عورت مجھے گدھا کہے۔!“

”تب تم دعائیا گو کہ گدھے بھی آدمیوں کی طرح گفتگو کرنے لگیں۔! لیکن وہ سب سے پہلے مجھے سے پوچھیں گے کہ میں لڑکیوں کو دیکھ کر سر کے بل کپوں کھڑا ہو جاتا ہوں۔!“

”میں خود بھی پوچھوں گا....!“ جوزف نے تیز لمحے میں کہا۔ ”مجھے بھی یہ اچھا نہیں لگتا۔!“

”یہ بہت بے ہودہ ہے۔“ مونا نے کہا۔ ”آدمیوں کی طرح گفتگو کر رہی نہیں سکتی۔“

”سآبا۔....! تم سن رہے ہو.... اچھا.... تو یہ لو....!“ اس نے پاگلوں کی طرح دیوار سے سر نکل کر ادیا۔....! نکلا تائی رہا۔....! اور وہ دونوں چپ چاپ کمرے سے نکل گئے۔!

(نتم شد)

عمران سیریز نمبر 40

د لکھپ پ حادثہ

پہلا حصہ

چاروں طرف دیکھ کر آہتہ سے بولا۔ ”ہم سے LOVE کرتا ملکا کر نہیں۔“

”سو....وار....کا....باقہ!“ وہ حلق پھاڑ کر چینی اور لوہے کے پانپ والا ہاتھ گھادیا۔
کھاک....! عمران کی آنکھوں میں تارے ضرورتی جسے ہوں گے۔

وار بھر پور تھا۔ سر سے خون کی چادر چہرے پر آئی اور اس کے قدم لاکھڑا نے لگے مز
چھا کیا پوری قوت سے چیخ جاتی تھی؛ اذ راسی دیر میں برآمدہ تماشائیوں سے بھر گیا۔

عمران اس طرح آنکھیں پھاڑ رہا تھا جیسے اسے کچھ بھائی نہ دے رہا ہو۔ ہونٹ آہتہ آہتہ
مل رہے تھے.... اور مز پھٹا کیا حلق پھاڑ پھاڑ کر چین رہی تھی۔ ”سو....ور کی....نا.... چھیڑتا
ہے....!“

جوزف کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے.... کبھی دوڑ کر عمران کی طرف جاتا
اور کبھی مز پھٹا کیا کی طرف.... بوکھلانے ہوئے انداز میں اسے خاموش رہنے کو کہتا اور پھر
بے کی سے مجھ کی طرف دیکھنے لگا؛ وہ خود بھی جیسے چور ہو کر رہا تھا۔

اگر اس نے عمران کی حرکت اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لی ہوتی تو شاید مز پھٹا کیا کو زندہ فن
کر دیتا لیکن.... ایسی صورت میں....!“

کچھ دیر بعد عمران فرش پر ڈھیر نظر آیا۔

جوزف نے پلایا جلایا.... آوازیں دیں.... لیکن جواب نہ ادا۔

مز پھٹا کیا کو لوگ اچھی نظروں سے نہیں دیکھتے تھے۔ وہ ایک پرائیوریٹ شفاخانے میں
ٹاؤن فتحی لیکن عام طور پر سمجھا جاتا تھا کہ اس کا اصل بیٹنیں گناہوں کی پرده پوشی ہے اور وہ
الا میں خاصی کمائی کر لیتی ہے۔

عمران احتق مشہور تھا! لیکن اس بات پر کسی کو بھی یقین نہ آ سکا کہ اس سے کسی بوڑھی اور
بڑھل عورت کو چھیڑنے کی حجامت سرزد ہوئی ہوگی۔

”کوئی دوسرا ہی پکر معلوم ہوتا ہے۔“ چے گویاں ہونے لگیں۔ ”عورت بکواس کر رہی
ہے.... بھلا یہ اسے چھیڑے گا.... بھیا کی باتیں....!“

کر پھٹا کیا اسی طرح چلتکھاڑتی ہوئی اپنے فلیٹ کی طرف مڑ گئی! لیکن وہ خوفزدہ تھی! شاید
کوئا رہی تھی کہ اس کے بیان پر کسی کو بھی یقین نہ آئے گا۔ مگر وہ اس کا سر تو پھاڑ ہی پچل تھی اور

O

کوئی نہیں جانتا کہ کب اس کے ستارے گردش میں آ جائیں! جوزف کے بیان کے مطابق
عمران نے بس یونہی بیٹھے بٹھائے وہ مصیبت اپنے سر مولی تھی! درد نہ کہاں عمران اور کہاں مز
پھٹا کیا....!

مز پھٹا کیا کم از کم پچاس کے لگ بھگ رہی ہو گی! پکا جامنی رنگ تھا! آنکھیں چھوٹی
اور دھنڈی تھیں! پستہ قد تھی۔ مگر دوzen ذھانی تین من سے کسی طرح کم نہ رہا گا۔

عمران کی پڑو سن تھی....!

جوزف کا بیان ہے کہ وہ اپنے فلیٹ سے نکل تھی اور اس کے ہاتھ میں لوہے کے پانپ کا
دوفٹ لمبا ایک ٹکڑا تھا۔ اور وہ شاید جلدی میں کہیں جا رہی تھی۔ عمران باہر سے آیا تھا۔ پر آمدے
میں دونوں کا سامنا ہوا۔ عمران نے اپنے دونوں ہاتھ پھیلادیے اور راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔
مز پھٹا کیا بوکھلانے کو دقدم پیچھے ہٹی! حیرت کی بات تھی۔ سالہساں سے پڑو سی ہونے کے
باد جو دُجے دُنوں کے درمیان کبھی رکھی قسم کی گنگتو بھی نہیں ہوئی تھی، چہ جائیدہ اس طرح
بے تکلفانہ انداز میں راستہ روک کر کھڑے ہو جاتا۔

”آج میں جواب سنتا چاہتا ہوں ڈارنگ!“ عمران نے کہا۔
اور مز پھٹا کیا کامنہ حیرت سے کھل گیا۔ پھر وہ سنبھل کر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔
”کیا باتات...!“

”وہ باکتا جو میرے دل کی پکار ہے....!“ عمران نے سینے پر ہاتھ رکھ کر ٹھنڈی سانس لی اور

وہ بیووش پڑا تھا.... پھر ممکن ہے یہ بھی سوچا ہو کہ پڑو سی بھی اس سے خوش نہیں۔ کہیں ایسا ز
ہو کہ لینے کے دینے پڑ جائیں....!
بہر حال وہ اپنا فلیٹ مقفل کر کے اندر بیٹھ رہی.... ادھر کسی ایسے آدمی نے جو اس سے
بہت زیادہ جلا بیٹھا تھا پولیس اشیش فون کر دیا۔

عمران کا چہرہ خون سے تر تھا اور فرش پر بھی کافی مقدار میں خون پھیلا ہوا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا
جیسے وہ ختم ہی ہو چکا ہو.... منظر متاثر کرن تھا! غالباً مزر پھٹا کیا کا کوئی دشمن اس پھوٹھن سے فائدہ
اٹھانا چاہتا تھا لہذا کیس کو پہلی ہی نظر میں نکلنے بنانے کے لیے اس نے یہ تدبیر کر دیا کہ پولیس
کے پہنچنے سے پہلے عمران کو دہاں سے ہٹایا جاسکے.... معمولی بات تھی.... جوزف کو باتوں میں
البھالا جاتا....!

بھی ہو۔ جوزف شایدِ زندگی میں پہلی بار ہکلا ہکلا کر جھوٹ بول رہا تھا۔ بس.... مسٹر!...
جراسبات!.... یہ عورتیت آیا.... اور بات کو بولا.... تو مہار امر غی چریا۔.... یاددا!... بات
منہ چھلادیا.... عورتیت پھر گالی دیا... بات بھی گرم ہوتا.... پھر وہ گدھی کا پچھہ سر چھاڑ دیا....!
لوگوں کو اس کہانی پر سو فصد یقین آگیا تھا۔ پولیس آئی.... جوزف کا بیان ہوا.... مزر
پھٹا کیا جھنپتی ہی رہ گئی لیکن کون سنتا! سارے پڑو سی عمران ہی کی طرف داری پر آرہے تھے۔

عمران بیووش ہی پڑا رہا۔ مزر پھٹا کیا کیا حوالات پہنچا دی گئی۔ لیکن جوزف کا بر احال تھا! ایک
طرف عمران کی طوبی بیووشی تشویش کا باعث تھی اور دوسرا طرف یہ خیال مارے ڈال رہا تھا کہ
خواہ مخواہ ایک ایسی عورت حوالات پہنچ گئی جسے کچھ چھپڑا گیا تھا!...
اس نے یعنی پر کراس بنایا اور گزگڑا نے لگا۔

”او خدا!.... تو نے دیکھی ہے!... میری مجروری!.... اگر جھوٹ نہ بولتا تو لوگ بات!؟
تحوکتے!.... بات کا دامغ کیوں چل گیا تھا!.... یہ تو ہی بہتر جانتا ہے!... تو نے ہی چلایا تھا تو یہ
جانے!.... میں کیا کر سکتا ہوں قادر!.... تو نے ہی بات کو بھی بنایا ہے!.... مجھے بھی بنایا ہے! اور
اس حرامزادی کو بھی!.... مجھے معاف کر دے۔ سب کو معاف کر دے!“

عمران بیووشی ہی کی حالت میں ہپتال پہنچا دیا گیا۔
بات کسی کسی طرح جولیانا نژرو اڑ سک بھی جا پہنچی!... اس واقعہ کو کچھ گھنٹے گذر پکے گئے

لیکن عمران کو بھی تک ہوش نہیں آیا تھا! جوزف سول اپتال کے جزل وارڈ کے قریب سر
خانے اکڑوں بیٹھا نظر آیا۔ اسے عمران کے مسٹر کے پاس سے زبردستی ہٹا کر باہر نکال دیا گیا تھا!...
جو لیانا فلیٹ کو دیکھ کر اس نے ٹھنڈی سانس لی اور کراہ کر اٹھ گیا۔

”اوہ!.... مسٹر!...“ وہ کانپتا ہوا بولا۔ ”تو یہ کرو!.... گناہوں کی معافی چاہو۔ موافقے کا دن
قریب ہے۔ آسمانی باپ سب کو معاف کر دے!... آمین!“

پھر اس نے یعنی پر کراس بنایا اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

جو لیانا بکھلا گئی!.... سمجھی شاید عمران چل بسا!....
”میا کہہ رہے ہو!....؟“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”اگر میں یہ کہوں مسٹر کہ تم نے میری مرغی چڑائی ہے تو تم پر کیا گذرے گی؟“

”میا یہ ساتویں بوٹل بول رہی ہے؟“ جولیا جھلانی۔ اسے صرف اتنا ہی معلوم ہو سکا تھا کہ
کسی نے عمران کا سر پھاڑ دیا ہے اور وہ سول ہپتال میں ہے تفصیل کا علم نہیں تھا!....

”بوٹل!.... بوٹل کا ہوش کس کو ہے مسٹر! دو گھنٹے سے نہیں ملی!.... لیکن!.... یاد اگر
آٹھویں گھنٹے پر بھی ہوش نہ آیا تو میں بھی اپنا سر پھاڑاں گا!....“

جو لیا اسے غصیلی نظروں سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ ”تم آخر کسی بات کا صحیح جواب کس تدبیر
سے دے گھوگے۔ پہلے وہی بتا دتا کہ مجھے آسمانی ہوا!“

جوزف کامنہ کھل گیا!.... اس نے جلدی جلدی پلکیں جھپکائیں۔ پھر ٹھنڈی سانس لے کر
بولا۔ ”میری عقل خط ہو گئی ہے مسٹر میں کیا تدبیر بتا سکوں گا!“

”وہ کیسے زخمی ہوا تھا؟“ جولیا نے زم لجھ میں پوچھا۔

”مزر پھٹا کیا!....“ جوزف نے کہا اور سوچ میں پڑ گیا! سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس سے کیا
تھا۔ جھوٹ بولے یا کچی بات کہدے۔ پھر اس نے دل ہی دل میں کہا۔ ”اے خدا جھوٹ تو بول
ٹھا کا ہوں لہذاب بچ بولنے میں کیا فائدہ۔ اس جھوٹ بولنے کی مزر ابھی ضرور ملتے گی!.... اگر تو
نے معاف کر دیا تھا تو یہ بھی معاف کر دے گا کوئی نیا جھوٹ بولنے نہیں جا رہا!...!“

”لے تم پھر خاموش ہو گئے!“ جولیا نے آنکھیں نکالیں۔

”اوہ!.... وہ!....“ جوزف چونک پڑا۔ ”وہ مسٹر دراصل بات یہ ہے کہ جو وہ!.... مزر پھٹا کیا

”ہاں وہ کہے گی کہ بس نے اسے چھیڑا تھا! اس سے عشق کرنا چاہتے تھے۔“

جو لیا نے اپنا ویٹی بیک کھول کر دس کا ایک نوٹ نکلا اور اس کی طرف بڑھاتی ہوئی بوی۔

”جاڑ پیلے دوڑ کرپی آؤ.... پھر بات کروں گی تم سے۔“

جوزف کے چہرے پر زلزلے کے آثار دکھائی دیئے اس نے اپنا پرس نکلا اور دس دس کے نئی نوٹ کھینچ کر اسے دکھاتا ہوا بڑھا نے لگا۔ ”میں بہت بڑے آدمی کاملازم ہوں میں... میری توہین نہ کرو.... میں چاہے مر جاؤں لیکن اس وقت تک یہاں سے نہ ہوں گا جب تک کہ بس کو ہوش نہ آجائے....“

پھر اس نے بڑے بے تکلفانہ انداز میں ایک لمبی سی جہاں لی۔

جو لیا کھیانی سی ہو کر دوسری طرف مژگی اور جوزف نے کہا۔ ”ان کم بخنوں نے مجھے بس کے پاس نہیں لکھنے دیا۔ آدھ گھنٹہ اور انتظار کروں گا کیونکہ آج جمعرات ہے۔“

”یا مطلب۔“ وہ پلٹ کر اسے گھوڑتی ہوئی بوی۔

”جمعرات کو سازھے چار بجے تک لڑائی بھڑائی سے دور رہنا چاہئے.... ورنہ سرکندوں کے سائب پھن کاڑھ کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔“

جو لیا بر اسامنہ بنائے ہوئے پھر پھانک کی طرف دیکھنے لگی۔

یک بیک اس نے ایک فائر کی آواز سنی اور پھر صدر را گیر سڑک پر دوڑتے نظر آئے۔ فائر کی آواز بھی زیادہ دور کی نہیں معلوم ہوئی تھی....!

O

فائر بائیں جانب سے ہوا تھا اور گولی چہرے سے صرف ایک بالٹ کے فاصلے سے گزرا گئی! کھلی چھت والی اسپورٹس کار کا ایک پہیہ فٹ پاٹھ پر جا پڑھا اور وہ قریب ہی کھڑے ہوئے ایک ٹھیک سے جائیں اور نہ الٹ جانے میں کوئی دقتہ باقی نہیں رہا تھا۔

صدر نے پورے بریک لگائے تھے پھر بولکھاہت کے عالم میں انہیں بند کرتے ہوئے فٹ پاٹھ پر پھانگ لگائی تھی اور منہ کے بل اس طرح گرا تھا کہ نانگیں گاڑی ہی سے الجھی رہ گئی تھیں۔

لوگ چاروں طرف سے دوڑ پڑے.... لیکن صدر ان کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی سنجل گیا۔ انہیں خاصی چوت آئی تھی لیکن اس حد تک نہیں کہ پیشانی ناہموار ہو کر رہ جاتی۔ مر ہم پڑیں

ہے تا... اس نے بانس کو چھیڑا تھا... کہنے لگی۔ تم نے میری... مر غنی چاہی بے... بار کو غصہ آگیا... انہوں نے کہا ذار لنگ...!“

”ذار لنگ!“

”اوہ.... ہوف! دیکھو متی دو گھنٹے سے نہیں.... دماغ میں کچھ نہیں آرہا۔ مطلب یہ کہ بس کو بھی غصہ آگیا۔ اس نے اسے برا بھلا کہا۔ اور اس حرافہ نے ان پر لو ہے کہ پانچ سے چھل کر دیا.... اخذ اتو دیکھ رہا ہے.... میں مجبور ہوں....!“

”بکواس مت کرو تم جھوٹے ہو۔“ جوزف گزرا گیا۔ ”چی بات بتاؤ!“

”اچھی بات ہے.... میں!“ جوزف نے طویل سانس لے کر کہا۔ ”جب وہ ہوش میں آ جائیں تو انہیں سے پوچھ لیں۔“

”کہاں ہے؟“

”وہ سامنے جزل وارڈ میں۔ بستر نمبر گیارہ!“ جوزف نے ایک جانب اشارہ کر کے کہا۔ جو لیا وارڈ میں آئی۔ عمران اب بھی یہو شپڑا تھا۔

اس کے چہرے پر بچوں کی سی موصومیت تھی۔ جو لیا غور سے دیکھتی رہی اور پھر یہکہ اس کا دل بھر آیا۔ تھلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر وہ دروازے کی طرف مڑی۔ ڈاکٹر کے کمرے میں آکر صدر کو فون کیا!

در اصل عمران کو لاوارٹوں کی طرح جزل وارڈ میں پڑے دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوئی تھی۔ ڈاکٹر کے کمرے سے وہ لان پر آگئی اور دینیں تھہر کر صدر کا انتظار کرنے لگی۔ جوزف تیزی سے اس کی جانب آیا۔

”ہوش آیا میں!“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

”نہیں۔“ جو لیا نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تم آخر بھی بات کیوں نہیں بتاتے....?“

”بس اب میں کچھ نہیں کہوں گا میں!“ جوزف نے بر اسامنہ بنا کر کہا۔ ”حوالات چل جاؤ اسی حرافہ سے پوچھ لو... وہ تمہارا دل خوش کر دے گی....“

”کیا بک رہے ہو؟“

کی نوبت نہیں آئی تھی۔ پنڈلیوں میں شاید معمولی خراشیں بھی تھیں۔
وہ کسی کی بات کا جواب دیئے بغیر گاڑی کو دھکیل کر اس کا ایک پہیہ فٹ پاٹھ سے نیچے
اتانے لگا۔ اتنے میں جو لیا بھی آپنی بیہاں سے سول اپستال قریب ہی تھا۔
”کیا ہوا۔ کیا ہوا۔“ اس نے بوکھلانے ہوئے انداز میں پوچھا۔

” صدر قہر آلو دلچھ میں دہاڑ۔“ آپ سے مطلب....؟“
اور جو لیا ششد رہ گئی۔ کئی راگبیروں کو صدر کے اس روایہ پر تاؤ آگیا۔
”آپ بڑے بد تمیز معلوم ہوتے ہیں جتاب!“ ایک نے کہا۔
”آپ سے مطلب؟“ صدر اس پر بھی الٹ پڑا۔

جو لیا آہستہ آہستہ پیچھے کھنے لگی۔ غالباً وہ سمجھ گئی تھی کہ صدر کسی وجہ سے شناسائی نہیں
ظاہر کرنا چاہتا۔ غیمت یہی تھا کہ دور تک کوئی ڈیوٹی کا نشیل نہیں دکھائی دے رہا تھا ورنہ صدر کو
تحانے کا منہ دیکھنا پڑتا۔
فائز کی طرف کسی نے بھی دھیان نہیں دیا تھا۔

”پتہ نہیں کیا آدمی ہے؟“ کئی آوازیں آئیں۔
لیکن صدر گاڑی میں بیٹھ کر دوبارہ انہیں اشارت کر چکا تھا۔

سول اپستال کے چھانک کے قریب اس نے اپنی گاڑی ریکشن اسٹریٹ میں موز دی اور
دوسری سڑک پر نکل آیا۔ جس عمارت سے بھی فائز ہوا ہوا اس کی اوپری منزل کے زینے ان
سڑک پر بھی ہو سکتے تھے۔ لیکن اسے زینوں سے کیا سروکار! وہ تو صرف اندازہ کرنا چاہتا تھا کہ
ان دیکھا حملہ کس عمارت سے ہوا ہوگا۔
ویسے غالباً یہ حادثت ہی تھی کہ وہ اب بھی انہیں اطراف میں موجود تھا! بھلا دوسرے میں
سے بھی حملہ آور کو کون روک سکتا ہے۔

گاڑی تیزی سے بڑھتی چلی گی.... پندرہ منت بعد وہ موڈل کالونی کے پیک نیلینفون بونگ
کے قریب رکا۔ آس پاس کوئی ایسی گاڑی نہ دکھائی دی جس کے متعلق سوچا جا سکتا کہ وہ اس
تعاقب کرتی ہوئی آئی ہوگی....!
بوٹھ میں آکر اس نے سارجنٹ نہماں کے نمبر رنگ کئے۔ دوسری طرف نہماں موجود تھا۔

”ہیلو۔ دیکھو! میں صدر بول رہا ہوں۔ معلوم کر دو کہ جو لیا نے مجھے سول اپستال میں کیوں بلایا
تھا؟ وہ شاید اس وقت بھی دیں ہے۔“
پھر سلسلہ مقطوع کر کے کیپین خاور سے رابطہ قائم کیا۔
”یہ اس خاور۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔
”میں صدر ہوں۔ مرغ روڑ پر کسی نے مجھ پر فائز کیا تھا! شاید پہیں منت پہلے کی بات ہے۔
شبہ ہے شاید بلڈنگ سے فائز ہوا تھا۔“
”زخمی تو نہیں ہوئے؟“
”نہیں بال بال بجاورنہ گولی کم از کم ناک کا صفائیا تو کر دیتی۔ میں ڈرائیور کر رہا تھا۔“
”تو پھر....؟“
”میرا خیال ہے کہ وہ آدمی ہو شیار ہو گیا ہے جس کی نگرانی ہم دونوں کر رہے تھے۔“
”کیا تم یقین سے کہہ سکو گے کہ ہم کتنے آدمیوں کی نگرانی کرتے رہے ہیں؟“
”شاردار بلڈنگ....؟“
”ٹھہردا!“ خاور نے دوسری طرف سے بات کاٹ دی۔ ”شاردار بلڈنگ میں متعدد فلک ہیں
اور ان میں مختلف کرایہ دار رہتے ہوں گے....!“
”پوری بات بھی تو سنبھال!“ صدر جھلا گیا۔ ”ہمیں اندر ہیرے میں کسی کامیابی کی تلاش تھی۔
یک بیک وہ آدمی سامنے آیا.... اور پھر اس کی عجیب و غریب حرکتوں کی وجہ سے ہمیں اس کے
لئے بڑے والوں کی بھی نگرانی کرنی پڑی۔ اب اس بلڈنگ کو بھی دیکھ لو شاید بیہاں بھی کوئی ایسا مل
جائے جو اس سے کسی قسم کا تعلق رکھتا ہو۔ یہ میرا اندازہ ہے.... ورنہ یہ بھی ممکن ہے کہ اس
وقت دالے فائز کا اس سے کوئی تعلق نہ ہو۔“
”اچھا بھی....“ خاور کے لبھے میں اکتھت تھی۔
” صدر سلسلہ مقطوع کر کے بوٹھ سے باہر آگیا۔
کچھ دیر بعد وہ اپنے بنگلے میں سارجنٹ نہماں سے فون پر دوبارہ گفتگو کر رہا تھا۔
”یہ جر تکلیف دہ بھی ہے اور مفعکہ خیز بھی!“ صدر نے ٹھندی سانس لے کر کہا۔
”ہوش آگیا ہے.... لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ انداھا ہو گیا ہو! ذاکڑوں کا خیال ہے

چھٹیے پائے۔

”ارے انہیں ہوش ہی کہاں ہے؟“

”پہلے کب رہا ہے؟“ رحمان صاحب کی آواز بلند ہو گئی وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتے تھے لیکن بھر فاموش ہی رہے۔

شیا بھی سر جھکائے ہوئے اٹھی اور باہر نکل گئی... اس نے رحمان صاحب کے چہرے پر کرب کے آثار نہیں دیکھتے تھے... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خود پر قابو پانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ شیا کے باہر جاتے ہی ان کی آنکھیں مغموم نظر آنے لگیں... اور انہوں نے فون کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

”بیلو ڈی۔ ایس۔ پی ٹی... اٹ از رحمان! آپ نے مجھے کچھ دیر پہلے عمران کے متعلق اطلاع دی تھی۔“

”جی ہاں جناب! وہ ہوش میں تو ہیں لیکن ہوش کی باتیں نہیں کر رہے....!“ اکثر کاشیاں ہے کہ چوتھا اثر بینائی پر نہیں پڑا... وہ کیفیت و قیمت تھی... البتہ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آئندہ ان کی ذہنی حالت کیا ہو گی اور وہ عورت تو بکواس کرتی ہے جناب! اعرصہ سے پولیس کی لست پر ہے۔“
”اسے عدالت پر چھوڑ دیئے...“ رحمان صاحب نے براسمنہ بناؤ کر کہا۔ ”فی الحال میں یہ چاہتا ہوں کہ اسے ہپتال سے گھر لایا جائے۔“

”بہت بہتر جناب۔“

”مُکرِّیہ۔“ رحمان صاحب نے سلسہ منقطع کر دیا۔

○
صغر نے فلٹ ہیئت کا گوشہ چہرے پر جھکا کر اور کوٹ کے کارکھڑے کئے اور گلی میں داخل ہو گیا... پیروں میں کرب سول جوتے تھے اس لیے وہ بے آواز چل رہا تھا... گلی سنان پڑی تھی! لیکن سے اندر ہرے میں وہ صرف ایک دھنڈی کی پر چھائیں معلوم ہو رہا تھا۔
یک بیک ایک جگہ وہ رکا... چند لمحے بے حس و حرکت کھڑا رہا شاید باتیں جانب والے دروازے کی طرف متوجہ تھا... پھر آگے گز بڑھا اور اسی دروازے پر ہو لے ہو لے دشک دی۔
”کون ہے؟“ اندر سے کراہتی ہوئی سی آواز آئی... بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کسی او نگھتے

کہ حالت بہتر نہیں... اگر وہ اندر ہانہ ہو تو پاگل ضرور ہو جائے گا۔“

”کیا مطلب؟“

”فی الحال نہ تو وہ ہوش کی باتیں کر رہا ہے... اور نہ دیکھے ہی سکتا ہے...!“

O

ملکہ سراجِ سانی کے ڈائریکٹر جزل رحمان صاحب مضربرانہ انداز میں اپنی بیٹی شیا کی طرز مڑے... جو دیرے سے بیٹھی سک رہی تھی۔

”تو پھر بتاؤ... میں کیا کروں!“ انہوں نے تھکی ہوئی سی آواز میں پوچھا۔

”یہ آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں ڈیڈی!“ شیا بدستور سکیاں لیتی ہوئی بولی۔ ”لماں بی غش پر غش آرہے ہیں....“

”مجھ سے کیا چاہتی ہو؟ یہ بتاؤ۔“ رحمان صاحب جھنجھلا گئے۔

”تو کیا بھائی جان اسی طرح لاوارٹوں کی طرح جزل وارڈ میں پڑے رہیں گے۔!“

”نہیں۔ کوئی عورت ہے... جولیاں فڑواڑ۔ اس نے اسے پرائیوٹ وارڈ میں منتقل کرایا ہے۔“ رحمان صاحب نے ہونٹوں میں تغیر آمیز کھنپا و بیدا کر کے کہا۔ ”اور وہ حصی بدمعاش اک کو ڈیکھاں کر رہا ہے۔“

”تواب وہ انہیں لوگوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیئے جائیں گے؟“ شیا کے لمحے میں بھی کچھ تحریکی آگئی... اور رحمان صاحب نے اسے گھور کر دیکھا... مگر شیا تواب بھی سر جھکائے بیٹھا تھی۔

”گھر میں کون تھا جو کبھی رحمان صاحب سے آنکھیں ملا کر بھی گفتگو کر سکتا...!“ دیکھو۔“ رحمان صاحب نے تیز لمحے میں کہا۔ ”جو تم لوگ کرنا چاہو کرو، لیکن مجھے اور زیادا الجھنوں میں جلتا کرنے کی ضرورت نہیں... یہ بھی جانتی ہو کہ وہ اس حال کو کیسے پہنچا؟“

”میں کچھ نہیں جانتی ڈیڈی۔ مجھے تو سر سلطان کی بیوی پہنچوں پر اطلاع دی تھی۔“

”اس نے ایک بدنام عورت کو چھیڑا تھا۔ یہ اسی عورت کا بیان ہے۔“

”میں کچھ نہیں جانتی ڈیڈی۔ انہیں بیہاں لااؤں گی۔ اگر نہ لاسکی تو پھر...“

”بس...“ رحمان صاحب ہاتھ اٹھا کر بولے۔ ”میں کہہ چکا ہوں جو دل چاہے کرو اور سا... مہمان خانے میں مہمان بھی موجود ہیں... ان کا کاشیاں رکھنا... بیہاں کوئی بے ہو گی:“

ہوئے مریض کے لیے وہ دستک تکلیف وہ ثابت ہوئی ہو!

"قارون۔" صدر نے جواب دیا۔۔۔ دروازہ کھل گیا۔۔۔ لیکن دروازہ کھولنے والا اٹھی میں تھا۔ اندر کیرہ سین لیپ کی دھنڈی کی روشنی نظر آئی۔ غالباً یہ مختصر را بادری تھی کیونکہ سامنے ہی ایک بند دروازہ اور بھی نظر آ رہا تھا۔۔۔ صدر کسی بچکچاٹ کے بغیر اندر داخل ہو گیا۔ دروازہ کھولنے والا اب بھی سامنے نہ آیا۔ صدر نے سامنے والے دروازے کارخ کر کے کہا۔ "مادام چنگ شی....!"

"تشریف لیجائے جتاب۔" دروازے کی اوٹ سے بھرائی ہوئی ہی آواز آئی۔

صدر نے آگے بڑھ کر بند دروازے کو دھکایا۔ کمرہ خالی تھا! مگر وہاں نظر آنے والی متعدد میزوں کی سنتاں سے یہی ظاہر ہوتا تھا جیسے وہاں کئی ٹولیاں بیٹھ کر کسی قسم کا شغل کرتی ہوں۔

ہر ہنپت پر ایک گھنٹی بھی موجود تھی۔ لیکن میزوں کے گرد معمولی کرسیوں کی بجائے آرام کر سیاں تھیں! صدر نے آرام کری پر ڈھیر ہوتے ہوئے اپنی فٹ بیٹ اتاری اور فرش پر ڈال دی۔ اور کوٹ کے کالگرادری سے وہ میک اپ میں تھا۔۔۔ بھنڈے پھرے والا ایک بے ہاتم آدمی آنکھیں خصوصیت سے نشہ بازوں کی سی تھیں۔

اس نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی جس کی آواز کرے میں دیر تک جھنگل پیدا کرتی رہی۔ پھر وہ غصیلے انداز میں گھنٹی پر ہاتھ مارتا ہی چلا گیا۔

آخر ایک پتہ قد بوڑھی عورت پنگلماڑتی ہوئی کرے میں داخل ہوئی۔۔۔!

نسل چنی معلوم ہوتی تھی۔ فربہ اندام تھی عمر پچاس کے قریب رہی ہو گئی لیکن چہرے پر چنانہت تھی۔ اس نے پھاڑ کھانے والا لبج اغتیار کرتے ہوئے انگریزی میں کہا۔ "تم لوگ آخر اتنے بے صبر کیوں ہو جاتے ہو....!"

صدر سید ہماں... احتراما جھکا۔ پھر باہمیں آنکھ دبا کر بولا۔ اے مکھن کے پہاڑ.... تجھ پر تو صرف سر میلے نئے ہی گونجے چاہیں... پھر وہن کے لاحکنے کی آواز بھلی نہیں معلوم ہوتی۔۔۔!

"مت چھیرا کرو تم لوگ۔" وہ غصیلے انداز میں بھنگی اور پھر دروازے کی طرف مڑ گئی۔

صدر نے اور کوٹ بھی اتار کر فرش ہی پر ڈال دیا اور آرام کرنی کی پشت سے نلتے ہوئے

ایک طویل انگرائی لی۔

کچھ دیر بعد بڑھا ہاٹھوں میں چینی کی دو پلٹیں سنبھالے ہوئے کرے میں آئی اور انہیں صدر کی میز پر رکھتی ہوئی ہوئی۔ "تم ابھی حال ہی میں آنے لگے ہو! مجھے ہے تمیز سے پیش آیا کرو۔۔۔ سمجھے۔۔۔ ورنہ کسی دن کھانتے کھانتے مر جاؤ گے۔۔۔ پھر ہم معلوم ہونے لگیں گے۔۔۔ میرا نام چنگ شی ہے۔۔۔ سمجھ گئے تا۔۔۔!"

"تمہیں دیکھ کر نہ جانے کیوں دل میں گد گدیاں ہی ہوتی ہیں۔" صدر نے خندی سانس لے کر سنجیدگی سے کہا۔

"بکوانس مت کرو۔ ذرا اپنی صورت تود یکھو۔" وہ پھوہڑپن سے فٹی۔ "پہلے کبھی نہ دیکھی ہو تو میں چاندی کے طشت میں گد ہمی کا پیشاب لاؤں۔"

"مادام چنگ شی! صدر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ اس کی آنکھوں میں غم جھاکنے لگا تھا۔" "میں آنکھ تھا! احترام کروں گا! لیکن خدارا اب میری بد صورتی کا مظکعہ مت ازاں۔۔۔!"

"ہا۔۔۔ بوڑھی نے تھوہڑہ لگایا۔" بڑا نام گئے تا آخر۔۔۔ اسی لیے تو کہتی ہوں کہ دوسروں کی غنی کبھی نہ اڑا کیوں نکلے خود تم میں ہزاروں عیوب موجود ہیں۔"

صدر نے سر جھکایا۔۔۔ اور وہ ہنپت ہنگے پن بے نہتی ہوئی پھر کرے سے چل گئی۔

اب وہ ان دونوں پلٹیوں کی طرف متوجہ ہوا۔ ایک پلٹی میں سیاہ رنگ کی چھوٹی چھوٹی متعدد گولیاں رکھی ہوئی تھیں۔۔۔ اور دوسری پلٹی میں شیشے کا اسپرٹ لیپ کا مٹھا! دیساں سلاخیوں کی ایک ذیبیہ رکھی ہوئی تھی اور بانس کی دو تین پتلی ٹیلیاں بھی۔

صدر نے کوٹ کی جیب سے ایک پاپ نکال کر میز پر ڈال دیا۔ چند لمحے پھر سوچتا رہا پھر ایک گولی انداز کا پاپ کے سوراخ پر رکھی۔۔۔ وہاب بھی کچھ سوچ رہا تھا۔

پاپ پھر میز پر رکھ کر اسپرٹ لیپ روشن کیا اور بانس کی تیلی کا ایک سر اس کی او سے لگائے بیٹھا رہا۔۔۔ تیل جل اٹھی! پھر وہ اس وقت تک منتظر رہا جب تک کہ تیلی کا سر اپنگاری نہیں بن گیا۔

پاپ ہونتوں میں دبکر اس نے تیل کا جلتا ہوا سر اگولی پر رکھا۔۔۔ اور اس زور کا کش لگایا کہ گولی چشم زدن میں چنگاری بھی نہیں اور راکھ بھی ہو گئی۔ اب کثیف دھو میں کابوبل صدر کے دہانے

”نماچ لھے کی گیس کھلی چھوڑ گئی تھی..... آہستہ آہستہ کروں میں گیس بھرتی رہی اور وہ سب بے خر پڑے سوتے رہے.... دوسری صبح پڑو سیوں نے آٹھ لاٹوں کے درمیان ایک نوزاںیدہ بیچ کو بلکتے دیکھا تھا۔“

صدر خاموش ہو گیا پھر زبردی سی بھی کے ساتھ بولا۔ ”وہ بچہ ان لاٹوں پر نہیں رویا تھا۔ اسے بھوک لگی تھی..... یہ میری شروع سے لے کر آج تک کی کہانی ہے۔ میرے گرو آج بھی لاٹوں کے انبار ہیں اور میں روئے جا رہا ہوں... بھوک سے بلک رہا ہوں۔ یونہی بلکتا رہوں گا۔“

”تم کہانیاں تو نہیں لکھتے؟“ چنگ شی نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔ ”میں خود ہی ایک کہانی ہوں جسے وقت لکھ رہا ہے... ایک دن یہ کہانی بھی ختم ہو جائے گی.... لیکن بھوک....“

”میں بھتی ہوں.... بھتی ہوں۔“ اس نے بڑے پیار سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”تم بہت بھروسہ عورت ہو چنگ شی!“ صدر نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”لیکن تم میرا دکھ نہیں بنا سکو گی۔“

”کوئی کسی کا دکھ درد نہیں بنا سکتا اچھے آدمی....!“ ”اس لیے.... مجھے میرے حال پر چھوڑ دو....“ تم پہلی عورت ہو جس نے آج میری کہانی پوچھی تھی۔“

”تم کہاں رہتے ہو؟“

”جہاں کھانے کوں جائے۔“ صدر آرام کری کی پشت گاہ سے نکلا ہوا بولا۔ وہ پھر اسے گھونرنے لگی۔

”تم نے ساری گولیاں لگائی تھیں؟“ کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔ ”ہاں.... کیوں؟“

”لیکن تم نے میں تو نہیں معلوم ہوتے۔“

”میری طبیعت خراب ہے چنگ شی!“ ورنہ تمہیں کم از کم آٹھ بار اتنی ہی گولیاں اور لافی پڑھنے کیسی جاکر نہ ہوتا۔“

”تم شاید اس وقت بھی بھوکے ہو۔“ چنگ شی خواخواہ نہ پڑی۔

سے آزاد ہو کر کمرے کی فضائی تخلیل ہو رہا تھا۔ اس نے دوسری گولی اٹھائی.... لیکن وہ گولی اس کی جیب میں گئی تھی....!

اسی طرح اس نے زیادہ تر گولیاں جیب ہی میں پہنچائی تھیں۔ شاید تمنے یا چار استعمال کر رہا تھا۔ لیکن اس پر بھی یہ حال تھا جیسے سر کے بل کھڑا ہو گیا ہو۔ کرہ تیزی سے ناچتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ پاپ میز پر پھیک کر اس نے تیلی کا جلتا ہوا سر اپلیٹ میں رگڑ دیا اور اسپرٹ لیسپ بجھا کر کری کی پشت سے نکل گیا۔ آنکھیں بند کر لیں۔

کچھ دیر بعد چنگ شی پھر اندر آئی اور اسے مخاطب کیے بغیر پلٹیں سنبالنے لگی۔ لیکن وہ اس غور سے دیکھ رہی تھی۔

”اور چاہئے۔“ اس نے بالآخر پوچھا۔

”نہیں شکریہ۔“ صدر نے آنکھیں کھولے بغیر جواب دیا۔ ”صحی سے میری طبیعت نہیں نہیں ہے۔“

”میری طرف سے تمہارا دل صاف ہو گیا ہے نا؟“ وہ پلٹیں ایک طرف سر کا کرسانے والی کری پر پہنچتی ہوئی بولی۔

”میں دل کا برائیں ہوں مادام چنگ شی!“ صدر نے اب بھی آنکھیں کھولے بغیر ہی جواب دیا۔

”مجھے اپنے متعلق بتاؤ۔“ میں نے اکثر محسوس کیا ہے کہ تم بنتے ہستے اداں ہو جاتے ہو۔“

”میری بھی“ صدر نے ٹھنڈی سانس لے کر آنکھیں کھول دیں اور سیدھا بیٹھتا ہوا مغموم لجھ میں بولا۔ ”میری بھی بھی کراہ ہے... مادام....“

”آخر کیوں؟“

”کچھ نہیں! میں ایک بد نصیب تھا آدمی ہوں.... اداسی میرا اوڑھنا پچھوتا ہے جب اداس نہیں ہو تاہب بھی اداس ہی رہنے کو دل چاہتا ہے....!“

”کوئی گہر اصد مہ؟“

”میرا وجود بجائے خود ایک گہر اصد مہ ہے.... چنگ شی! جس رات میں پیدا ہوا تھا میرا سارا کنہہ گیس کا شکار ہو گیا تھا.... پتہ نہیں میں کیسے فتح گیا۔“

”اوہ۔ اوہ“ چنگ شی میز پر کہیاں نیک کر آگے جھک آئی۔

”اور اس وقت بھی رورہا ہوں۔“ صدر نے پچھلی سی مکارہٹ کیا تھا کہا...!
”ٹھہرہ! میں تمہارے لیے کچھ لے آؤں...“ وہ اٹھتی ہوئی بولی اور پھر اسی دروازے میں
غائب ہو گئی جس سے اب تک آتی جاتی رہی تھی۔

O
کیپشن خاور نے فون پر داش منزل کے نمبر رنگ کئے۔ ان دونوں ایکس ٹو سے صرف دین
گفتگو کی جاسکتی تھی۔ وجہ یہ تھی کہ بلیک زیر وزیادہ تروہیں رہتا تھا اور عموماً وہی خود کو ایکس نو پوز کر
کے سیکرٹ سروس کے ممبروں کی کالینیں ریسیو کرتا تھا اور اس کے بعد ان کے پیغامات عمران تک
پہنچا دیتا تھا۔

”لیں...!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔
”ایش اخادر سر۔ روپورٹ...!“
”کہتے چلو...!“

”عمران اپنے گھر پہنچ گیا ہے۔ لیکن اس کی ذہنی حالت بہتر نہیں۔ پہلے شبہ ہوا تھا کہ انہما
بھی ہو گیا ہے...!“

”بری خبر ہے۔ ایک کام کا آدمی ہاتھ سے جاتا رہا۔ خیر۔ دوسری روپورٹ!“
”صدر پر شاردا بلڈنگ ہی سے فائر ہوا تھا۔ آس پاس کے لوگوں نے فائر کی آواز سنی
تھی۔ ... لیکن کسی کو فائر کرتے نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ وہاں کوئی ایسا آدمی بھی نہیں مل سکا جو پہلے
کبھی کبڑے کے ساتھ دیکھا گیا ہو۔“

”صدر کہاں ہے...؟“
”محمّم علم نہیں۔“

”اچھا دیکھو...!“ دوسری طرف سے کہا گیا۔ ”اب تم لوگ صدر سے دور ہی رہو گے!
میرا خیال ہے کہ کبڑے کو اس غرائبی کا علم ہو گیا ہے.... اور صرف صدر ہی اس کی نظر میں آتا
ہے.... لہذا تم سب مختار ہو۔“

”بہت بہتر جتاب!“ خاور نے سر ہلا کر کہا۔ ”میں سب کو مطلع کر دوں گا...!“
”اور کچھ...!“ دوسری طرف سے پوچھا گیا۔

”نہیں جتاب....!“ دوسری طرف سے سلسلہ منقطع کر دیا گیا....!

O
جوزف کسی پا تو کتے ہی کی طرح رحمان صاحب کی کوئی بھی پر بھی آپنچا تھا۔ رحمان صاحب
نے اسے دیکھا اور نفرت سے ہونٹ سکوڑ لیے پھر انہوں نے اپنے سیکرٹری کو بدایت کر دی کہ وہ
اے دہاں سے ٹال دے کہ عمران کے اقامتی فلیٹ ہی میں اس کی صحت یا یہ کا مختصر رہے۔
”نہیں مسٹر.... یہ نامکن ہے۔“ جوزف نے سیکرٹری سے کہا۔ ”ادھر کی دنیا اُدھر ہو
جائے لیکن میں باس کو یہاں نہیں چھوڑ سکتا۔“

”تمہیں جانا پڑے گا۔“ سیکرٹری کا لمحہ غصیلا تھا۔

”باس کے فادر سے کہنا کہ مجھے گولی مار دیں۔ میں تو نہیں جاؤں گا۔“

”کیا کبواس کر رہے ہو۔ مسٹر عمران تو تمہیں پہچان بھی نہیں سکے تھے۔“

”پرواہ نہیں! اتنا ہی کافی ہے کہ میں انہیں اچھی طرح پہچانتا ہوں۔“

”اچھا تو پھر اب تم بھی جیل ہی جاؤ گے۔“ سیکرٹری نے غصیلے لمحے میں کہا اور دوسری
طرف چلا گیا۔

پھر جوزف نے عمران کے کمرے تک پہنچنے کی کوشش کی تھی لیکن تاکام رہا تھا۔

سیکرٹری کا یہ بیان قطعی درست تھا کہ عمران جوزف کو پہچان نہیں سکتا تھا۔ پہچانا تو الگ رہا
وہاں کے قرب ہی سے وحشت زدہ نظر آنے لگا تھا۔ اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی جن ماری تھی¹
اور ”بہوت بھوت“ چلانے لگا تھا۔

لیکن جوزف نے دانت نکال دیئے تھے اور نہ کر بولا تھا۔ ”ارے باس ارے باس۔ چلو
بھوت ہی سکی.... خدا کا شکر ہے کہ تمہیں ہوش تو آیا۔“

عمران نے کسی کو بھی نہ پہچانا۔ ثریا کو اس طرح دیکھتا رہا جیسے پہلی بار نظر آئی ہو! پھر اپنی
کوئی بھی کپڑا نہیں داخل ہوتے وقت کچھ بڑو بنا شروع کر دیا تھا۔ الفاظ کسی کی بھی سمجھ میں نہیں
آئے تھے۔

مال کی حالت اور زیادہ ابتر نظر آنے لگی جب انہوں نے ساکر اب تک مجھے عمران کا دماغ چل گیا
ہے۔ پچھاں لوبہنوں کے چہرے دھواں ہو رہے تھے۔ عمران نے ان سے بھی شناسائی نہ ظاہر کی۔

رحمن صاحب تو قریب ہی نہیں آئے تھے۔ دوسروں سے اس کی کیفیت معلوم کرنی تھی۔ پھر شہر کے بڑے ڈاکٹر طلب کر لیے گئے... اور انہوں نے متفق طور پر رحمان صاحب کو اطینان دلایا کہ ہمیشہ کے لیے ماغ ماڈ ف نہیں ہو سکتا۔ وقتی کیفیت ہے لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کب تک برقرار رہے گی۔

رات گئے رحمان صاحب کو معلوم ہوا کہ جوزف چھائک پر دھرنا دیئے میٹھا ہے۔ بالآخر نہیں اس پر رحم آتی گیا کیونکہ وہ ایک انجینئر سر درات تھی۔

اسے اندر آنے اور شاگرد پیشے میں کہیں پڑ رہنے کی اجازت مل گئی۔ لیکن دوسرا ملزام اس کی وجہ سے رات بھرنہ سوکے... کیونکہ ہر دس منٹ کے بعد کبھی تو وہ آسمانی باپ کو پکارنے لگتا اور کبھی افریقی دیوتاؤں کو آوازیں دینے لگتا۔ شراب بھی نہ لی تھی اور عمران کے لیے تو خیر پہلے ہی سے پریشان تھا۔ پھر ایسے میں اس کا ذہن قلابازیاں کیوں نہ کھاتا۔

دوسری صبح عمران کسی تحریک زدہ بچے کے سے انداز میں لان پر نکل آیا۔ آنکھیں بھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھتا پھر رہا تھا۔ شریا اور پچاڑا بہنیں بھی ساتھ تھیں۔ شریا جو پہلے کبھی عمران نے سیدھے منہ بات بھی نہیں کرتی تھی اس طرح ساتھ لگی پھر رہی تھی جیسے وہ کسی اجنبی دلیں کا شنزراہہ ہو اور کچھ دنوں کے لیے ان کا مہمان بننا قبول کر لیا ہو۔

”اف... فو!“ یک بیک وہ چلتے چلتے رک گیا اور آنکھیں بند کر کے اس طرح اپنی پیشانی رکڑ نے لگا جیسے کوئی بھولی ہوئی بات یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔ لا کیاں بھی اسے گھرے میں لیتی ہوئی رکیں۔

”یہ... یہ...“ عمران ہکلایا۔ ”مجھے ایسا محروس ہوتا ہے.... جیسے میں نے یہ عمارت اکثر خواب میں بھی دیکھی ہوا!“

”ہاں... ہو سکتا ہے...“ شریانے کہا۔ ”چلے میں آپ کو اپنے نئے پرندے دکھاؤ۔“

”چلے...“ عمران نے بے بھی سے پلکیں چھپکائیں۔ جوزف نے دور سے انہیں دیکھا اور سرپٹ دوڑتا ہوا تیر کی طرح اوہر ہی چلا آیا لڑکیوں کو اس نے بڑے ادب سے سلام کر کے دعا میں دیں.... اور عمران نے بولا۔ ”باس میں کتنا خوش ہوں کہ تم آخر اپنے گھر پہنچ ہی گئے۔“

”اپنے گھر...!“ عمران تحریک اندماز میں ثیا کی طرف دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔ ”یہ کون ہے صورت سے نیگر و معلوم ہوتا ہے؟“

”میا آپ اسے بھی نہیں پہچان سکتے؟“ نجمر بول پڑی۔

”نہیں محترمہ۔ میں کیا جانوں... آپ لوگ مجھے پاگل کیے دے رہی ہیں۔“ وہ پھر آنکھیں بند کر کے پیشانی سنتے لگا۔

”یا خدا۔“ جوزف بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”مجھے پاگل کتا بنا دے۔ مگر باس کو اچھا کر دے!“

”جاو۔ تم جاو۔... بیباں سے!“ شریانے جوزف سے کہا۔

”اچھا میں!“ جوزف نے ٹھنڈی سانس لی۔ ... اور لڑکھراتے ہوئے قدموں سے شاگرد پیشہ کی طرف بڑھ گیا۔

O

ٹھیک اسی وقت صدر ایک بیک ٹیلیفون بو تھے سے بلکہ زیر و کو اپنی رپورٹ دے رہا تھا۔ ”جی ہاں! میرا خیال ہے کہ کبزرے نے مجھے بحیثیت صدر مشتبہ سمجھنا شروع کر دیا ہے!“

”بحیثیت صدر؟“ دوسری طرف سے استفہامیہ اندماز میں کہا گیا۔

”جی ہاں! میری دوسری حیثیت.... موبی کی ہے! چنگٹھی کے اڑے پر.... مجھے یقین ہے کہ میں ابھی تک اس میک اپ میں نہیں پہچانا جاسکا۔“

”اس غلط فہمی میں نہ پڑتا۔“ دوسری طرف سے بلکہ زیر و کی آواز آئی۔ ”تم ہر حیثیت میں پہچان لیے گئے ہو! البتہ اس سے پوری طرح متفق ہوں کہ تمہارے دوسرا ساتھی ابھی تک اس کی نظروں میں نہیں آئے.... جو لیا سے بے تعقی ظاہر کر کے تم نے ٹھنڈی کاشوت دیا تھا۔ کبڑا جب بھی چاہے تمہیں ختم کر اسکتا ہے۔ اس وقت تم کہاں سے بول رہے ہو؟“

”کوئی نہیں روڑ کے چورا ہے والے بو تھے۔“

”میک اپ میں ہو؟“

”جنی ہاں۔“

”ذرا بامہر نکل کر دیکھو۔ پھر آدھ گھنٹے بعد مجھے دوبارہ رنگ کر دا۔“

صدر سملہ مقطع کر کے باہر آگیا۔ سڑک کے دوسرے کنارے پر سامنے ہی ایک جانی

ہوں کہ اس گھری میں چس ہے۔ انپکٹر صاحب بننے اور فرمایا کہ کیوں گھس رہے ہو.... کہڑا ہے بے چارہ.... صدر کہنے لگا یہ تو کمال ہے.... ابھی پچھلے ہی دنوں ریکشن کے تھانے والوں نے ایک ایسے ہی کہڑے کو پکڑا تھا۔ اس کجھت نے کوٹ پین رکھا تھا۔ یہ کہنا محال تھا کہ وہ کو بڑ نہیں ہے لیکن یقین کرو کہ کوٹ کے نیچے سے کوڑ نما گھری برآمد ہوئی تھی.... بہر حال انپکٹر صاحب اس کے فقروں میں آہی گئے.... پھر انہوں آگے بڑھ کر اس زور کا ہاتھ مارا تھا اس گھری پر کہ کہڑے کی آنکھوں میں تارے ہی ناج گئے ہوں گے۔ وہ بڑی طرح جلا کر پلانا تھا۔ انپکٹر صاحب نے کڑک کر فرمایا اس گھری میں کیا ہے اور کہڑا لڑنے مرنے پر آمادہ نظر آنے لگا۔ کمل ایک طرف پچھی کا اور خم ٹھوک کر کھڑا ہو گیا۔ تب یہ بات صدر کی سمجھ میں آئی کہ ہر کمل کے نیچے گھری نہیں ہوا کرتی پھر صدر سے حمact یہ سرزو ہوئی کہ خود بھی نیچے بچاؤ کرانے والوں میں شامل ہو گیا۔ غالباً وہیں سے کہڑا اس کا صورت آشنا ہوا تھا۔ پھر جب صدر نے اس کی گمراہی شروع کی اور بار بار اس کے آس پاس دیکھا گیا تو اسے بھی شبہ ہو گیا.... ایکس ٹو کا نیال ہے کہ میں اس کی نظر میں نہیں آسکا۔

”آخر یہ کس نتاپ کہا جا سکتا ہے کہ وہ تم سے بے خبر ہے؟“ جو لیا بولی۔

”میں آج تک نہیں محسوس کر سکا کہ میرا بھی تعاقب کیا جاتا ہو۔ جب کہ صدر کی گمراہی قدم قدم پر ہو رہی ہے۔ بہر حال اس وقت میں ایکس ٹو کا یہ حکم سنانے آیا تھا کہ بیچہ مجرم صدر سے دور ہی رہیں اور صدر خود بھی بھی چاہتا ہے.... شاید وہ مرنی روڑ پر تم سے اچھی طرح پیش نہیں آیا تھا۔“

”میں سمجھ گئی تھی کہ وہ کسی وجہ سے شناسائی نہیں ظاہر کرنا چاہتا....!
”ٹھیک ہے۔“

”گر سون تو.... آخر یہ کہڑا ہے کون؟“

”ایکس ٹو کے علاوہ شاید ہی کسی کو علم ہو.... ہم نہیں جانتے کہ اس کی گمراہی کیوں کر رہے ہیں یا ایکس ٹو کو اس کی تلاش کیوں تھی؟“

”صدر کی گمراہی اب بھی ہو رہی ہے؟“

”ہر وقت.... ہر جگہ.... کوئی نہ کوئی سائے کی طرح ساتھ لگا رہتا ہے۔“

پہچانی شکل نظر آئی اور اسے اپنے چیف آفسر کے خیال سے متفق ہو نا پڑ۔ کچھ دور پل کر دہ ایک کینے میں داخل ہوا۔ تھوڑی دیر بعد وہ جانی پہچانی صورت ہیں، موجود تھی۔ صدر نے ایک طویل سانس لی.... تو یہ بات ہے.... کسی وقت بھی اسے نہیں سے او جھل نہیں ہونے دیا جاتا.... مگر کہڑا...؟

O

”کہڑا.... ایک حرث اگزیز آدمی ہے!“ کیپٹن خاور نے جو لیا کی آنکھوں میں، لیکھتے ہو کہا۔ ”ایک ماہ پہلے کی بات ہے ایکس ٹو نے مجھے اور صدر کو اس کی تلاش پر مامور کیا تھا۔ یہ تلاش بڑی مصکحہ خیز ثابت ہوئی تھی۔“

”کیوں....“

”ارے اتنے بڑے شہر میں کسی کہڑے کو تلاش کرنا تھا۔ کتنی جگہ تو پہ جانے تک کی نوبت گئی تھی۔ ان دنوں صدر بھی عمران ہی کی طرح سنک گیا تھا ایک دن اس نے ایک کہڑے کا تعاقب کیا جو گرم چادر میں لپٹا ہوا تیزی سے راستے طے کر رہا تھا۔ تقریباً تین میل صدر پیدل گھنٹاہارا اور پھر اس کا یہانہ ہے کہ منزل مقصد پر پہنچ کر وہ کوڑا اس کی پشت سے الگ ہو کیا تھا۔“

”کیا مطلب۔“

”اس گدھے نے پہنچ پر ایک وزنی گھری اخہار کھی تھی اور اسے چھپانے کے لیے اپر ایک خوش رنگ اونی چادر لپیٹ لی تھی۔ بہر حال اس دن وہ بڑی طرح جلا گیا تھا۔ پھر ایک شاخ واقع سنو! اتفاقاً وہی کہڑا سامنے آگیا جس کی تلاش تھی۔“

”ٹھہر دو.... کیا اس سے پہلے کوئی کہڑا نہیں ملا تھا؟“

”در جھوں ملے تھے.... لیکن ہمیں کوڑا کے ساتھ ہی باسیں گال پر ابھرے ہوئے ایک کی بھی تلاش تھی۔ بہر حال اس شام ایک ایسا ہی کہڑا کیا جس کے باسیں گال پر بہت ہی نہلا قسم کا تھا.... یہ ریلوے اسٹیشن کا واقعہ ہے۔ صدر بغرض تفریخ اور اتفاقاً ہی جانکھا تھا، نہیں تھا۔ اس کے ساتھ ایک ایکسائز انپکٹر بھی تھا۔ صدر نے کہڑے کو دیکھا اور ایک بار پھر گیا.... کیونکہ اس ڈفرنے کیل اور ڈھر کھا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کرے... سوجھ ہی تو گئی اور اس نے ایکسائز انپکٹر صاحب کو پانی پڑھا دیا۔ کہنے لگا کہ میں شرط لگانے کو

”اگر وہ حملہ اسی پر ہوا تھا..... تو....“ جو لیا جملہ پورا کیے بغیر کسی سوچ میں پڑ گئی۔

”ٹھہرو..... حملہ حقیقتاً اس لیے نہیں ہوا تھا کہ وہ مر جائے..... بات دراصل یہ ہے کہ انہوں نے اس پر نظر رکھی تھی۔ یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ اس کا تعلق کس سے ہے لیکن اتفاق سے انہیں بایوسی، ہی ہوئی..... اور وہ اس حرکت پر اتر آئے۔ مقصد یہ ہے کہ اس تسلی کی بنا پر، دوسرے لوگ بھی کھل کر سامنے آ جائیں جو صدر کی پشت پر ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔ ایسی صورت میں اس کا زندہ رہنا محال ہو تا جب کہ ہر وقت مگر انی ہوتی ہے۔“ خاور سگر یہ سلگانے لگا اور جو لیا نے عمر ان کا تذکرہ پھیڑ دیا۔

”میرا خیال ہے کہ ایکس ٹونے کی بڑے کے سلسلے میں اس سے کوئی کام نہیں لیا۔“ خاور بولا۔ ”مگر ہوچو تو یہ کتنا مصکلہ خیز حداثہ ہے۔ الغانی کا سردھڑ سے الگ کرنے والا، مکار نسی کو لکارنے والا، بونا کو پچھاڑنے والا.... اس طرح ایک سڑی سی عورت سے مار کھا گیا۔ خداکی پناہ.... سوچتی ہوں تو روئکٹ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آدمی کتنا بے دقت جانور ہے۔ اف فوہ.... تم نے اسے جزل و ارڈ میں لاوارٹوں کی طرح پڑے ہوئے نہیں دیکھا۔“

”غالب احمد صاحب اسے گھر لے گئے ہیں۔“

”ہا۔ آں..... مگر میں یہ کہہ رہی تھی کہ اب اس کا کیا ہو گا۔“

”میرا خیال ہے کہ اس کی ایک دیرینہ آرزو پوری ہو رہی ہے۔“

”کیا؟“

”وہ پاگل ہی تو ہو جانا چاہتا تھا.....!“

”نہیں۔ خاور..... اتنی بے دردی سے اس کا تذکرہ نہ کرو! وہ حقیقتاً برا مقصوم ہے۔“

”کیا؟“ خاور بیساختہ اچھل پر اور اس طرح آنکھیں پھاڑ چاڑ کر اسے گھوننے لگا جسے اس نے کسی بکری سے ہاتھی کی پیدائش کی خبر سنائی ہو!

”ہا! اس سلسلے پر سخیدگی سے سوچو..... وہ کسی شریر بیج کی طرح مقصوم ہے۔“

”شرارت اور معصومیت کے امتحان کی داد نہیں دی جاسکتی مختصر مدد فرز و امداد کمال کر دیا۔..... شاعری کر رہی ہو تم....!“

”سمجھنے کی کوشش کرو۔“ جو لیا مفہوم لجھ میں بولی۔ ”مسٹر رحمان سخت گیر آدمی میں ان کا

خست گیری ہی کی وجہ سے اس کی شخصیت غیر متوازن ہوئی ہو گی۔ اس عیب کی نیاد بچپن ہی سے پڑتی ہے.... پچھے دوسری زندگی پر کرنے لگتا ہے۔ باہر کچھ ہوتا ہے اور گھر میں کچھ۔ یہ طرز بیانات آہستہ آہستہ عادت بنتا جاتا ہے۔ پھر جب اس پر کوئی پابندی نہیں رہ جاتی تو بھی وہ اس عادت یا اس طرز بیانات سے پیچھا نہیں چھڑا سکتا۔“

”اوے تم نے تو نفیات پر لیکھر شروع کر دیا۔“

”میں صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اس کا مضمکہ مت اڑا۔....!“

”کہنی رہو!“ خاور مکر لیا۔ ”مجھے تو سوچ کر ہی نہیں آ رہی ہے۔ عمران صاحب کا دماغِ الک گیا۔ وہ ہوشمندی میں تو یہ حال تھا اور کیا صورت ہو گی۔ بھی کوئی تدبیر کرو کہ اسے قریب ہے دیکھا جاسکے۔“

”تم شاید جلدی میں تھے۔“ جو لیا نے خٹک لجھ میں کہا اور انھوں نے کیس ہی

بات رحمان صاحب کی تھی اس لیے اس معاملے کی پبلیٹی نہ ہو سکی۔ پھر انہوں نے کیس ہی نہیں کر دیا۔ عمران کے پاپ ہی ٹھہرے..... انہیں مسز پھٹا کیا کے بیان پر سو فیصدی یقین آ گیا تھا۔ جو زف کی بکاؤس پر کیسے دھیان دیتے....!“

لیکن عمران کی ذہنی حالت کے متعلق ان کی تشویش بڑتی جا رہی تھی کیونکہ اب وہ وقتوں تھا کتوں کی طرح بھوکنے بھی لگتا تھا اور جو زف بڑے خلوص سے سینے پر کراس بنا کر دعا میں پڑھتا اور کہتا تھا۔ آسمانی باپ تو بڑا ہم بان ہے..... اگر کائنے بھی دوڑیں تو کیا میں انہیں روک سکوں گا۔“

رحمان صاحب چاہتے تھے کہ عمران کو عمارت کے اندر ہی رکھا جائے.... لان پر دکھائی دے جاتا تو وہ بری طرح نہ س نظر آنے لگتے.... غصہ بڑی حد تک کم ہو گیا تھا۔ ہر وقت فکر مند نظر آتے۔ اکثر بیانات کے مطابق کسی پر چڑھ بھی دوڑتے تو اس طرح چوک کر سنجھا لایتے جیسے کوئی بھولی بھری بات اپنائیں یاد آگئی ہو....!“

اُھر عمران کا یہ حال کہ گھر بھر کو نچاۓ پھر تا۔ کہتا کہ بہت ہو چکا اب وہ اپنال سے گھر واپس جائے گا۔ شیوا اور پچھاڑا بہنوں کے پیچھے پڑ جاتا کہ وہ یونیفارم میں کیوں نہیں رہیں اگر کوئی آفسر ان پاکشن کے لیے آگیا تو کیا ہو گا۔ رحمان صاحب پر نظر پڑ جاتی تو پیچنے لگتا۔ ”اے اوڈا کڑا۔

صاحب ایار بھائی صاحب اب گھر جانے دو..... یا پھر مجھے کسی دوسرے کمرے میں رکھو،
کمرے کی چھت مضبوط معلوم ہوتی..... گرنے میں دیر گے۔“

صحیح سے اب تک وہ دو کمرے بدلتا تھا اور اب تیرتے کی تیاری تھی۔ اس وقت جم
کمرے میں تھاؤس کی دیوار میزی ٹھی ہو گئی تھی اور فرش جھولا جھولتا محسوس ہوتا تھا۔

شیخا بے چاری وہی کرتی جو وہ کہتا۔ ماں پر تو تھوڑی تھوڑی دیر بعد اختلاج قلب کے دور
پڑ رہے تھے اس لیے شیخا یادہ تر ہی کوشش کرتی کہ کوئی بات ان تک نہ پہنچے پائے۔

تیرتے کمرے میں سامان پہنچ جانے پر عمران نے اس انداز میں اطمینان ظاہر کیا تھا جو
اب کی چوتھے کمرے کا رخ کرنے کی نوبت نہیں آئے گی۔

سب کچھ تھا لیکن شیخا سے عمارت کے اندر ہی روکے رکھنے میں کامیاب نہیں ہوا۔ پانچ
جب بھی عمران کا دل چاہتا لان پر نکل آتا۔۔۔ ویسے چوکیدار کی ڈیوٹی تھی کہ ہر وقت پھانک
نظر رکھے۔۔۔ عمران کو لان پر دیکھتے ہی وہ امتحان اور پھانک بند کر کے مقفل کر دیتا۔۔۔ لیکن عمران
ابھی تک پاٹھ سے باہر قدم نکالنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

وہ لان پر نکلا تو جوزف کسی وفادار کے کی طرح دم ہلاتا دوڑتا آتا۔۔۔ اس موقع پر کہ
باس اب اسے پہچان ہی لیں۔۔۔ لیکن اسے مایوس ہی ہوتی۔۔۔ اس وقت بھی عمران اپنا ستر تیر
کمرے میں منتقل کرنے کے بعد باہر ہی آیا۔۔۔ جوزف پھن کے دروازے پر پھیپھی کر زہر مار کر
تھا۔ عمران پر نظر پڑتے ہی ہاتھ کا نوالہ پلیٹ میں پھینکا اور منہ کا نوالا کچلتا ہوا اس کی طرف پکا۔
”گذار ننگ بس۔۔۔“

”ہائیں۔۔۔“ عمران خوفزدہ انداز میں اچھل کر چھپے ہنا۔۔۔ اور نہ جانے کیوں پہلًا
جوزف کو اس پر غصہ آگیا۔

اس نے انگلی اٹھا کر کہا۔ ”دیکھو بس! میں بہت پریشان ہوں! اب ٹھیک ہو جاؤ درنے
نہیں ہو گا۔۔۔ صحیح!“

”سرسر۔۔۔ سرسر!“ عمران حلق چاہ کر چینا اور شیخا جو عمارت کے کسی قریبی ہی حصے میں
اس کی آواز سن کر دوڑ آئی۔۔۔!

”بچاؤ۔۔۔ خدا کے لیے۔۔۔ مجھے اس جبھی ڈاکٹر سے بچاؤ۔۔۔“ عمران بھاگ کر اس

بیچھا ہوا گھکھلیا۔

”میں بات ہے؟“ شیخا نے جوزف کو گھوڑتے ہوئے قبر آلوہ لنج میں پوچھا۔
”میں کچھ نہیں۔۔۔ میں نے تو ٹھنڈ کا سلام کیا تھا۔“ جوزف بتایا۔
”ویکھو! اگر تم خواہ ٹھنڈ پر بیشان کرو گے تو باہر نکلاؤں گی۔“
”لیں میں!“ جوزف اٹھنی شروع ہو گیا تھا۔

پھر پچڑا بیٹھنیں بھی آگئیں۔۔۔ اور عمران نے انہیں بھی دیکھ کر چینج ماری اور آؤٹ ہاؤز کی
ٹرف بھاگ نکال۔
”اف۔۔۔ فو۔۔۔ یہ کیا ہوا؟“ شیخا بوکھلائے ہوئے انداز میں بولی۔ ”غصب ہو جائے گا۔ اگر
یہ دہاں پڑے گئے۔ ذیندی کچھ کام کر رہے ہیں۔“

پھر اس نے جوزف سے کہا۔ ”دوڑو۔ روکو۔۔۔ اندر نہ جانے دینا۔“
”اوکے میں!“ جوزف نے ہر نوں کی طرح چوکڑی بھری اور عمران کو آؤٹ ہی راستے میں
جالیا۔

”اوے ہٹ کجھت“ عمران ٹھنڈ کر نوائی آواز میں بولا۔ لیکن جوزف اس کے آگے ہاتھ
پھیلایا کر اسٹر روکے لھڑا رہا۔

اس نے میں لڑکیاں بھی چینچ گئیں۔۔۔ آکٹ ہاؤز قریب ہی تھا۔
”ہٹو۔۔۔ سامنے سے ہٹ جاؤ!“ دفتار عمران آنکھیں نکال کر غریا۔
”جنماں جان خدا کے لیے چلیے چیلے ہیاں سے۔“ شیخا گھکھلیا۔

”اے ہٹاؤ۔۔۔ سامنے سے میرا سٹر کیوں روکتا ہے۔“

”مان جاؤ۔۔۔ بس!“ جوزف نے کہا۔ ”ورنہ میں تمہیں گود میں اٹھا کر لے چلوں گا۔“
”حد ہو گئی۔۔۔ پچھتا ہے۔۔۔ مجھے۔۔۔ گود میں اٹھائے گا۔ تو ہیں کرتا ہے۔۔۔“ عمران نے
کام اور چھٹ کر ایک مکا جوزف کے جزو پر رسید ہی تو کر دیا۔۔۔ جوزف جسے اس کا وہم بھی
نہیں ہو سکتا تھا۔ قلابازی کھا گیا۔

بھر تو کچھ جس نے ہیں کو شش شروع کر دی کہ عمران کو گود میں اٹھا کر رہا تھی عمارت کی
ٹرف لے بھاگ۔ اسے گذھوں کی طرح پتھے دیکھ کر لڑکیاں بد حواس ہو گئیں۔ چینچ لگیں۔

پاگل تھے اب تو خدا کے فضل سے نجیک ہو گئے ہیں..... میرا خیال ہے کہ اگر کسی عورت کا ایسا ہی بھر پر ایک ہاتھ اور پڑ جائے تو سب کو پہچانے بھی لگیں گے۔

بات تھی بھی کچھ ایسی ہی۔ عمران کے چہرے پر اب نہ تو حمایت کی بارش ہوتی تھی اور نہ احتجانہ حرکات ہی سرزد ہوتی تھیں۔ انتہائی سلیم اطیع نظر آتا تھا۔ آنکھوں میں تیز قسم کی ذہانت کی جھلکیاں بھی ملتی تھیں بس دشواری اتنی ہی تھی کہ وہ گھر کو اپستال سمجھتا تھا اور گھر والوں کو اجنبی... حتیٰ کہ جوزف کو بھی پہچاننے سے انکار کر دیا تھا۔

O

چنگ شی کی منشیات کی تجارت غیر قانونی نہیں تھی۔ صدر پہلے پہل بھی سمجھا تھا کہ وہ اس اٹے کو غیر قانونی طور پر چلا رہی ہے۔ لیکن پھر آہستہ ہی یہ بات اس کی سمجھ میں آسکی تھی کہ چنگ شی دراصل وہاں غیر تعلیم یافتہ اور نچلے طبقے کے لوگوں کی بھیز نہیں دیکھنا چاہتی۔ اس لیے اس نے وہ طریقہ اختیار کیا تھا۔ اس کے ابجت مہذب قسم کے نشہ بازوں کی خلاش میں رہتے تھے اور انہیں کے ذریعہ ایسے گاہکوں کو وہ الفاظ معلوم ہوتے تھے جن کے دہرانے پر ہی وہاں داخلہ ملنگ ہوتا ہے۔

ولیے صدر کی رسائی تو اس طرح ہوئی تھی کہ وہ کبڑے کے ایک آدمی کا تعاقب کرنا ہوا اس لگی لسک آیا تھا اور اسے کوئی ایسا لفظ دہرا کر اکر چنگ شی کے اڑے میں داخل ہوتے دیکھا تھا جسے پاک ورڈ کے علاوہ اور کچھ نہ سمجھا جاسکتا۔۔۔!

پھر اس نے بھی وہی لفظ دہرا کر اپنے داطلے کی کوشش کی تھی اور کامیاب بھی ہو گیا تھا پہلے تو وہ یہاں کاماحول دیکھ کر یہی سمجھا تھا کہ وہ اجنبی ہے اس لیے اس کی عافیت کی لحظے بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا تھا۔۔۔ وہاں نظر آنے والے سارے ہی لوگ ایک دوسرے سے قطبی بے تعلق معلوم ہوئے تھے اور کبڑے کا ساتھی بھی داخل ہوتے ہی گرد و پیش سے بے خبر ہو گیا تھا۔ پھر صدر کو بھی طوعاً و کرہا کشیدنی انہوں کی کچھ گولیاں برداشت کرنی پڑی تھیں! مگر کیوں؟ آخر دہانے کیا کرتا پھر رہتا تھا؟

پہلے ایک نو کو اس کبڑے کی تلاش تھی۔۔۔ وہ مل گیا۔۔۔ تو مگر انی شروع ہو گئی۔۔۔ لیکن ختم کیا تھا اس مگر انی کا؟۔۔۔

آٹو ہاؤز کی گھر کیاں کھلیں اور رحمان صاحب کی دہڑتی ہوئی آواز آئی۔

”یہ کیا ہو رہا ہے؟“

”کشت و خون ہو رہا ہے۔“ عمران نے جوزف پر مکمل بر ساتے ہوئے جواب دیا۔ ”یہ اپستال ہے۔۔۔ میاگل خانہ۔۔۔“ رحمان صاحب باہر نکل آئے۔۔۔ ان کیسا تھے ذو آدمی اور بھی تھے۔ اب جوزف نے مناسب سمجھا کہ عمران کو گود میں اٹھا لینے کی جدوجہد ختم کر کے بھاگ نکلے۔۔۔ یہی ہوا۔ اور عمران مکاہی ہمارا تارہ گیا۔

”جاو۔۔۔ اندر جاؤ!“ رحمان صاحب نے رہائشی عمارت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تھا لجھے میں کہا۔

”یہ اپستال ہے یا سلاٹر ہاؤس؟“ عمران بھی اسی انداز میں ہاتھ ہلا کر چینا۔ ”یہاں کی قاعد گیوں کی روپرٹ نہ کی تو کچھ نہ کیا۔“

اس دوران میں کچھ ملازمتیں بھی وہاں پہنچ گئے۔۔۔ اور رحمان صاحب نے ان سے کہا۔ ”جاو اسے زبردستی اٹھا کر لے جاؤ۔۔۔ چلو!“ پھر تھر آکو لجھے میں ٹریا سے بولے۔ ”مگر مقفلہ دیں۔“

ملازم میں آپنے۔۔۔ اور عمران ہاتھ پر ہمارا تارہ گیا۔ دو چار ہاتھ ان کے بھی جھاڑے۔۔۔ لیکن پھر وہ بھڑوں ہی کی طرح چٹ گئے۔ لڑکیاں سہی گھری رہیں۔

کچھ دیر بعد ٹریا عمران کے کمرے کا دروازہ بند کر رہی تھی اور ساتھ ہی اس کی سکیاں جاری تھیں۔۔۔ اچپا زاد بہنیں دم بخود کھڑی سوچ میں گم تھیں۔

پھر ایک بولی۔ ”کیا کیا جائے۔ ساری باتیں نہ کلائے کی کرتے ہیں۔۔۔ مگر!“ ”گھر کو اپستال کیوں سمجھتے ہیں؟ کسی کو پہچانتے کیوں نہیں؟“ ٹریا نے گلوگیر آواز میں کہا ”ڈاکٹر سعید تو یعنی کے ساتھ کہہ رہے ہیں وہ یادداشت کھو میشے ہیں۔“ دوسرا بولی۔

”اچھا دیکھو۔۔۔ اماں بی کوئے معلوم ہونے پائے کہ۔۔۔ بھائی جان کو کمرے میں بند کرے۔۔۔“ ٹریا نے کہا۔

وہ کچھ نہ بولیں۔۔۔ نجمہ نے تو پچھلے دن اپنی دوسری بہنوں سے کہا تھا۔ ”بھائی جان

آج تو اس کیڑے ہی کو چنگ شی کے لائے میں دیکھ رہا تھا۔
جیسے ہی وہ اندر داخل ہوا سب سے پہلے اس کی نظر کیڑے پر پڑی جو ایک میز کے قریب بینا
چنگ شی سے آہستہ آہستہ کچھ کہہ رہا تھا۔

چنگ شی نے سر اٹھا کر صدر کی طرف دیکھا اور بڑے دلاؤز انداز میں مسکرا کر گردنا ہلائی۔
اس وقت ایک بھی میز خالی نہیں تھی۔ صدر دروازے کے قریب ہی رک گیا۔

”آپ اُھر پڑے جائیے... مسٹر“ چنگ شی نے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا۔ صدر نے
اُھر جاتے ہوئے کیڑے کو سکھیوں سے دیکھا تھا لیکن وہ اس کی طرف متوجہ نہیں معلوم ہوتا تھا۔
صدر نے خود کو ایک چھوٹے سے کمرے میں پایا۔ یہاں صرف ایک ہی میز تھی، لیکن نبی
استعمال کی معلوم ہوتی تھی۔ ایک طرف ایک مختصری سہری بھی دکھائی دی جس پر پر ٹکنے برزا
تھا۔ کرسی بھی ایک ہی نظر آئی۔ ایک ٹیلیف تھامس پر مختلف النوع چیزیں رکھی ہوئی تھیں۔
صدر میز کے ایک گوشے پر نکل گیا۔ رخ دروازے ہی کی طرف تھا۔ مصلحت۔

کمرے میں سبی ایک ذروا زہ تھا لہذا اس کی طرف سے بے خبر نہیں رہنا چاہتا تھا۔

O

رات کے نوبجے تھے کیپن فیاض عمران کی خیریت دریافت کرنے کے بہانے کوٹھی پہنچا۔
ورنہ آمد کا مقصد ہیئتکچھ اور تھا۔ رحمان صاحب نے آج اسے لا بھریری ہی میں بلوایا۔

”بیٹھو۔“ انہوں نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ تھا تھے۔

چند لمحے فیاض کو غور سے دیکھتے رہے پھر بولے۔ ”میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں۔“

”خدا رحم کرے۔“ فیاض نے مسکی صورت بنا کر خشنڈی سانس لی۔

رحمان صاحب پھر اسے گھوننے لگے وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔

”تم شاید چوٹھی بار اسے دیکھنے آئے ہو۔“ رحمان صاحب نے کہا اور فیاض چوٹک کر ان کی
طرف دیکھنے لگا۔

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولے۔ ”جو کچھ بھی ذہن میں ہے اُگل دو۔ میں بہت
پریشان ہوں۔“

”دیکھئے...“ فیاض بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”یہ حضرت اب پہلے سے زیادہ ہوش مند
معلوم ہونے لگے ہیں۔“

”گشیدہ یادداشت کے مریض ایسے ہی ہوتے ہیں۔“ رحمان صاحب نے خنک لبھے میں کہا۔
”وو... دیکھئے... قق... قصہ یہ ہے...“

”بے فکری سے بتاؤ۔ جو کچھ بھی ہو۔“ رحمان صاحب نے اُس کی ہکلاہٹ کا سلسلہ ختم
کرنے کی کوشش کی۔

”اپ کو یاد ہو گا۔ تین ماہ پہلے... ٹپ ناپ ناٹ کلب کی ایک لڑکی قتل کر دی گئی تھی۔“
”ہاں تو پھر...!“

”ان دونوں یہ حضرت اس کے ساتھ دیکھے گئے تھے۔“
”ہوں! تمہیں کب علم ہوا ہے اس کا۔“

”اُسی وہن جب میز پھٹا کیا والا حادثہ پیش آیا تھا۔“

”کس طرح؟“ رحمان صاحب اسے بغور دیکھ رہے تھے۔

”میز پھٹا کیا عرصہ سے پولیس لست پر ہے۔ خراب لڑکوں سے اس کی روزی چلتی ہے۔ یہ
لڑکی مار ڈھا بھی اس کی خاص گاہکوں میں سے تھی۔“

”اوہ.... تو تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ....“ رحمان صاحب کچھ کہتے کہتے رک گئے ان کی نظر
بدستور اس کے چہرے پر جسی ہوئی تھی۔

”میری سمجھ میں خود نہیں آتا کہ میں کیا کروں جتنا! یہ بات میں نے ابھی تک اپنی ہی
ذات تک محدود رکھی ہے۔“

”کیا بات ہوئی۔ جب تم یہ کہتے ہو کہ وہ کسی لڑکی کے ساتھ بہت زیادہ دیکھا گیا تھا اور اس کا
بھکاری مطلب ہوا کہ عام طور پر دیکھا گیا ہو گا...!“

فیاض نے طویل سانس لی۔ رحمان صاحب اسے مٹونے والی نظر سے دیکھ رہے تھے۔

”تھی نہیں! یہ بات نہیں! اس نے آہستہ سے کہا۔“ حضرت اس سے چھپ چھپ کر ملتے تھے۔
”تب پھر تمہیں اچاک اس کا علم کیسے ہوا؟!“

”ایک دسری لڑکی....“ فیاض کی آواز نہ جانے کیوں کا نبپ گئی.... اور اس نے بوکھلائے

”میں کسی سے بھی اس کا تذکرہ نہیں کروں گا۔ دراصل میں تو صرف اسی لیے حاضر ہو اتا ہے کہ آپ کو صورت حال سے آگاہ کر دوں۔ خدا نخواستہ اس کا یہ مقصد نہیں تھا کہ عمران کو کسی جرم میں طوث کھجتا ہوں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ وہ رومانی قسم کی غویات میں بھی نہیں پڑے۔“

”آج میں نے اسے کمرے میں بند کر دیا ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ کل لکھ حالت اتنی مندوش نہیں تھی۔“

”مندوش تواب بھی نہیں ہے۔“ رحمان صاحب نے متکرانہ لجھ میں کہا۔ ”احتیاطاً یہ قدم اٹھایا ہے.... ہاں اس لڑکی مار تھا کے متعلق اور کیا معلوم کیا ہے تم نے؟“

”بس یہی کہ وہ کوئی اچھی لڑکی نہیں تھی۔ اسی نے یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ وہ اپنے اسی رومان کی وجہ سے ماری گئی ہو گی.... کونکہ شہر کے کئی متول آدمی اس سے شادی کرنے کے بھی ممتنی تھے لیکن وہ کاروبار کی حد سے کبھی آگے نہیں بڑھی۔ البتہ نے رومان نے اس کی بڑی حد تک کایا پلت دی تھی.... یعنی وہ ان دونوں شریف بننے کی کوشش کرنے لگی تھی۔“

رحمان صاحب تھوڑی دیر تک سوچتے رہے پھر بولے۔ ”اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ عمران کی وجہ سے اس لڑکی مار تھا سے مل بینجا تھا تو اس میں مز بھٹاکیا کہاں سے آکر دی؟“

”دیکھئے.... پھر محض قیاس ہی کروں گا۔ مجھے یقین نہیں ہے کہ ایسا ہی ہوا گا۔ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ عمران نے اسی سلسلے میں بھٹاکیا سے کوئی سودا کیا ہو؟“

رحمان صاحب کچھ نہ بولے وہ پہلے سے بھی زیادہ فکر مند نظر آنے لگے تھے....!

O

صغریٰ چند لمحے اسی طرح میز کے گوشے پر نکارہ پھر الشراہار کر بستر پر ڈال دیا۔ قلت ہیئت بھی اتنا کی اور ایک جاپ اچھال دی۔ وہ سوچ رہا تھا کہ دیکھنے کتنے دنوں تک کشیدنی انہوں کے ذم لگانے پڑتے ہیں۔ اسے اس قسم کی نشیات سے بڑی نفرت تھی لیکن اس کے علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ اسے بہر حال کبڑے کے متعلق زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کرنی تھیں۔ اگر اس مگر ان کے اصل مقصد سے واقف ہوتا تو اپنی عقل بھی لڑاتا۔ وقت چرانے کی بھی کوشش کرتا اور ضروری معلومات بھی فراہم کر لیتا۔

کچھ دیر بعد چنگ شی مسکراتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی لیکن خالی ہاتھ تھی۔ آج وہ کشیدنی

ہوئے انداز میں رحمان صاحب کے چہرے سے نظر ہٹا کر کہا۔ ”جج.... جتاب.... ایک لڑکی ہے جو اس راز سے واقف تھی.... اس سے یہ بات مجھے معلوم ہوئی تھی!“

”اوہ ہو.... تو وہ عمران کو پہچانتی بھی تھی۔ تمہارے ساتھ اکثر دیکھا ہو گا۔“ رحمان صاحب سر ہلا کر بولے۔

”بھی نہیں.... یہ بات نہیں ہے۔“

”پھر کیا بات ہے؟“ رحمان صاحب جھنجھلا گئے۔

”یہ..... یہ..... دیکھئے....“ فیاض نے بہت زیادہ یوکھلا کر کوٹ کی اندر ورنی جیب میں ہاتھ ڈالنے ہوئے کہا اور ایک لفافے نکال کر رحمان صاحب کی طرف بڑھا دیا۔

لفافے سے ایک تصویر برآمد ہوئی اور رحمان صاحب آنکھیں چھاڑ چھاڑ کر اسے گورنے لگے۔ یہ عمران ہی تھا کسی یوریشین لڑکی کے ساتھ...“

”تو یہی لڑکی قتل کردی گئی تھی۔“ رحمان صاحب نے کے پکھہ دری بعد کہا۔ ”لیکن یہ تصویر کہاں سے ہاتھ گلی۔ قتل تمہارے بیان کے مطابق آج سے تین ماہ قبل ہوا تھا۔“

”وہ دیکھئے.... اس لڑکی سے میری جان بچان ہے جس سے یہ تصویر مجھے اتفاق آئی شام تھی جب پھٹا کیا نے عمران پر حملہ کیا تھا۔ یہ محض اتفاق تھا جتاب اور نہ میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ کب ”کہاں“ کیا ہو چکا ہے۔ لڑکی نے بات ہی بات میں مار تھا کی کہانی سنائی تھی۔ اس نے بتایا کہ مار تھا اس کی گہری دوست تھی اور اس نے اپنا کوئی راز نہیں چھپا تی تھی۔ اسی نے اپنے تازہ رومان کی کہانی سنائی تھی اور یہ تصویر بھی دی دی تھی....!“

”ہوں تو پھر؟“ رحمان صاحب کے خدوخال تیکھے ہوتے جا رہے تھے۔

”میرا خیال ہے کہ عمران کسی قسم کی جواب دہی سے بچنے کے لیے.... یہ کھیل....“

”کیوں بکواس کر رہے ہو؟“ رحمان صاحب گرنجے۔ ”میا تمہیں اس کے ذہنی اختلال میں شبہ ہے؟ شہر کے سارے بڑے ڈاکٹر اسے دیکھے چکے ہیں اور ان کا متفقہ فیصلہ ہے کہ وہ اپنا یادداشت کھو بیٹھا ہے۔“

”مم.... میں نے.... صرف اپنا خیال ظاہر کیا تھا جتاب!“

”غیر میں دیکھوں گا۔“ رحمان صاحب فراؤزم پڑ گئے۔

انہوں نہیں لائی تھی۔

"ارے تم یونہی بیٹھئے ہو۔"

"ٹھیک ہے۔" صدر بھی مسکرایا۔

"میں کہتی ہوں جب تم نہیں پیتے تو خواہ مخواہ اچھی بھلی عادت بگاڑنے سے کیا فائدہ۔" اس نے مسٹر پر بیٹھتے ہوئے بڑی سمجھی گی سے کہا اور صدر چوکنا نظر آنے لگا۔

"کیا مطلب؟" وہ اسے گھورتا ہوا بولا۔

"میں جانتی ہوں کہ زیادہ تر گولیاں تمہاری جیب میں جاتی ہیں لیکن یہ دو چار ہی تھیں بہت جلد عادی بنا دیں گی۔"

"اوہ..... اب سمجھا۔" صدر زبردستی ہنس پڑا.....! یہ بھی بُرنس چکانے کا ایک بہترین طریقہ ہے۔ گویا میں تاؤ میں آ کر زیادہ سے زیادہ پینا شروع کر دوں گا۔ یہ ثابت کرنے کی کوشش کروں گا کہ کوئی مجھ سا نہیں زمانے میں"

"غلط نہ سمجھو! تمہارے بھلے ہی کو کہہ رہی ہوں۔"

"پھر بھی یہ حقیقت تو نہیں ہے جو تم کہہ رہی ہو۔ تم نے مجھے کب ایسا کرتے دیکھا تھا؟"

"خیر چھوڑو ختم کرو۔" وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "میرا کیا۔"

وھٹا کبڑا کمرے میں گھس آیا..... لیکن دروازے سے صرف دو ہی قدم کے فاصلے پر رک گیا۔ وہ صدر کو قبر آلود نظرؤں سے گھور رہا تھا۔ پھر اس نے گرج کر چنگ شی سے کہا۔ "یہ کون ہے؟ مجھے تمہاری خوابگاہ میں داخل ہونے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔"

"تم سے مطلب؟" چنگ شی غصیلے انداز میں الٹ پڑی۔

"مطلوب۔" کبڑے نے غصیلے انداز میں آنکھیں نکالیں..... اور خاموشی سے اسے گھورتا رہا وہ غالباً غصے کی زیادتی ہی کی وجہ سے ہاتھ رہا تھا۔

"تم مجھ سے ایسے لجھ میں گفتگونہ کیا کرو سمجھے۔" چنگ شی نے چیخ کر کہا۔ "وہاں کوئی مز خالی نہیں تھی پھر کیا میں اسے گودام میں بیٹھ دیتی؟"

"پھر بھی میں برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی تمہاری خوابگاہ میں قدم رکھے۔"

"ارے واہ۔" وہ جھلانے ہوئے انداز میں ہاتھ نچا کر بولی۔ "خدا کی قدرت بیچاندی کے

لٹٹ میں پیشاب کراؤ گدھی سے اور ذرا اپنی صورت بھی دیکھ لو.... کیا میں تمہاری جو رو ہوں بوس طرح آنکھیں دکھار ہے ہو جاؤ یہاں سے ورنہ دکھے دلو اکر نکال دوں گی۔ ہاں چنگ شی نام ہے میرا... چنگ شی۔"

"حرافہ" کبڑا دانت پیس کر مکاتا نے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔

"مسٹر! صدر نے ایک جست میں اس کے قریب پہنچتے ہوئے کہا۔ "چچھے ہو یہ ایک عورت ہے... کوئی پہلوان نہیں جس پر تم کے بازی کی مشن کر سکو۔"

کبڑا رک کر اسے قبر آلود نظرؤں سے دیکھنے لگا.... پھر یک بیک ایسا معلوم ہوا جیسے کسی غبار سے ہوا نکل گئی ہو۔ وہ بالکل ڈھیلا ڈھالا نظر آنے لگا۔ چہرے پر زمی پھیل گئی اور ہوتیوں پر خفیض سی سکراہٹ بھی نظر آئی۔

"دھوکا کھاؤ گے دوست۔" اس نے آہستہ سے کہا۔ "اس عورت نے جس طرح اس وقت مجھے ذلیل کیا ہے کل تمہیں بھی کرے گی۔ اس کا تعلق آدمی کی نسل سے نہیں ہے۔"

"اوکتے بس اب چلے ہی جاؤ یہاں سے۔" وہ جھلا کر کھڑی ہو گئی۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اب وہ کبڑے پر جھپٹ ہی پڑے گی اور اس کے دانت اس کی گردان میں پوست ہو جائیں گے۔ جسم کا سارا ہی چوہس لے گی۔

"بس ختم کرو۔ جانے دو۔" صدر ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "خدا کی پناہ..... یہ چینی عورتیں غصے کی حالت میں کتنی حسین لگتی ہیں۔"

"بہت حسین! کبڑے نے پھر زہر یا لاہور انتیار کرتے ہوئے کہا۔ "اس ریچھنی کی طرح جس نے شہد کی کھیوں کے دھوکے میں بھزوں کے چھتے پر ہاتھ مار دیا ہو۔"

"خاموش رہو۔" وہ مٹھیاں بھٹخ کر دیجیں۔ "نکل جاؤ..... تم دونوں یہاں سے نکل جاؤ۔ دفعہ ہو جاؤ.... پھر کبھی تم دونوں کی شکلیں یہاں نہ دکھائی دیں۔ جاؤ...."

صدر نے اسے گھور کر دیکھا اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ کبڑا بھی واپسی کے لیے مرتا ہوا بولا۔ "دیکھ لیا تم نے۔"

پھر اس کا غراہت نما طویل تھا۔ صدر نکاہی کے دروازے تک متھا رہا۔ اب وہ گلی میں تھا۔ ایک پل کے لیے نہ کھا اور پھر سڑک کی طرف بڑھ گیا۔

”مجھے تو نہیں محسوس ہوتا۔“ صدر نے لاپرواں سے شانوں کو جنہش دی۔
کبڑا کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”تمہارا پیشہ کیا ہے؟“
”چُک شی کے اٹے پر پائے جانے والے کسی معزز پیشے سے متعلق تو نہیں ہو سکتے۔“ صدر
مکریا۔

”اوہ.... کیوں نہیں! سرکاری جاسوس بھی تو ہو سکتے ہیں۔“ کبڑا بائیں آنکھ دبا کر چھٹے
ہوئے لجھ میں بولا۔

”ممکن ہے۔“ صدر نے لاپرواں سے کہا اور دیوار سے لگی ہوئی ایک فلم ایکٹر کی تصویر کو
گھورنے لگا۔

چاۓ آگئی۔ برتن گندے تھے لیکن صدر کو طوعاً و کرہاً اس کا ساتھ دینا ہی پڑا۔....
”تم نفرت سے ہونٹ سکوڑ رہے ہو۔“ کبڑے نے قہقہہ لگایا۔ ”تمہاری پیشانی پر غنٹنیں ہیں۔“
”خلط سمجھے امیں تو اسی گندگی کا کیڑا ہوں.... کچھ اور سورج رہا تھا۔“

”دھندا کیا ہے تمہارا....؟“
”اب تو مجھے بھی سوچنا پڑے گا۔“ صدر مسکرایا۔ ”یقیناً سوچنا پڑے گا کہ چُک شی کے اٹے
پر کاری جاسوسوں سے بھی ملاقات ہو سکتی ہے۔“

کبڑے نے پھر قہقہہ لگایا اور بولا۔ ”تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟“
”پولیس انفارمر....“ صدر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا اس اپ کی طرح پھٹک کردا۔
اس پر کبڑا ہستے ہستے بے حال ہو گیا۔ پھر بولا۔ ”اچھا جبلو... چائے ختم کر لو... پھر میں
ٹھیک دکھاؤں گا کہ میرا دھندا کیا ہے۔“

O

رحمان صاحب نے شریا سے عمران کے کمرے کی کنجی طلب کی۔

”میں بھی چلوں ڈیڈی؟“ شریا نے پوچھا۔
”نہیں!“ رحمان صاحب کا لہجہ خشک تھا۔ شریا فکر مند نظر آنے لگی۔ رحمان صاحب پہلی بار
خود عمران کے کمرے میں جا رہے تھے۔
انہوں نے قفل کھول کر دروازے کو دھکا دیا۔ عمران سامنے ہی دیوار سے ٹیک لگائے فرش۔

”وزراٹھر و دوست۔“ یک بیک پشت سے آواز آئی اور صدر رک گیا۔ آواز دینے والا کبڑا ہی تھا
لیکن اس کے کچھ کہنے سے قبل ہی صدر نے کہا۔ ”میں نکلت تعلیم کر لینے کا عادی نہیں ہوں۔“
”خداعارت کرے اس عورت کو۔“ کبڑا بھرا ہوئی آواز میں بولا۔ ”تم جیسے جوان آدمی
بھی اس کے گرد بھنو روں کی طرح چکراتے رہتے ہیں۔“

”امتحوں کی سی باتیں نہ کرو دوست۔“ صدر بولا۔ ”اس کا خیال ہے کہ میں نہ تو نشے باز ہوں
اور نہ اس کا عاشق! تمہارے وہاں چونچے سے قبل وہ مجھ سے بھی کہہ رہی تھی۔“

”میا کہہ رہی تھی؟“ کبڑے کے لجھ میں بلکا ساتھیر تھا۔
”بیہی کہ میں نشے باز نہیں ہوں ایک درجن میں سے صرف تین چار گولیاں لگاتا ہوں اور
بچہ جیب میں ڈال لیتا ہوں۔“

”اوہ.... تو کیا یہ حقیقت ہے؟“
”بکواس کرتی ہے۔“ صدر بولا۔ ”مجھ سے زیادہ شاید تم بھی نہ پیتے ہو۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ
میں نہ تو پینے کی غرض سے بہاں آتا ہوں اور نہ اس پر عاشق ہی ہوں۔“

”اوہ۔ آؤ.... چلتے رہو.... بہت دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہو کہیں اطمینان سے بیٹھ کر
غفتگو کریں گے۔“

صدر کچھ نہ بولا۔ وہ چلتے رہے.... سڑک پر پہنچ کر کبڑے نے ایک گندے سے ہوٹل کا
رخ کیا۔ صدر اپنی اصل شکل میں تو وہاں کبھی جھاٹکنے کا بھی روادار نہ ہوتا۔ بہر حال اس وقت تو
جانا ہی پڑا۔ غیر موقع طور پر آج اسی آدمی سے دوبدو ہونے کا موقع ہاتھ آگیا تھا۔ جس کے لیے
اس نے اتنے پاپڑ میلے تھے۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ اس کیس سے بے حد بور ہو چکا تھا۔ لہذا اب اپنی
اس تگ و دد کا مقصد دریافت کرنے کے لیے وہ کبڑے کے گریبان پر بہا تم بھی ڈال سکتا تھا۔
ایک گوشے میں اس نے ایک خالی میز منتخب کی۔

”آرام سے بیٹھو۔“ کبڑے نے کہا اور پھر دیڑ کو بلکا کرچائے کا آرڈر دیا۔
صدر اس طرح گھور رہا تھا جیسے اس کی طرف سے غیر مطمئن ہو۔

”ہوں! تو اب بتاؤ.... پتے نہیں کیوں مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ہم دونوں ایک
دوسرے کی عرصہ سے جانتے ہوں۔“

”اوہ...“ عمران منہ بنا کر بولا۔ ”تم تو ذہنگ سے ڈالا گی بھی نہیں بول سکتے اپنے
کہاں دے ماروں؟“
”ہوش میں آ جا۔“ رحمان صاحب حلقت کے مل دہائے اور انہیں کھانی شروع ہو گئی۔
”یہ آواز بھی ہماری تیج پر نہیں چلے گی۔“ عمران نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا ”غیر اللہ
اک ہے.... سلاما لیکم....!“

اس بار رحمان صاحب بری طرح پل پڑے۔ وہ شور چاک کہ گھر کا ہر فرد وہیں آپنچاحتی کہ بیمار
مال بی بکا!

رحمان صاحب عمران پر سوار اسے دونوں ہاتھوں سے بری طرح پیٹھ رہے تھے۔
مال بی.... چیختے چیختے ترنے گریں اور بے ہوش ہو گئیں۔

لڑکیاں جو رحمان صاحب کی صورت ہی سے خوف کھاتی تھیں اس طرح بد حواس ہو گئیں
کہ انہیں کھینچ کھینچ کر عمران سے الگ کرنے کی کوشش کرنے لگیں۔
پھر رحمان صاحب کوئی ہوش آیا اور وہ عمران کو چھوڑ کر ہٹ گئے۔
”غم ان اٹھ کر پکڑے جہاڑتا ہو بالا۔“ یہ چلے گی.... نجپر ایکنگ....“

رحمان صاحب چپ چاپ مڑے اور تیزی سے دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

”سلاما لیکم۔“ انہوں نے دروازے سے گزرتے وقت عمران کی آواز سنی!

لابریری میں آ کر انہوں نے دروازہ بولٹ کر دیا۔ پڑھنے کی میز پر آیتھے۔ چند لمحے ساکت
بینی غلامیں گھورتے رہے.... پھر دونوں ہاتھوں سے منہ چھا کر پچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر
رومانہ شروع کر دیا۔

O

بھی شاندار عمارت تھی.... صدر کی آنکھیں کھل گئیں.... کبڑا اسے ایک بند گاڑی
مل بھال تک لا یا تھا اور صدر تن بے تقدیر انہیں مرے میں بینھا گہری گہری سانسیں لیتا تھا کھل
کند کسی طرح ختم کرنا تھا۔ کیونکہ اس گھر انی نے کافی بور بھی کیا تھا اور تھکایا بھی تھا۔
گاڑی رکی تھی.... اور وہ نیچے اتر اتھا۔ لیکن گاڑی تو ایک بہت بڑے کمرے میں رکی تھی۔

بیٹھا ہوا نظر آیا۔ وہ پلکیں چپکائے بغیر خلا میں گھور رہا تھا۔ بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے بینیوں پر
روح نفس عضری سے پرواز کر گئی ہو۔ رحمان صاحب کے اندر داخل ہو جانے پر بھی اس
پوزیشن میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔ پھر اتنی ہوتی سی آنکھیں بدستور خلا میں گھورتی رہیں۔

رحمان صاحب بوکھلا گئے.... بدحواسی کے عالم میں پھر دروازے کی طرف پڑھتے ہی تھے
آواز آئی۔ ”سلاما لیکم۔“

وہ چوک کر مڑے۔ اب عمران کی آنکھیں ان کے چہرے کی طرف اٹھی ہوئی نظر آئی
لیکن وہ اپنی بھی پلکیں نہیں جھپکا رہا تھا۔

”فرمایے۔“ اس نے کھوکھلی سی آواز میں پوچھا بالکل ایسا ہی معلوم ہوا تھا جیسے یہ یہ کہ
لاش کے ہونٹ ہے ہوں اور آواز بھی نکلی ہو۔ چہرے پر زندگی کے آثار اپنی بھی مفقود تھے۔
رحمان صاحب کو بے پناہ غصہ آیا اور اس حرکت پر اور وہ ابل ہی تو پڑے۔

”سید ہے کھڑے ہو جاؤ۔“ انہوں نے گرج کر کہا۔ ”میں تمہاری یادداشت واپس اداں گا۔“
”غم ان اپنی ہی رو میں بولا۔“ نہیں چلے گی.... مدھو بلا نہیں چلے گیا۔ گیتا بالی اس روں
لیے مناسب ہے۔“

”میں کہتا ہوں کھڑے ہو جاؤ۔“ رحمان صاحب پھر دہائے۔

”سلاما لیکم....“ عمران آہستہ آہستہ اٹھتا ہو بالا۔

”اتا پتو اوس گا کہ ہوش ملکانے آجائیں گے سید ہی طرح بات کرو۔ مار تھا کون تھی؟“

”ہو گی کوئی ایکش ا....“ عمران بولا۔ ”تیر و سکن کی بات کر رہا تھا.... سلاما لیکم۔“

رحمان صاحب نے جھپٹ کر تڑاک سے ایک تھپڑا اس کے گال پر سید کر دیا.... اور عمر
دوسری طرف گرتا ہوا چینجا۔ ”کٹ!“

پھر سنجھل کر اٹھا اور دروازے کے قریب جا کر رکا۔...

”اوہ دیکھو....“ اس نے رحمان صاحب کو مخاطب کیا۔ ”غلط آئے تھے.... اس ط
چل کر آؤ۔ پھر تھپڑا مارو.... سمجھے.... سلاما لیکم.... جی....!“

”میں تمہیں پھانسی سے نہیں بچا سکوں گا۔“ رحمان صاحب دانت پیس کر بولے۔ ”کیا
فیاض کو سب کچھ معلوم ہو چکا ہے۔“

اس کے فرشتے بھی اندازہ نہ کر سکتے کہ آمد کن راستوں سے ہوئی ہوگی اور اب وہ شہر کے حصے میں تھا... کس عمارت میں تھا!

صدر نے سوچا ممکن ہے کہ وہ اس میک اپ میں بھی پہچان لیا گیا ہو۔ اور اس وقت اس حرکت کا مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے ساتھیوں میں سے اگر کوئی بندگاڑی کا تعاقب کرے تو وہ بھی کبڑے کی نظر میں آجائے۔

"واہیار...." اس نے دفعٹا چپک کر کہا اور چاروں طرف تحریر انداز میں دیکھنے لگا۔ پھر اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولا۔ "بہت گھرے معلوم ہوتے ہو۔ بہت دنوں سے ایسے ہی آدمیوں کی تلاش تھی.... اور بس اب تم مجھے بھی جھنڈ سے پھرنا ہو اکوئی بھیڑیا ہی سمجھو۔"

"اوہ نہ... ہونہہ!" کبڑے نے ہاتھ برا کر کہا۔ "بس میری ہی تعریف کیے جاؤ اپنے متعلق کچھ نہ کہو گے! میں نے تمہیں پہچاننے میں غلطی نہیں کی تھی۔ پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ کام کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ چلو بس اب آؤ۔ گندے برتوں میں بد مردہ چائے کا مادہ ہو جائے گا۔"

وہ وہاں سے چل کر ہاں میں داخل ہوئے۔ جہاں لاکھوں روپے کا آڑائشی سامان نظر آتا تھا۔ لیکن سامان کی سینگ سے عمارت کا مالک اجھے ٹیکٹ کا آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔

"بیٹھ جاؤ۔" کبڑے نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

صدر بیٹھا تو ایسا محسوس ہوا جیسے زمین ہی میں دھنٹا چلا جائے گا۔
"کچھ اندازہ لگایا۔ ہمارے متعلق۔" کبڑے نے پوچھا۔

"میں نے آج تک کوئی بادشاہ نہیں دیکھا۔" صدر نے محنڈی سانس لی۔ "لیکن بادشاہوں کے ٹھاٹھے نے ضرور ہیں.... اب تو تمہارا احترام کرنے کو دل چاہتا ہے۔"

"کرو گے...." کبڑے نے لارڈ ایسے کہا۔ "میں دنیا کا بہت بڑا آدمی ہوں.... ساری دنیا کا بادشاہ سمجھ لو۔"

یک بیک صدر نے خوفزدگی کی ایکنگ شروع کر دی۔

"وو.... دیکھئے.... نج... جتاب.... بھلا میں کیسے جان سکتا تھا کہ آپ کون ہیں... شاید میں نے کچھ گستاخیاں بھی کی تھیں۔"

کبڑے نے قہقہہ لگایا۔ دیر میک بنتا رہا پھر بولا۔ "پرواہ مت کرو.... اس بیٹھے جم

کے اندر بڑا شانداروں ہے.... میں تو انہیں بھی معاف کر دیتا ہوں جو سڑکوں پر مجھ پر آوازے کھے چکے ہیں.... اگر تمہیں معاف نہ کر دیا ہوتا تو یہاں لاتا ہی کیوں؟"

"میں بے حد شکر گذار ہوں جتاب والا...." صدر گھکھلایا پھر کسی گھے ہوئے خوشامدی کی طرح دانت نکال دیے....!"

کبڑے نے تالی بھائی.... اور سارا ہاں آرکسٹرا کی موسیقی سے گونج اٹھا.... دروازوں کے پرے بلے لگے اور پھر ہر دروازے سے تحرکتی ہوئی لاکیوں کی ٹولیاں ہاں میں داخل ہوتی نظر آنے لگیں۔

صدر بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔ یہ بھی بڑی شاندار ایکنگ تھی ورنہ ہزاروں تحرکتی ہوئی لاکیاں بھی اسے متاثر نہ کر سکتیں۔ اس کی بوکھلاہٹ بالکل ایسی ہی تھی جیسے کوئی۔ "بندادی جام" کسی الف لیڈی محل میں آپھناء ہو۔

"یکھو دیکھو! اقرب سے جا کر نہیں بچے۔" کبڑے نے قہقہہ لگایا۔

باقاعدہ رقص شروع ہو چکا تھا۔ صدر یونہی شغل کے طور پر لاکیوں کا شمار کرنے لگا۔ کل ہاں لاکیاں تھیں۔ سبھی ایک سے ایک بڑھ کر۔ پھر تیلی اور زندگی سے بھر پور۔

خوبی دیر بعد کبڑے نے ہاتھوں کو گردش دی اور وہ سب ایک قطار میں سامنے والے دروازے سے نکل گئیں۔

موسیقی تھم گئی....! اب کبڑے نے پھر تالی بھائی اور میں تو یہکل جوان ہاں میں گھس آئے۔ ان کے ہاتھ میں چار چار فٹ لمبی لکڑیاں تھیں....!

انہوں نے قدیم فنون پر گری کے کمالات دکھانے شروع کر دیے۔ صدر سوچ رہا تھا کہ اسکیں انہوں حالات سے بے خبر نہ ہو۔ کاش کسی نے بندگاڑی کا تعاقب کیا ہو جس میں وہ یہاں تک لایا کیا تھا۔

کھل ختم ہو گیا.... اور وہ لوگ بھی باہر نکل گئے....! صدر سوچ رہا تھا کہ وہ ان لوگوں کی اصل شکلیں نہیں ہو سکتیں۔ یقین طور پر وہ میک اپ میں تھے۔

"کیوں۔ کیا خیال ہے؟" کبڑے نے مسکرا کر پوچھا۔

"شاندار.... جتاب والا۔"

کئی کامنہ خوفزدہ انداز میں کھلا اور پھر بند ہو گیا۔ فیاض کمرے کے وسط میں رک کر اس کی

طرف مڑا۔

”تم بہت پریشان نظر آ رہی ہو۔“ اس نے کئی سے کہا۔

”نہیں تو....“

فیاض نے دوسرے کمرے کے بند دروازے کی طرف دیکھا چند لمحے اس پر نظر جائے رہا پھر پوچھا۔ ”کون ہے؟“

”وہ..... وہ..... لک کوئی بھی نہیں۔“ کئی ہکلائی۔

فیاض نے مکرا کر کہا۔ ”جو کوئی بھی ہو۔ اب اسے باہر نکال دو۔ میں کچھ دیر تم سے لفٹگو کرنا چاہتا ہوں۔“ کئی نے بے بی سے بند دروازے کی طرف دیکھا۔

”ہا۔ اس سے کہو کہ وہ باہر چلا جائے میں کچھ نہیں کہوں گا۔ تم ذر کیوں رہی ہو۔ ہا۔ کیا حمات ہے.... سنوڑیں... نہ تم شیریں ہو اور نہ میں فرہاد.... بس جی بہلانے کے لیے کبھی بھی مل بیٹھتے ہیں۔“ فیاض نے کہا اور سگریٹ کیس سے ایک سگریٹ نکال کر ہونزوں میں دباتا ہوا بلال۔ ”قی.....!“

کئی نے میٹل پیس سے لائزٹ اٹھا کر اس کی سگریٹ سلکائی اور پھر مضطربانہ انداز میں بند دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔

دفعتا فیاض نے بلند انداز میں کہا۔ ”تم جو کوئی بھی ہو فوری طور پر باہر نکل جاؤ ایک پولیس آفیسر کئی گراہم سے کچھ پوچھ چکے کرنا چاہتا ہے۔“ پھر اس نے کئی کی طرف دیکھا جو بے دلی سے مگر اڑی تھی۔ لیکن اچانک اس کا چہہ پہلے سے بھی زیادہ خوفزدہ نظر آنے لگا۔

فیاض دروازے کو گھوڑے جارہا تھا۔ دوسرا طرف سے کسی قسم کی بھی انداز سائی دی۔

آخر دھونہ جلا کر اٹھا اور دروازے کو اس زور سے ٹھوکر ماری کہ پورا کرہ جھینچنا اٹھا۔ دونوں پاں کھل گئے لیکن.... کمرے میں تو کوئی بھی نہیں تھا۔ پھر اس نے پورا قیمت چھان مارا۔ ”کون تھا؟ کہاں گیا؟“ وہ کئی کو گھوڑتا ہوا غصیلے لہجے میں بولا۔

”میرے خدا.... میں کیا کروں!“ کئی بھرائی ہوئی آواز میں بولی اور آنکھیں بند کر کے اپنی پہلیں سہلانے لگی۔

”بھوک گی ہے۔“

”ہے تو کچھ۔“ صدر پیٹ ٹھوٹا ہوا بولا۔

”آؤ....“ وہ اٹھتا ہوا بولا۔



رات کے بارہ بجے تھے۔ سیپن فیاض کی گاڑی گرین اسکوار کے سامنے رکی۔ انہیں بند کرے دہ نیچے اتر۔ یہ ایک شش منزل عمارت تھی۔ لیکن رات کو گیارہ بجے کے بعد لفت بند ہو جاتی تھی اور آنے والوں کو زینے استعمال کرنے پڑتے تھے خواہ چھوٹیں ہی منزل پر کیوں نہ جانا ہو۔

فیاض نے ایک طویل سانس لی۔ کیونکہ اسے چھوٹیں ہی منزل پر جانا تھا۔ منزل مقصود پر پہنچ کر اس سانس لینے کے لیے رکنا پڑا۔ چند لمحے کھڑا ہاتھ پر ہاپھر ایک دروازے کی طرح بڑھا۔ دیر تک گھٹنی بھائی پڑی۔ جب اندر سے قدموں کی آواز آئی۔ دروازے کے قریب کوئی رہا اور پھر ایک بھرائی ہوئی سی نسوائی آواز آئی۔ ”کون ہے؟“

”فف.... فیاض۔“

”مم.... مگر....!“ اندر سے کسی نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ پھر سننا چاہا گیا۔

”دروازہ کھولو... کئی.... میں کیپن فیاض ہوں۔“

”اس وقت.... مم.... میں.... ویکھے کیپن۔“

”پرواہ مت کرو۔ دروازہ کھولو دو۔ اگر تمہارا کوئی دوست اندر موجود ہے۔ تب بھی مجھے اعتراض نہ ہو گا۔“

اس نے سر گوشیاں سنیں۔ یقین طور پر اندر ایک سے زیادہ آدمی موجود تھے۔

”میا تم نے سنا نہیں۔“ اس نے اس بار تھیمانہ لجھے میں کہا۔

”ٹھٹھ.... ٹھبھریے!“ نسوائی آواز کے ساتھ ہی بولٹ گرنے کا کھنکا بھی سائی دیا۔ دروازہ کھل گیا۔ ایک لاکی جس کی عمر میں اور پچیس کے درمیان رہی ہو گی.... سامنے کھڑی نا آئی۔ اس کے جسم پر سلپنگ سوت تھا۔

”ٹھیلوکی۔“ فیاض نے مکرا کر سر کو خفیف سی جبٹش دی لیکن اس کا انتظار نہ کر سکا کہ لا راستہ چھوڑ کر ہٹ جاتی۔ بس درانہ اندر گھستا چلا گیا تھا۔

”کیوں؟“ فیاض غریباً۔

”خداجانے اب کیا ہو؟“ کیش نے سکی لی۔

”کیا کواس کر رہی ہو؟“

”پچھے نہیں.... پچھے نہیں.... آپ کیا پوچھنا چاہتے تھے.... میں بالکل یہی سمجھوں گی زیرے ہاتھوں میں ہٹھڑیاں ہیں اور میں ایک پولیس آفیسر سے جواب دی کر رہی ہوں۔“

اس کی آواز بھرا گئی اور دو موئے قدرے آنکھوں سے گالوں پر ڈھلک آئے۔

”دیکھو کٹی!“ فیاض نرم لمحے میں بولا۔ ”اس میں شہر نہیں کہ ہم دونوں دوست ہیں۔ مگر میں اپنے فرائض کو دستی سے زیادہ اہم سمجھتا ہوں۔ ویسے یہ کوئی ایسکی بات نہیں جس کے لیے تمہیں پریشان ہونا پڑے۔ مار تھا ہی سے متعلق پچھے دریافت طلب باتعلیٰ یاد آگئی ہے۔“

”م..... مار تھا..... مار تھا..... خدا اس سے سمجھے! میرے لیے مصیبت بن گئی ہے۔“

”آخر تم روکیوں رہی ہو؟“

”آپ کو جو پوچھنا ہو جلدی سے پوچھتے۔ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

”مز رپھٹا کیا کام سنائے کبھی! اور جو مدد و انصاف ہے....!“

”میں نہیں جانتی۔“

”اچھا تو وکھو...“ فیاض نے ایک طویل سانس لی اور پچھے سوچنے لگ۔ پھر بولا۔ ”تم اسے جانتی ہو۔ اچھی طرح جانتی ہو۔ اگر کوئی اس کے متعلق پوچھ گجھ کرے تو یہی بتانا کہ مار تھا اس کو مستقل گاہک تھی۔ وہ مدد و انصاف ہے۔ کہہ دینا شاید کسی اپتال میں ملازم بھی ہے۔ اپتال کا پوچھ جائے تو کہہ دینا معلوم نہیں۔ خود ذاتی طور پر اس سے داقف نہیں ہو۔ مار تھا ہی نے ایک بار تذکر کیا تھا۔“

”میں مار تھا کو بھول جانا چاہتی ہوں۔ میں اس کے متعلق کسی سے کوئی گفتگو نہیں کر سکتی۔ میں ہر گز کسی کو یہ نہیں بتاؤں گی کہ مار تھا کو جانتی بھی تھی۔ میں پھانسی کے تختے پر بھی اسے انکار کر دوں گی کہ تم مجھ سے اس کی تصویر لے گئے تھے۔“

”کیا بک رہی ہو؟“ فیاض نے آنکھیں نکالیں۔

”جل میں سڑنا گوارہ ہے لیکن سڑک پر ایڑیاں رگڑ کر مرنائیں رہیں۔ بُن سے باہر ہے۔“

”اوہ.... کیا مطلب؟“

”پچھے نہیں۔ بُن جاؤ۔ اس وقت میں بھی بھلا دوں گی کہ تم میرے گھرے دوست ہو۔.... ہم نے سینکڑوں خونگوار شامیں ساتھ گزاریں ہیں۔ اگر چاہو تو سزا بھی دے سکتے ہو مجھے۔ صحیح یا اسی دلت کسی کو بھیج دینا ہٹھڑیاں لگا کر لے جائے گا۔“

”ہمیاں تم نئے میں ہو۔ ڈار لگ۔“ فیاض بے نی سے مکر کیا۔

”مار تھا کے مسئلے پر پاگل بھی ہوں۔ کسی بات کا جواب نہیں دوں گی۔“

”یہ مت بھولو کر تم ایک ذمہ دار آفسرز سے اس لڑکی کے متعلق گفتگو کر رہی ہو جو قتل کر دی گئی تھی۔ جو تمہاری اتنی قربی دوست تھی کہ اپنے رومان کی یاد گاریں بھی تمہارے حوالے کر دیتی تھی۔“

”یہ قطعی غلط ہے کیپن۔“ کیش نے خنک لمحے میں کہا۔

فیاض کی پیشانی پر ٹکلیں ابھر آئیں اور وہ خاموشی سے اسے گھورتا رہا۔ کیش کے رویہ پر اسے حیرت تھی۔ اس روپ میں پہلے کبھی نہیں دکھائی دی تھی۔

پھر اب کیا ہو گا وہ سوچ میں پڑ گیا۔ رحمان صاحب کے سامنے ایک غلط بات زبان سے نکل گئی تھی۔ انہوں نے سوالات ہی اس انداز میں کئے تھے کہ وہ بوکھلا گیا تھا۔.... ورنہ مز رپھٹا کیا کا اس کیس سے تعلق ظاہر کرنا حماقت ہی تھی۔ حضن عقلی گد۔ اس نے حضن اس بنا پر اس کے بارے میں سوچا تھا کہ وہ ایک بد نام ٹڈوانگ تھی اور مار تھا ایک پولشہ قسم کی پیشہ ور لڑکی۔ وہ اس کے متعلق سوچتا رہا تھا اور سیکی بات رحمان صاحب کے سامنے بھی زبان سے پھسل گئی تھی۔

”وفتنادہ ہنس پڑا اور بولا۔“ میں سمجھ گیا۔ تم نئے میں ہو! خیر آرام کرو! پھر بات کروں گا۔ چلو اچھا بھی کسی.... اب تم بھول ہی جاؤ کہ مار تھا سے بھی تمہاری جان پہچان تھی۔.... مگر یہ تو بتاؤ وہ کون ہے جو تمہیں سڑک پر ایڑیاں رگڑ کر مرنے پر مجبور کرے گا۔“

”میں پچھے نہیں جانتی.... خدا کے لیے مجھے بورنہ کرو کیپن۔“ وہ پھر اپنی کنپیاں دبانے لگی۔

”اچھا اچھا۔“ فیاض نے سر ہلا کر نرم لمحے میں کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔.... اسے تو نہ تھی کہ اس طرح وہ اپنارویہ تبدیل کر دے گی۔ آواز دے کر اسے روکے گی.... لہذا وہ روگیں باہر نکلا چلا آیا۔ اب باہر نکل کر کنایا مڑ کر دیکھا بھی بری کی بات تھی۔ اس نے دروازہ بننے

ہونے کی آواز سنی اور دانت چیس کر رہا گیا۔
کئی کو وہ بہت دنوں سے جانتا تھا۔ اس کی دانست میں وہ ایک سادہ لوخ پیشہ در لڑکی تھی۔
لیکن اس وقت کیا ہو گیا تھا سے۔ اوہ... تو وہ کسی سے خائف تھی... اندر کون تھا جو اس طرح
غائب ہو گیا تھا۔ اس نے یقینی طور پر کچن کا دروازہ استعمال کیا ہو گا۔ جو عقیقی گیارے میں کھلتا تھا
یقچے آکر فیاض نے گازی سنبھال اور گھر تک پہنچنے کے لیے ایک ویران سڑک سے گزرا
پڑا... ڈیڑھ نج رہے تھے... بار و نف ترین سڑکوں پر بھی اکا دکارا ہرگیر نظر آ رہے تھے۔
پھر مژلان کی کراسگ سے ایک فرلانگ ہی آگے گیا تھا کہ ایک بیک پورے بریک لگانے
پڑے اور وہ انجن بند کر کے یقچے اتر آیا ہیڈ لیپ روشن ہی رہنے دیئے کیونکہ وہ چیزوں کی کے
دائرہ انکاس میں تھی جس نے اس طرح گازی روکنے پر مجبور کر دیا تھا۔
سیدھا رنگ کا ایک بندل جس سے دو انسانی بیبر باہر نکلے ہوئے تھے۔
فیاض چند لمحے اسے گھورتا را پھر آگے بڑھا۔
بندل میں جبکش ہوئی اور کوئی چکدار چیز اس سے باہر نکل کر روشنی میں آگئی۔ فیاض ٹھنک
گیا۔ یہ کسی نکل پولشدڑیوں والوں کی ناہی ہو سکتی تھی۔

”نہیں۔“ بندل سے غرائی ہوئی ہی آواز آئی۔ ”اپنے ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔“
غیر ارادی طور پر فیاض کے ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔ ورنہ اس نے بھی رویوالوں نکالنے کی کوشش
کی تھی۔ پھر اس کے سارے جسم میں ایک مٹھنڈی سی لہر دوڑ گئی۔ کتنا بھی انک چہرہ تھا... وہ اب
بھی کمل ہی میں لپنا ہوا سڑک پر پڑا تھا اور یوں اور پوری طرح باہر آ گیا تھا۔
”اپنے کام سے کام رکھنے کپتان صاحب! مار تھا کے قتل کی تفتیش آپ نہیں فرمائے۔“
خوفناک چہرے والے نے کہا۔

”تم مجھے دھمکیاں دے رہے ہو!“ فیاض بھی غریا۔
”مشورہ... جو ابھی دیا نہیں گیا۔ سنئے!“ خوفناک اجنبی نے جھنکار پیدا کرنے والی آواز میں
کہا۔ ”آپ بہت عقائد آدمی ہیں... لیکن شاید مار تھا کے قتل کے چکر میں پڑ کر آپ اپنا عہد
بھی کوہ بیٹھیں۔“
”یہ دھمکی نہیں ہے؟“ فیاض نے غصیلے لمحے میں پوچھا۔

”دھمکی نہیں سمجھی۔“ وہ کمبل پھینک کر سیدھا کھڑا ہوتا ہوا بولا۔ ”میں لوگوں کو جان سے نہیں
مزدہ نا ہیں جیلے ضرور بگاڑ دیتا ہوں۔ میری ٹھل دیکھ رہے ہوتا۔ مجھے سیمن سے سیمن چہرے پر
بھی رحم نہیں آتا۔ بھی میرا چہرہ بھی بہت حسین تھا۔ مگر وہ زہریلی تلوار مجھے آج بھی یاد ہے جس
نے... دیکھ رہے ہوتا...!“

فیاض آنکھیں پھاڑنے لگا۔ اس کا چہرہ پیشانی سے ناک کی نوک تک دو حصوں میں تقسیم
دکھائی دیتا تھا۔ ایک گھری لکیر تھی جو پیشانی کے وسط سے ناک کی نوک تک سیدھی چلی آئی تھی۔
اور ناک تو شاید پہلے ہی سے موٹی اور بھدی رہی ہو۔ یہ غالباً تلوار ہی کا ذخم تھا جو مندل ہو جانے
کے باوجود بھی اپنی گھری نشانی چھوڑ گیا تھا۔

ڈاڑھی بے تھا شہ بڑھی ہوئی تھی اور موٹھیں اتنی گھنی تھیں کہ ہوتا تکل چھپ گئے تھے۔
”یہ میری پہلی اور آخری وارنگ ہے... ویسے اگر تمہارا دل چاہے تو اپناریوں والوں بھی نکال
سکتے ہو... میں تمہیں کسی اندازی لڑکے کی طرح مارڈاں والوں گا... صرفت ہو تو نکال لو۔“

”میں تمہارے جغرافیہ پر غور کر رہا ہوں۔“ فیاض نے خوش مزاج اور لاپرواہ بننے کی
کوشش کی۔ ایسا لبھ احتیار کیا جیسے اسے صرف مسخرہ پن سمجھتا ہو۔

”میرا جغرافیہ یہ ہے کہ میں سر دیوں میں بھی۔ سطح سمندر سے لاکھوں فٹ کی اوپرائی پر پالا
جاتا ہوں۔ گرمیوں میں خط استوا پر ملوں گا... برسات اس لیے پسند نہیں کہ وہ خون کی برسات
نہیں ہوتی...“

”کیا تم ہی مار تھا کے قاتل ہو؟“
”وس ہزار بار... ہاں“
”قتل کی وجہ...؟“

خوفناک آدمی نے ایک دھشت ناک ساق تھبہ لگایا اور پھر بولا۔ ”بڑے قبل آفیسر ہو کپتان
صاحب۔ گویا میں نے اس وقت تمہیں اس لیے روکا تھا کہ میری زیارت سے فیض یا ب ہو جاؤ۔“
”کیا مطلب...؟“

”وجہ میں تمہیں بتا دوں گا۔ وجہ ہی چھپانے کے لیے تو میں یہ چاہتا ہوں کہ تم اس کیس میں
اتکھنے لگاؤ... دوسروں کو جھک مارنے دو اور پھر یہ کیس تو سر کاری طور پر بھی تمہارے پر د

مجھ پر ہاتھ نہ ڈال سکو گے۔ یہ دیکھو! یہ ریو اور بھی زمین پر ڈال دیا۔ اپناریو اور نکالو یا سے ہی اٹھا کر فائز کر دو مجھ پر...!

”یاد ہر بڑے دلچسپ معلوم ہوتے ہو!“ فیاض نے ہاتھ گرتے ہوئے کہا۔
”ہاں... ہاں... نکالو اپناریو اور...“ اجنبی بولا۔

”ازے نہیں۔“ فیاض خواہ خواہ نہیں پڑا۔ لیکن یہ حقیقت تھی کہ اس کا ہاتھ کوٹ کی سائیدہ پاٹ میں ریک گیا تھا۔ لیکن ریو اور نڈا رد... وہ چکر آگیا۔

”میں انڈھیرے میں بھی دیکھ سکتا ہوں کپتان صاحب! تمہارا ریو اور بھی میرے ہی پاس ہے۔ تم جب کئی کے پکن کے عقیبی دروازے سے نکل رہے تھے اس وقت میں پکن ہی میں نعمت خانے کے پیچھے موجود تھا... میں ذرا سا ہاتھ بڑھانا تھا۔ مگر کمال ہے کہ تم اپنی جیب کے وزن سے بھی غافل ہو جاتے ہو... بھی واقعی کمال ہے...“

فیاض بری طرح جھلا گیا اور اسی جھلاہٹ کے عالم میں چھے ہی اس کا ریو اور اٹھانے کیلئے جھکا۔ آنکھوں میں تارے ناچ گئے۔ گھونسہ نہیں پہلا تھا جو باسیں کئی پر چھٹ پڑا تھا۔ پھر ذہن بدر تریک ”ناچو ستارو... ناچو... اب چاند نکلنے والا ہے۔“ کی تفسیر ہی بتا چلا گیا۔ فیاض لمبڑا اور سڑک پر ڈھیر ہو گیا...!

O

صفدر ایک بار پھر اسی بند گاڑی میں سفر کر رہا تھا۔ پتہ نہیں یہ واپسی کا سفر تھا یا اب اور کہیں لے جایا جا رہا تھا۔

کبڑے کا تریک و احتشام دیکھ کر اس کی عقل چکر اگئی تھی۔ کھانے کی میز بھی معنوی نہیں تھی۔ کبڑا صدر نہیں تھا اور اس کے ساتھ صدر کے علاوہ پچاس آدمی اور بھی بیٹھے تھے لیکن یہ سب بھی میک اپ ہی میں معلوم ہوتے تھے۔

آخڑ میں کبڑے نے بڑی حقارت سے پوچھا تھا۔ ”تم آخر میرے لیے کیا کر سکو گے؟“
”جان تک دے سکتا ہوں۔“ صدر نے بڑے خلوص سے کہا تھا۔

”جان لے کر کیا کروں گا۔ کیا فائدہ؟“

”ہر امتحان کے لیے حاضر ہوں۔“ صدر نے پھر بعد خلوص سے کہا۔

”نہیں کیا گیا۔ ابھی پولیس ہی کے زیر تفتیش ہے۔“
”تو پھر...؟“

”اگر تم نے ہاتھ لگایا تو شاید وجہ بھی معلوم کر لو... کیونکہ تمہارے علاوہ اور کون ہے بیہاں کے آفس میں...! بہر حال میں یہ تو پسند کر سکتا ہوں کہ خود پھانسی پر لکھا یا جاؤں لیکن قتل کی وجہ کا راز... وہ میری زندگی سے بھی زیادہ قیمتی ہے... بل اسی سے اندازہ کرلو... اس کی اہمیت کا۔ اگر میں پولیس کے ہاتھ لگ بھی جاؤں تو بلاشبہ اعتراف جرم کر لوں گا لیکن وجہ جرم غالباً جہنم کے فرشتے بھی مجھ سے نہ معلوم کر سکیں۔“

فیاض پکھنے بولا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب کیا کرنا چاہئے وہ تو ریو اور نکال لینے کی بھی دعوت دے چکا تھا.... خواہ خواہ کسی قسم کا خطہ مول لینا بھی حماقت ہی تھری۔ کیون نہ اسے دم دلاسہ دے کر کسی دوسرا سے جکڑا جائے۔

”تم یہ بھی نیک ہی کہتے ہو کہ کیس ابھی تک میرے پاس نہیں آیا لیکن یہ معاملہ بہت آگے بڑھ چکا ہے۔ ڈاڑھیکر جزل بھی جانتے ہیں مار تھا کے قتل کے بارے میں۔“

”سارا زمان جانتا ہے پھر اس سے کیا؟ مجھے صرف وجہ چھپائی ہے...!“

فیاض نے سوچا کہیں۔ ہی تو نہیں دھکتا تارہ کائی کو بھی...!

”میں مار تھا کے متعلق کچھ نہیں جانتا۔“ فیاض نے کہا۔ ”لیکن...!“

”جن کے ذریعہ کچھ معلوم ہو سکتا ہے اسے بھی میں نے خاموش کر دیا ہے۔ نہیں مانے گی تو اس کا بھی مار تھا ہی کا سا سحر ہو گا۔“

”اوہ... تو کیا اس وقت تم ہی تھے کئی کے فیٹ میں؟“

”یقیناً... میں ہی تھا۔“

”مزہ پھٹا کیا کو جانتے ہو؟“ فیاض نے غیر ارادی طور پر پوچھ لیا۔ ”وہ تم تو تھی میز نی ہوم میں مدد و انصاف ہے۔“

خوفناک اجنبی نے بے ہنگم سا تھکہ لگا کر کہا۔ ”زندہ دل بھی معلوم ہوتے ہو۔ نہیں مجھے آج تک کسی مدد و انصاف کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی کیونکہ وانگ ہی نہیں رکھتا۔ اب تم مجھے ادھر ادھر کی باتوں میں الجھا کر کوئی حرکت کرنا چاہئے ہو کپتان صاحب! لیکن تم غفلت میں ہی

"اچھی بات ہے۔" کبڑا مسکرایا۔ "امتحان بھی ہو جائے گا۔ مگر کیسا.... جنم میں چھالاگھ لگانے کو نہیں کہوں گا۔ بہت ہی معمولی سا امتحان ہوتا ہے۔"

"چجھ بھی ہو...!" صدر نے ضدی پنجوں کے سے انداز میں سر ہلا کر کہا تھا۔

"لاؤ... ریوالور نکالو۔"

صدر نے کسی پچکاپاٹ کے بغیر جیب سے روپور نکال کر اس کے حوالے کر دیا تھا۔

"نشانہ کیسا ہے؟" کبڑے نے روپور کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا تھا۔

"کوئی بڑا عوی اتو نہیں کر سکتا۔ لیکن اچھا ہوئی نہیں کی گیند پر بھی کم ہی خطا ہوا ہے۔"

"اچھی بات ہے تو میں یہ چائے کا کپ اچھائے جارہا ہوں۔ زمین پر گرنے سے پہلے ہی اسے ٹوٹنا چاہئے۔"

کبڑے نے روپور دوبارہ اسے واپس کر کے میز سے چائے کا ایک کپ اٹھایا تھا اور فضائل اچھاں دیا تھا۔ لیکن زمین پر گرنے سے پہلے ہی اس کے ٹکڑے چاروں طرف بکھر گئے تھے اور روپور سے نکلی ہوئی گولی نے ایک قد آدم تصویر کا کیوس بھی پھاڑ دیا تھا۔

"ٹھیک ہے۔" کبڑے نے پسندیدگی ظاہر کر کے کہا تھا۔ "لیکن اسے امتحان سے کچھ بیٹھنا۔ اور پھر وہ ہاں سے روانہ ہو گئے تھے... لیکن اس بار صدر بند گازی کے عقبی حصے میں تھا نہیں تھا۔ کبڑا بھی اس کے ساتھ تھا۔ صدر بری طرح چکرایا ہوا تھا کہ آخر یہ سب کیا ہے؟ دفعتاً کبڑے نے کہا۔" کیا تم راہ چلتے کسی کو گولی مار سکو گے؟"

"ممکن ہے..."

"کبڑے گئے تو..."

"ویکھا جائے گا۔" صدر نے کہا۔ "مجھے اس کی پرواہ نہیں ہوتی کہ آنے والے لمحات کیے گزریں گے۔"

"ٹھیک ہے۔ لیکن اگر کوئی کام احتیاط سے کیا جائے تو تم اس سے بھی بے نیاز ہو سکتے ہو کہ آئندہ لمحات میں کیا ہو گا۔ اب تم اپنے پاس سائیلنسر لگا ہو اور روپور کھا کرو۔"

"مگر گولی کے مارنی ہے.... کیا ضروری ہے کہ سڑک پر ہی بازی جائے؟"

"وہ موقع نہیں دیتا۔ چھلاہو ہے.... اس لیے یہی مناسب ہے کہ جہاں بھی نظر آئے ڈا

گولی مار دو۔"

"کیا پہلے بھی کبھی کوشش کی گئی تھی؟"

"کئی بار.... لیکن تمہارا نشانہ اچھا ہے.... مجھے ابھی تک تمہارے جیسا کوئی نشانہ باز نہیں مل سکتا۔"

"اب جلدی سے تباہی بھی کہ وہ کون ہے۔ میری بے چینی بڑھ رہی ہے۔ خون کی پیاس؟"

صدر اس طرح خٹک ہو نہیں پر زبان پھیرنے لگا جیسے سچچا ہو بڑی پیاس محسوس کر رہا ہو۔

گازی کا یہ حصہ تاریک نہیں تھا ایک چھوٹے سے بلب کی روشنی میں وہ ایک دوسرے کا پھر بخوبی دیکھ سکتے تھے۔

کبڑے نے تھیس آمیز لبجھ میں کہا۔ "ویری فائیں! تم یہ کام کر سکو گے.... خیر... ہاں وہ آدمی لاکھوں میں بھی پیچانا جا سکتا ہے۔ جہاں بھی نظر آئے بے دریغ گولی مار، یا خواہ ہزاروں کے مجمع میں ہو۔ تھیس چنانی سے بچانا ہمگ دی گریٹ کا کام ہو گا۔"

"ہمگ دی گریٹ۔" صدر نے متھیر ان انداز میں پلکیں جھپکائیں۔

"اوہ.... میں ہمگ دی گریٹ ہوں۔" کبڑے نے تن کر شاہزادہ قابس سے کہا۔

صدر نے بدقت بھی ضبط کی اور پھر اس آدمی کا اتنا پتہ پوچھنے لگا جسے گولی مارنی تھی۔

"وہ بڑی آسانی سے پیچانا جا سکتا ہے۔" کبڑا بولا۔ "اس کا پیچہ پیشانی سے ناک کی نوک تک وہ حصوں میں تقسیم ہے۔" صدر نہیں پڑا۔

"تم نہ رہے ہو۔" کبڑا سے گھورتا ہوا سانپ کی طرح پھٹکا دار۔ "کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں؟"

اس بار صدر نے پھر بوكھلاہٹ کی ایکنگ شروع کر دی۔ "نن.... نہیں.... جتاب.... کم.... مطلب یہ کہ ایسا چہرہ.... یعنی کہ وہ حصوں میں.... تھا...!"

"ہاں.... وہ ایسا ہی چہرہ ہے.... جسے غالباً سکوار کے لمبے زخم نے بگاڑا ہوا گا.... کیا ایسا آدمی ہزاروں میں نہیں پیچانا جا سکتا؟"

"بالکل.... بالکل جناب.... اب پتہ تباہی۔"

"پتہ ہی تو نہیں معلوم.... ورنہ وہ تمہارے انتظار میں کب زندہ رہتا؟" بھی کاٹھکا نے لگ

انہوں نے صدر کو زمین پر گرا لیا تھا اور تم آدمی اسے دبوچے ہوئے تھے۔ وہ ان کی گرفتے کل جانے کے لیے بڑی طرح ہاتھ پیر مار رہا تھا۔ کیا ذکر کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اس نے سوچا اور پھر بالکل پاگلوں کے سے انداز میں جدوجہد شروع کر دی لیکن اب دبوچے والوں میں پوچھنے آدمی کا اضافہ ہو جانے کی بنا پر چھکارا مشکل ہی نظر آتا تھا۔

”ہمگ دی گریٹ!“ صدر حلق پھاڑ کر دہاڑ ”یہ کیا یہودگی ہے ذلیل۔ کہیں۔ دھونکے باز۔“

ہمگ کا قہقہہ سنائے میں گونجا اور پھر اس نے چھتے ہوئے لجھے میں کہا۔ ”یہ امتحان ہے۔“
”کیسا امتحان.... چھوڑو مجھے....!“

”مجھے وہ لوگ سخت ناپسند ہیں جنہیں مجھ پر غصہ آجائے.... میرے کسی وفادار کو مجھ پر بھی غصہ نہیں آتا.... ہاں.... چلاوٹاھا....!“

بس پھر صدر جھولا جھوتا ہوا نظر آیا۔ اس کے ہاتھ پیر و سروں کے ہاتھوں میں تھے اور وہ خاء میں اس طرح جھکو لے کھا رہا تھا جیسے وہ اسے کہیں دور پھیک دینے کا ارادہ رکھتے ہوں۔
صدر پھر دہاڑ۔

”بری بات۔“ ہمگ نرم لجھے میں بولا۔ ”میرا احترام کرتا یکھو۔ اب تو بار بار تمہارا امتحان لیا جائے گا۔ جب میں دیکھ لوں گا کہ اب تمہیں مجھ پر غصہ نہیں آتا تو.... امتحانات کا سلسلہ ختم اور اصل کام شروع.... مگر دیکھو.... اس آدمی کی تلاش سے غافل نہ رہنا.... اچھا خدا حافظ۔“
آخری جھکوادے کر انہوں نے صدر کو چھوڑ دیا۔

”چھاک۔“ صدر نے اپنے گرنے کی آواز سنی۔ اور پھر وہ دلدل میں دھنستا ہی چلا گیا۔۔۔ اس ٹھنڈی رات میں وہ برف ہی کی دلدل معلوم ہو رہی تھی۔ بدقت تمام وہ اپناسر پچاس کا۔ کہیاں ٹھوس زمین سے ملک گئیں۔ دلدل گہری نہیں تھی ہو سکتا ہے کسی تالاب کا کنارا ہی رہا ہو۔

جان میں جان آئی۔ ورنہ وہ تو سمجھا تھا شاید اب وہ اسے ذکر ہی کر دیں گے۔ پھر کہاں کا غصہ اور کہاں کی جھلاہٹ.... اس کے رندھے ہوئے حلق سے ایک تیز قسم کا قہقہہ آزاد ہوا۔۔۔ جس میں بچارگی بھی شامل تھی اور غیر متوقع طور پر جان فتح جانے کی خوشی بھی۔

”شabaش!“ دوسرے ہمگ کی آواز آئی۔ ”ضرور چلو گے.... غصہ تو نہیں آیا مجھ پر؟“

”گرازی اشارت ہونے کی آواز آئی....!“

چکا ہوتا بن کبھی کبھی نظر آ جاتا ہے۔ لیکن خطرات کی بوائی طرح سوگھتا ہے جیسے نہ لیسا پر کی....!“

”اوہ.... اچھا میں دیکھوں گا۔ کیا آپ نے اس پر کبھی سائلنر لگا ہوار یا الور نہیں استعمال کیا....?“

”تین بار۔ لیکن اس کے سدارے اچھے ہیں۔ اسے تلاش کر کے مارتا ہے اگر پکڑے گئے تو پھانسی سے بچانے کی ذمہ داری میری نفع کر نکل آئے تو.... ہااا.... زندگی بھر عیش کرو گے۔ ہمگ دی گریٹ کے معمولی وفادار بھی شاہنہ زندگی بر کرتے ہیں۔“

”اچھی بات ہے۔“ صدر نے ایک طویل سانس لی۔

”مگر.... یہ بھی امتحان نہیں ہے۔“ ہمگ نے خنک لجھے میں کہا۔

”ارے تو پھر وہی بتائیے تا۔“

”ا بھی ہو جائے گا امتحان بھی۔“ ہمگ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

پھر وہ دونوں ہی خاموش ہو گئے۔ گاڑی یکساں رفتار سے راستے کر رہی تھی۔

صدر سوچ رہا تھا.... چکر ہی چکر.... پہلے اس ہمگ کی اس طرح تلاش تھی جیسے گھاں کے گھرے سے سوئی ڈھونڈنکالنی ہو اور اب یہ مردود بھی کسی ایسے ہی آدمی کی تلاش اس کے ذمے ڈال رہا ہے جس کی جائے رہائش کا پتہ نہیں۔

دفتہ اس نے محسوس کیا کہ گاڑی کی رفتار نبتابم ہو گئی ہے۔ پھر وہ کسی جگہ رک ہی گئی۔

باہر سے کئی قدموں کی آوازیں آئیں.... اور گاڑی کا عقبی دروازہ کھلا۔

”اڑو۔“ ہمگ نے صدر سے کہا۔

صدر بے چوں وچ اڑا آیا۔ یہ دیرانے سے گزرنے والی کوئی سڑک تھی۔ چھ آدمی ہیاں غالباً پہلے ہی سے موجود تھے۔

صدر سوچ رہا تھا کہ اب کیا ہو گا.... کہ وہ سب اس پر ٹوٹ پڑے۔

”ارے.... ارے....“ وہ یوکھا لکر پیچے ہٹا۔ گھیرنے والوں کا حلقة تھا ہو چکا تھا اس لیے ہاتھ پیر ہلانا بھی دشوار ہو گیا۔ گویا بے خبری ہی میں مارا گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہمگ ایسی شاندار مہمان نوازی کے بعد اس طرح پیش آئے گا۔



خبر سننی خیز تھی اور غالباً ہر روز نامے میں شائع ہوئی تھی۔

کمپنی فیاض نے بھی اسے دیکھا اور ایک طویل سانس لی۔ وہ ناشتے کی میز پر تھا۔ چائے فخر کے سگر یہ سلاکی....!

”فون ہے سر کار۔“ ایک ملازم نے آگر اطلاع دی۔

فیاض برا سامنہ بنائے ہوئے انٹھ گیا۔ اس کی بیوی کہہ رہی تھی۔ ”کسی وقت سکون نہیں ملتا،“ فیاض فون والے کمرے میں آیا۔ ”بیلو...!“

دوسری طرف سے رحمان صاحب کی آواز سن کر چہرے کارگنگ اڑ گیا۔

”یہ کیا ہوا بھی؟“ انہوں نے نرم لمحے میں پوچھا۔

”میا عرض کروں جتاب۔“ کچھلی رات زیر و روڑ سے گذر رہا تھا اچانک پچھلا پہیہ برستا گیا۔ گاڑی روکنی پڑی۔ پھر اتر اہی تھا کہ تمین چار آدمی بے خبری میں ٹوٹ پڑے۔ دوسری بار ہوش آنے پر خود کو سول اسپتال میں پایا تھا۔ پانچ سوروپے جیب میں تھے جن کا پتہ نہیں۔“

”چوت تو نہیں آئی۔“

”اسی پر توجہ رکھتے ہے جتاب!“ فیاض نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”پتہ نہیں میں کے بیویش ہو گیا تھا۔“ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ سسٹم پر کسی خواب آور چیز کا اثر بھی نہیں معلوم ہوتا کہ یہ ممکن نہیں جتاب کہ اخباروں پر کچھ پابندیاں عائد کردی جائیں۔“

”کسی پابندیاں...؟“

”پولیس سے متعلق ایسی خبریں نہ شائع کی جائیں جس سے پولیس کی بے و قعیتی ہو۔“

”خیال نہیک ہے۔ کوشش کی جائے گی۔“

”چار بجے میں نے اسپتال میں طلقہ کے انپکٹر کو اس واقعہ کے متعلق بتایا تھا اور من کے روز ناموں میں خرد کیکے لیجئے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے یہ خبر بڑی اہم رہی ہو۔“

”ہوں... ایسا نہ ہونا چاہئے۔“

”میں ابھی خود ہی حاضر ہونے والا تھا۔“

”کوئی خاص بات؟“

”جی ہاں... وہ دیکھتے میرا خیال تھا کہ شاید مار تھا کا تعلق مزر پھٹا کیا سے بھی رہا ہو۔“

”تو پھر؟“

”کچھلی رات میں اسی کے متعلق چھان میں کر رہا تھا لیکن کوئی ایسا ثبوت نہیں مل سکا۔“

مطلوب یہ کہ مار تھا کا مزر پھٹا کیا سے کسی قسم کا تعلق نہیں ثابت ہو سکا۔“

”خیر۔ چھوڑوادے... اگر ممکن ہو تو یہیں چلے آؤ... وہ کجھت درد سر بن کر رہا گیا ہے۔“

”ابھی حاضر ہوا جتاب!“ فیاض نےطمینان کی سانس لی اور دوسرا طرف سے سلسہ مقطع ہونے کی آواز سن کر رسیور کھو دیا۔

رحمان صاحب آٹھ ہاؤز کے قریب لان ہی پر ملے۔ غالباً ناشتے کے بعد چہل قدمی کے لیے نکلے تھے۔

”میں نے اس مسئلے پر بہت سوچا ہے فیاض! لیکن عقل کام نہیں کرتی۔“ رحمان صاحب نے کہا۔ فیاض کچھ نہ بولا۔ رحمان صاحب کہتے رہے۔ ”وہ خود کو فلم ڈائریکٹر سمجھنے لگا ہے پتہ نہیں لئے کہ اٹھ پانگ فلموں کے نام لے کر کہتا ہے کہ وہ میری ڈائریکٹ کی ہوئی ہیں۔“

”دیکھتے کب یادداشت واپس آتی ہے۔“ فیاض نے مسمی صورت پا کر ٹھنڈی سانس لی۔ اس وقت وہ بہت مفعکہ خیز لگ بھاگا۔

رحمان صاحب نے اسے گھوکر دیکھا اور وہ مزید بوکھلاہٹ میں بٹلا ہو گیا۔

”میں دراصل اس تصویر کے متعلق بھی سوچتا رہا ہوں۔“ انہوں نے کہا۔

”اے... وہ کچھ نہیں! پتہ نہیں قصہ کیا ہو رہا ہو!“ فیاض جلدی سے بولا۔

”نہیں... میں مطمئن نہیں ہوں....“

فیاض نے پھر سنجالا لیا اور پیشانی پر ٹکنیس ڈال کر متفرگانہ لمحے میں بولا۔ ”جی ہاں! یہ بات کوئی نہیں آتی... فلم ڈائریکٹر سمجھنے لگے ہیں خود کو۔ میرا خیال ہے کہ انہیں فلموں سے کبھی پہنچ نہیں آتی اور نہ کبھی میں نے انہیں فلمی قسم کے لوگوں کے ساتھ ہی دیکھا ہے۔“

”اس سے کچھ نہیں ہوتا۔ ایسے کیوں میں عموناً صحیح الدلائی کی حالت کے ہوائی قلعے بھی

!”رنماہیتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ فلمی زندگی سے اپنی واپسگی کے متعلق ہوائی قلعے بتا رہا ہو۔“

”سوچا بھی نہیں جا سکتا جناب....! فلی زندگی کے متعلق ہوائی قلعے....!

”نا ممکن نہیں ہے۔ البتہ کسی آدمی کو سمجھنا بہت مشکل کام ہے۔ میں ایک ایسے انتہائی دوسرے مند آدمی کو جانتا ہوں جو اپنے ٹیڈی ماسٹر ہونے کے متعلق ہوائی قلعے بنایا کرتا ہے۔ یقیناً بننے لیے بارہ ہے.... لیکن وہ بہر حال اسی قسم کے ہوائی قلعے بناتا ہے۔“

”خدا جانے....“ فیاض نے پھر سختی سائنس لی۔

رحمان صاحب نے کوٹ کی اندر ونی جیب سے ایک کنجی نکالی اور اسے فیاض کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔ ”یہ رہی اس کے کمرے کی کنجی۔ لیکن یہ مجھے ہی واپس ملنی چاہئے۔ جا دیکھو ممکن ہے تم ہی کچھ کار آمد ثابت ہو سکو۔“

فیاض نے ایسے انداز میں کنجی سنبھالی جیسے یہ اس کے لیے کوئی بہت برا اعزاز ہو۔ پھر عمران کے کمرے تک بآسانی پہنچ گیا۔

قل میں کنجی گھمائی ہی تھی کہ اندر سے بڑی پروقار آواز آئی۔ ”لیں..... کم ان....!“ دروازہ کھلا۔ عمران اس طرح میز پر بیٹھا کام کرتا ہوا نظر آیا جیسے کسی فرم کا متجر اپنے الگ تھال آفس میں کوئی بہت ہی اہم کام سر انجام دے رہا ہو۔

فیاض دروازہ بولٹ کر کے مکر اتنا ہوا اس کی طرف بڑھا۔

”ترشیف رکھئے۔“ عمران نے سامنے رکھی ہوئی کرسی کی طرف اشارہ کیا اور ہاتھ لٹایا بولا۔ ”فرمائیے.... میں کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“

فیاض خاموشی سے بیٹھ گیا اور بڑی سنجیدگی سے اسے گھوڑا تارہا۔

”کچھ فرمائیے بھی جناب!“ عمران نے آتائے ہوئے لجھے میں کہا۔ ”میں بہت مشغول اہل ہوں۔“

”مار تھا کا قتل....“ فیاض اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بڑا بڑا۔

”اوہ.... تو آپ اشوری رائٹر ہیں۔“ عمران نے سنجیدگی سے کہا۔ ”لیکن افسوس ہے مگر ہم جاؤں فلم نہیں بناتے.... کوئی سماجی کہانی لایئے۔“

”کسی نے مار تھا سے رومان بھی لایا تھا۔“

”کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جاؤں جاؤں جاؤں جاؤں لایا جائے۔“

ہانی اور اسلامی کہانی لا یے۔ گھر بیوی کہانیاں آج کل خوب چلتی ہیں۔ لکھنے لکھنے لکھنے لکھنے ایسی کہانیاں بھی

لکھنے... اچھائیں آئیندیاں دیتا ہوں۔ آپ اسے ڈیوب کر لجئے۔
”دونوں نے ایک تصویر بھی ساتھ ہی کھنچوائی تھی۔“

”بیری کھال بھی کھنچوائی تھی۔“ عمران جھلاہست میں میز پر ہاتھ مار کر بولا۔ ”اور آپ کی عقل میں بھس بھرو دیا تھا۔ آپ بیری بات کیوں نہیں سنتے۔ کہہ دیا ایک بار کہ اور جاؤں کہانی نہیں طے گی....!“

”وہ تصویر بیرے ہاتھ لگ گئی ہے۔“ فیاض مسکرا یا۔
”چپر اسی....“ عمران گھنٹی پر ہاتھ مار کر دہڑا۔

”یہ تو بالکل نہیں چلے گی پیدا ہے۔“ فیاض نے باسیں آنکھ دبا کر کہا۔
”اوہ.... دو.... خاموش رہو!“ عمران دانت پیس کر مکاڈ کھاتا ہوا بولا۔

”اچھی بات ہے۔“ فیاض نے سختی سائنس لی۔ ”چلے ہاتھے آئیندیاں میں ڈیوب کروں گا۔“ عمران نے پہلے تو سختی سے ہونٹ پر ہوت جا لیے۔ پھر بولا۔ ”گھر بیوی تصویر کے لیے ایک بالکل ہی نیا آئیندیا ہے میرے ذہن میں....!“

یک بیک کسی نے دروازے پر دستک دی اور عمران سلسلہ جاری نہ رکھ سکا۔ فیاض نے اٹھ کر دروازہ کھوڑا۔ یہ گھر رحمان سامنے کھڑی تھیں۔ فیاض نے بڑے ادب سے سلام کیا۔
”وہ اندر چلی آئیں۔ لیکن فیاض کو خونخوار نظر دوں سے گھور رہی تھیں۔“

”اب بتاؤ۔“ وہ کچھ دیر بعد بولیں۔ ”کون بتا ہے اس کی بربادی کا باعث۔“
”میں نہیں سمجھا بیگم صاحب۔“ فیاض گڑ گڑایا۔
”تم ہی اسے اپنے ساتھ لے جایا کرتے تھے۔“

”مگر یہ تو فلم ڈاڑھیکڑھ ہو گئے ہیں بیگم صاحب.... میں نے کبھی فلم....!
”خنوں باتیں نہ کرو۔“ وہ خیف سی آواز میں بولیں۔

”بیٹھ جائیے.... بیٹھ جائیے....“ فیاض جلدی سے کری کھکھاتا ہوا بولا۔
”ترشیف رکھئے نیک دل خاتون۔“ عمران نے نہایت ادب سے جنک کر کہا۔ پھر فیاض سے بولا۔ ”ہپتال میں ان کا وجود باعث رحمت ہے....!“

بیانے فیاض کو عمران کے کمرے میں دیکھا تو اس کا غون بھی جوش کھانے لگا کیونکہ اس کی دانت
میں بھی عمران کو غلطراہوں پر ڈالنے والا تھی تھا۔
وہ کمرے سے نہیں گئی....

عمران فیاض سے کہہ رہا تھا۔ ”ہاں.... اسلامی فلموں کا آئیندیا بھی رہا نہیں ہے۔ مگر چالو تم
کے ذاکر کیٹھ اسلام کی بھی مٹی پلید کر دیتے ہیں اور فلم کی بھی۔ حال ہی میں ایک فلم دیکھی تھی
میں نے جس کے باشاہ سلامت غیر قوموں کے سرداروں کو اپنے دربار میں مدعا کر کے
تلخی کارکرتے تھے.... اف فو.... ان کی تقریر کا انداز۔ بالکل یہی معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی فٹ
پاٹھی حکیم جمع لگائے سرمد تھج رہا ہو۔“

”مگر میں تو مار تھا ہی کی کہانی فلماؤں گا۔“ فیاض نے کہا۔
”تم میری طرف سے جہنم میں جاؤ اور قلو پڑھہ فلماؤ۔“

”مار تھا کی ایک سکیلی بھی تھی۔ جس سے مجھے ایک ایسی تصویر ملی ہے.... کہ....؟“
”ٹھہر و دوست!“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میں سن لوں گا کہانی.... لیکن کچھ ایڈوانس لیے
پہنچ کہانی نہیں سنایا کرتے سمجھے! فرض کرو میں سن لوں تمہاری کہانی اور کہہ دوں کہ یہ نہیں
پڑھی پسند نہیں آئی.... اور پھر یہ کہانی خود ہی لکھ کر چلا دوں تو تم میر اکیا گاڑ لو گے بولو
.... سلاما لکم....!“

”میں یقین نہیں کر سکتا کہ تم اپنی یادداشت کھو بیٹھے ہو۔“

”یہ آئیندیا بھی پرانا ہو چکا ہے کئی فلمیں بن چکی ہیں یادداشت کھو بیٹھنے کے موضوع پر!“
”بڑی مشکلات میں چھپنے والے ہو۔ سنبھل جاؤ۔“ فیاض آنکھیں نکال کر بولا۔

”تم زمین میں دھننے والے ہو! نکل جاؤ۔“ عمران نے آغا حشر اشائیل میں گردہ لگائی۔

”رحمان صاحب بہت پریشان ہیں.... تم سمجھتے کیوں نہیں۔“

عمران گھٹھی پر ہاتھ مار کر دہاز۔ ”چڑا ای۔ صاحب کو اٹھا کر سڑک پر پہنچا دو۔“

غرضیکہ یہ بک جھک خاصی دیر تک جاری رہی اور فیاض بے نسل و مرام وابس ہوا۔

یہ سب کچھ تو تھا ہی.... لیکن حقیقت یہ تھی کہ فیاض کا ذہن اس خوفناک چہرے والے
آدمی میں الجھارہ تھا.... کون تھا؟ اور اس کے بیہوش ہو جانے کے بعد اس نے گاڑی کا ایک پہیہ
بیہاں عمران کیپن فیاض سے الجھ پڑا تھا اور بیگم صاحبہ انھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔

”تم چپ رہو....“ بیگم صاحب نے اسے ڈاٹ دیا اور فیاض سے بولیں۔ ”اب اتنا کر در
اسے بیہاں سے کہیں اور لے جاؤ۔ ورنہ وہ اسے زندہ نہ رہنے دیں گے....!“
بیگم صاحب کی آواز بھر آگئی۔

”ڈاکٹر صاحب کا تذکرہ ہے شاید۔“ عمران نے آنکھیں نکال کر کہا۔ ”اوہ خدا کی پناہ.... ای
آدمی آج تک میری نظر سے نہیں گزرا.... ڈاکٹری بھی کریں گے اور ہیر و بھی نہیں کرے گے....
میں کہتا ہوں کسی اسٹٹ فلم میں جلاو کے روں میں چلا دوں گا تو.... مارنے دوڑتے ہیں....
آپ خود سوچنے جاتا.... اس عمر کا ہیر و.... ہونہہ!“

”چپ رہو۔“ بیگم صاحب نے بھر ڈال۔
”آپ کہتی ہیں تو چپ ہی رہوں گا۔“ عمران نے بے نی سے کہا اور سعادت مندانہ انداز
میں سر جھکالیا۔

”انہوں نے تمہیں بیہاں کیوں بھیجا ہے۔“ بیگم صاحب نے فیاض سے پوچھا۔
”ان کا خیال ہے کہ.... یہ حضرت....“ فیاض نے جملہ اوہ سوراہی چھوڑ دیا۔
”ہاں.... ہاں! یہ بن رہا ہے۔ بھی خیال ہو گا۔ خدا ایسے جلادوں کو اولاد نہ جانے کیوں دیتا
ہے۔“

ٹھیک اسی وقت جب یہ گھنگو ہو رہی تھی۔ لان پر جوزف شریا کے سامنے ہاتھ جوڑے کھڑا
گر گزارا تھا۔

”میں مرجاوں گا۔ خدا کے لیے بس کی صرف ایک جھلک دکھادو۔ میں نے تین دن
سے انہیں نہیں دیکھا۔ رحم کر دی میرے حال پر....“

”اگر انہوں نے پھر تمہاری مرمت شروع کر دی تو....“
”اس کی فکر نہ کرو میں! وہ مجھے مار رہی کیوں نہ ڈالیں.... لیکن.... میں.... بس خدا کے
لیے مجھے ان کے پاس جانے کی اجازت دلوادو۔“

”نؤییہی مجھے بھی شوٹ کر دیں گے۔ نہیں یہ ممکن نہیں ہے۔ تم اپنی کو خفری میں جاؤ۔“
نے کہا اور اسے وہیں چھوڑ کر اندر چلی آئی۔
بیہاں عمران کیپن فیاض سے الجھ پڑا تھا اور بیگم صاحبہ انھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔

اس کے ہاتھ بیڑ قابو میں نہیں ہیں۔ کہا بے خری میں گاتا ہی رہا اور غنڈہ اس کے سر پر پہنچ گیا۔
پشت پر تھا اس لیے کہا اب بھی بے خبر ہی رہا۔

دفعنا غنڈے نے اس کے کوبڑ پر اس زور کا ہاتھ رسمید کیا کہ فلت ہیٹ پیشانی کے نیچے سرک آئی۔ آواز حلق ہی میں گھٹ کر رہ گئی اور وہ اس طرح سمت گیا جیسے کوئی موی موسے دباو پڑ کر پچ گیا ہو۔

غنڈہ دہاز۔ ”ابے یہ کوئی بھیار خانہ ہے... کیوں؟“

کہڑے نے آہستہ آہستہ گردن انھائی... اور پھر وہ کوئی سالخوردہ سارس ہی معلوم ہونے لگا۔ لیکن وہ سامنے خلامیں گھورے جا رہا تھا۔ اس طرح کہ چلیاں بھی جنبش نہیں کر رہی تھیں۔ پلکیں جھپکانا تو دور کی بات ہے۔

غنڈہ بڑا باتا ہوا کاؤٹر کی طرف چلا گیا۔ صدر کہڑے ہی کو گھورے جا رہا تھا۔

یک بیک وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا اور کاؤٹر کی طرف مزکر گو خیلی آواز میں چینا۔ ”کون تھا۔ اب سامنے آئے۔ مابدلت واپس آگئے ہیں۔ ہمگد دی گریٹ۔“

آس پاس کی میزوں سے قبھے بلند ہوئے۔ لیکن کہڑا اسی انداز میں تاکھڑا رہا۔ جسم میں اس طرح زبردستی تاؤ پیدا کرنے کی بنار کو بڑ پہلے سے بھی زیادہ مضکمہ خیز نظر آنے لگا تھا۔

وہ غنڈہ بھی اس کا حلیہ دیکھ کر نہ پڑا۔ پھر ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”میٹھا اونے خزری کے تو غم!“ ”نہیں.... او....“ ہمگد نے شاہانہ انداز میں ہاتھوں کو جنبش دی۔

کاؤٹر پر پیٹھے ہوئے آدمی نے غنڈے کو دوسری طرف جانے کا اشارہ کیا اور وہ ہفتا ہوا ایک دروازے میں داخل ہو گیا۔

کہڑا اب کاؤٹر والے کو گھور رہا تھا۔ دفعنا اس نے بلند آواز میں کہنا شروع کیا۔ ”میرے غلاموں! مجھے پہچانا سکھو! میرے قبھے سے ذرو! تم نہیں جانتے میں کون ہوں۔ ساری دنیا کا شہنشاہ ہمگد دی گریٹ! اسکندر و اکبر آج ہوتے تو میرے قدموں میں سر جھکا دیتے۔ مجھے پہچاؤ!... مجھے پہچاؤ!... ورنہ کسی دن یہ زمین جہنم کھلانے گی!...“

”پاگل ہے۔ پاگل ہے۔ جانے نہ پائے!“ چاروں طرف سے آوازیں بلند ہوئیں اور دیر یہ تھے قبھے گوختہ رہے لیکن وہ اسی انداز میں کھڑا تھا۔ اس طرف سے دوسرے دو کو دیکھتا رہا جیسے وہ اس کے لئے

برست کیوں کر دیا تھا۔ پہیے برست کرنے کا مقصد اس کی سمجھ میں نہ آسکا اور وہ قتل کی وجہ کیوں چھپانا چاہتا تھا؟ کچھ بھی ہو... پہیے کا برست ہو جانا اس کے کام بھی آیا۔ کہانی تراشنے میں در نہیں گئی تھی۔ وہ دراصل اس پر اسرار آدمی کے معاملے میں محطاً رہتا چاہتا تھا۔ اسی لیے ایسی کہانی تراشی تھی کہ اس کا حوالہ نہ دینا پڑے...!

O

دوسری رات صدر نے اپنی شکل میں کہڑے کا تعاقب شروع کیا۔ اسے یقین تھا کہ ”میک اپ میں بھی پہچانا جا چکا ہے لیکن فی الحال وہ لوگ اسے زندہ ہی رکھنا چاہتے ہیں اگر یہ بات زہقی تو اسے پچھلی رات دلدل میں پھینکنے کی وجہے کی اندھے کوئی میں دھکیل دیا گیا ہوتا...!“ کہڑا ایک گھنی سے شراب خانے میں داخل ہوا صدر نے سوچا پھر شامت آگئی۔ ادھر پہنچ دنوں تک انہیوں کی گولیوں سے شوق کرنا پڑا تھا اور آج... پڑھے نہیں کیا گت بنے۔

وہ شراب نہیں پیتا تھا۔ لیکن یہاں خالی بیٹھنا تو کسی طرح بھی ممکن نہ ہوتا۔ لہذا مجرما کہڑے کے قریب ہی کی ایک میز پر قبضہ کر کے اسے پیڑ کی بوتل طلب کرنی پڑی۔

کہڑا اپنی میز پر تھا تھا... اس نے معمولی ہی قسم کی شراب طلب کی تھی۔ اس کا طیہہ معمولی سے بھی کمترین تھا اس لیے وہ اعلیٰ قسم کی شراب کیسے خریدتا۔ پھٹا پرانا کوٹ تھا جسم پر اس ناگوں میں ملکجی سی پتوں بھجوں رہی تھی گلے میں نائی بھی تھی لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ”پچھل کئی پتوں سے صحیح و سلامت گذرنے کے بعد کہڑے سک پہنچی ہو۔“

کہڑے نے دو چار گلاس پے در پے چڑھائے اور موچ میں آکر بہ آواز بلند گانے لگا۔

جب میں نے پی کر چھلکائی۔ بادل ناچے جھوم کے مولی نے محفل مہکائی
آلوجو بھی کی بن آئی
لال مہاری... لال مہاری... تاک دھنادھن گھوم کے
بڑھ کے بینا... بڑھ کے بینا... ہائے ہائے

ایک گوشے سے ایک پیلوان ناچ پا گئے! چاروں طرف سے آوازیں بلند ہوئیں اور دیر یہ تھے لگا۔ شاید وہ بھی نئے میں تھا۔ چلنے کے انداز سے یہی معلوم ہوتا تھا لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ

"زندہ باد" کے نعرے لگا رہے ہوں اور وہ خود منتظر ہو کہ ان جہالت مآبوں کا شور کم ہو تو دوبارہ تقریر شروع کرے۔

دفتار کی نے اس کے چہرے پر کوئی سیال چیز چینک ماری اور وہ بوکھلا کر چیچھے ہٹا تو کرسی کے پائے سے الجھ کر لڑکھڑا تاہوا ذہر ہو گیا۔

"تم سب انہے ہو!" وہ فرش سے اٹھنے کی کوشش کرتا ہوا دہاز۔ "جگنو گے! سڑکوں پر بلبلاتے پھر دے گے..... جائے پناہ نہ طے گی.... ایڑیاں رگڑ کر مر دے گے۔"

"مارو۔ مارو۔ منوس کو۔" کئی آوازیں آئیں.... اور کچھ لوگ اٹھے بھی اپنی جگبیوں سے اتنے میں صدر کبڑے کے پاس پہنچ چکا تھا۔ اس نے اسے سہارا دے کر انھیاں۔

"تذاق۔" کبڑے کے سر پر ایک ہاتھ پڑا اور وہ اچھل کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ لوگوں نے انہیں گھیر لیا تھا۔ تقریباً آٹھ دس آدمی رہے ہوں گے لہذا اندازہ کرنا دشوار تھا کہ اس بار کس نے ہاتھ رسید کیا ہو گا۔

پھر صدر اسے شراب خانے سے لے ہی کلا..... ورنہ شاید اس کے ہاتھ پر سلامت نہ رہتے۔ قریب ہی ایک پیلک پارک تھا۔ وہ اسے وہاں لے آیا۔

"میں تجھ کہتا ہوں۔" ہمگی بڑا تارہا تھا۔ "وہ کچھوں سے بھی زیادہ حیر ہیں۔ ضرور بھگتیں گے۔ مادولت کی تو چین بڑی مہنگی پڑے گی۔"

پھر چونک ک صدر کو گھوننے لگا بیہاں اتنی روشنی تھی کہ وہ ایک دوسرے کو بخوبی دیکھ سکتے تھے۔

"دنیا کا جو ملک چاہو ملک لو۔" ہمگی نے کہا۔ " بلاذر بخش دلوں گا۔"

"تم مجھے صرف ذرا یوگ لائنس دلوادو۔" صدر نے مسکرا کر کہا۔ "حیرت ہے کہ ہمگی دی گریٹ نے مجھے ابھی تک نہیں پہچانا۔"

"آہ۔ ہم شاید پچھلے سال منگولیا میں تھے۔" ہمگی نے جلدی سے کہا۔

"یہ پچھلی رات کی بات ہے.... مہنڈی دلدل مجھے کبھی نہ بھولے گی۔"

"آہ۔ تو تم وہ ہو!" ہمگی نے تھیرانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ "تم وہ نہیں ہو سکتے۔"

"میں میک اپ میں تھا۔"

"ہائیں۔ میک اپ میں۔ مگر کیوں؟"

"اسی طرح شکار کھیلتا ہوں۔"

"اکیلے ہی ہو۔" ہمگی نے پوچھا اور صدر نے سوچا خوب موقع ہاتھ آیا ہے۔ اس طرح شاید وہ اسے اپنے اعتقاد میں لے سکے۔

"ریگستان کے بول کی طرح۔" صدر نے جواب دیا۔ "مجھے یاد نہیں آتا کہ کبھی میری تھاں رف ہوئی ہو۔"

"تب تو تم بھی میری ہی طرح لا جواب ہو۔ ماں باپ بھی تھے کبھی تمہارے۔"

"ماں باپ کیوں نہ ہوتے۔" صدر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"اے اپنا الجھ ٹھیک کرو۔" ہمگی تھامانہ انداز میں بولا۔ "تمہیں پھر مجھ پر غصہ آ رہا ہے۔"

"او..... ہاہا۔" صدر نہیں پڑا۔ "میں معاف چاہتا ہوں جہاں پناہ۔"

"ٹھیک ہے۔" ہمگی کراہا۔ "ذرا ہو لے ہو لے میری کمر تو دو باؤ۔" کسی دن یہ کجھت مجھے ماری ڈالیں گے اور پھر روکیں گے۔ سر پیشیں گے لیکن پھر میں انہیں نہیں نہیں ملوں گا۔"

"درست فرمایا۔ عالی جاہ.....!"

ہمگی ٹھنڈی گھاس پر اونڈھا لیٹ گیا اور صدر اس کی کردبار نے لگا۔

"گھاس تو برف ہو رہی ہو گی جہاں پناہ.....!"

"نہیں۔ میں ایک باقبال آدمی ہوں..... یہ گھاس پہنچنے کی طرح گرم ہے۔"

"تواب میرے لیے کیا حکم ہوتا ہے عالی جاہ....."

"ٹھوکریں کھاتے پھر و..... تپائے بغیر سونے پر نکھار نہیں آتا۔"

"اوہ..... تو آپ بھی غالباً نکھرتے ہی پھر رہے ہیں۔"

"میں ایسا سونا ہوں جسے لوگ متی سمجھتے ہیں۔ بس کرو۔ اب میں انھوں گا۔"

صدر الگ ہٹ گیا۔ ہمگی نے بیٹھ کر سگریٹ سلکائی اور ہلکے ہلکے کش لینے لگا۔ پھر بولا۔

"اس شہر میں آئے ہوئے زیادہ دن نہیں گزرے لیکن مجھے ایسا محosoں ہوتا ہے جیسے ساری زندگی بینیں گذری ہو!"

"پہلے آپ کہاں تھے.....?"

"ای زمین پر۔" ہمگی اٹھتا ہوا بولا۔ "اٹھو۔ ہلیں گے.....!"

حالات سے ضرور آگاہ کرے گا۔ کرتا بھی چاہئے تھا کیونکہ اس کی عدم موجودگی میں بلیک زیر دستی
ایکس نو کے فرائض انعام دینا تھا۔

اب عمران کی طرف سے کوئی پیغام نہ ملنے پر اس نے سوچا ممکن ہے اس باریہ حضرت آئی
گئے ہوں گے چکر میں۔ یعنی پاگل پن حقیقی ہو.... اور پھٹا کیا والا حادثہ اتفاق ہے رہا ہو! رحمان
صاحب کے نمبروں پر رنگ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ایک آدھ بار کو بھی کے چکر ضرور لگائے تھے
لیکن عمران کی شکل نہیں دکھائی دی تھی۔ جوزف بھی شاید ان اوقات میں کہیں پڑا اور لکھتا رہا تھا
ورنہ اس سے بھی پوچھ چکھ تو کر ہی لیتا۔ دیسے دوسرے ذرا نئے سے اسے وہی اطلاعات ملی تھیں
جن کا علم عمران سے تعلق رکھنے والے ہر فرد کو تھا....!

بہت بڑا الجھاؤ تھا اس کے سامنے۔ اپنی ذمہ داری پر کچھ اسی وقت کرتا جب حالات سے
پوری طرح باخبر ہوتا۔ کہڑے ہی کا معاملہ سامنے تھا لیکن وہ اس کی اہمیت سے واقف نہیں تھا۔ یہ
نک نہیں جانتا تھا کہ عمران کو اس کی تلاش کیوں تھی؟

پھر ایسی صورت میں اس کے علاوہ اور کیا چاہرہ تھا کہ وہ صدر کی روپورٹ میں ثیپ ریکارڈر پر
ریکارڈ کرتا جائے خاموشی سے۔ اس کے کسی سوال کا جواب دیئے بغیر....!

جب بھی ایکس نو کے پرائیویٹ فون کی گھنٹی بھتی وہ دم بخود رہ جاتا۔ کال کا جواب تک نہ
دینا۔ یہ فون کچھ اسی قسم کا تھا۔ اگر ایکس نو موجود نہ ہوتا تو آدھے منٹ بعد اس کا سلسلہ ثیپ
ریکارڈر سے مل جاتا اور رنگ کرنے والے کو آواز سنائی دیتی۔ ”پلیز ڈکٹیٹ“ اور وہ اپنا پیغام ڈکٹیٹ
کر دیتا....!

اس وقت بھی کچھ بھی دیر پہلے فون کی گھنٹی بھی تھی اور کسی نے پیغام ریکارڈ کرایا تھا۔ ثیپ
ریکارڈر کی سبز روشنی غائب ہو چکی تھی۔ بلیک زیر داں کا سونگ دوبارہ آن کر کے پیغام سننے لگا۔

”صدر اسپینک سر!!“ بھی تک مجھے کہڑے کے متعلق مزید ہدایات نہیں ملیں۔ پہلی رات
اک نے ذکری کے شراب خانے میں ہنگامہ برپا کر لیا تھا۔ اب میں کھل کر اس کے سامنے آگیا
ہوں۔ بیشیست صدر بھی اور اسے بتا دیا ہے کہ موبائل کے میک اپ میں بھی میں ہی اس سے ملا
تھا۔ دیکھئے یہ میری ایکسیم ہے۔ وہ دراصل یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ میری پشت پر کون ہے اور میں
اس وقت تک الجھائے رکھنا چاہتا ہوں جب تک کہ آپ کی طرف سے واضح ترین احکامات نہ

صدر بھی اٹھ گیا۔ ہمگ کا چہرہ بالکل پاٹ نظر آرہا تھا جذبات سے عازی۔ وہ شملتے ہو۔
پارک کے ایک ایسے گوشے کی طرف آئکے جو تاریک تھا۔

”میں تمہیں اپنا وزیر اعظم بناؤں گا۔“ ہمگ نے کہا۔ ”تمہرو... وہ دیکھو... آسمان
پر سامنے سب سے زیادہ پکنے والے ستارے کے قریب۔“

صدر رک گیا۔ ہمگ کا ہاتھ شمال کی جانب اٹھا ہوا تھا۔ صدر نے نظر انھائی۔

”کہاں....؟“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا تھا۔ جواب تھا.... ”چھپاک!“

”ارغے.... غرج....؟“ صدر مختنے پانی میں غوطہ کھا گیا پھر ابھر اور حل پھاڑ پھاڑ کر
ہمگ کو گالیاں دینے لگا۔

اب اسے یاد آیا کہ پارک کے اس حصے میں ایک بڑا ساحل بھی تھا۔
”دیکھو۔ دیکھو۔“ ہمگ کی آواز آئی۔ ”تمہیں پھر غصہ آگیا ہے مجھ پر۔“

”ٹھہر تو... تیری ایسی کی تیسی۔“ صدر پانی پر ہاتھ مارتا ہوا تاریک کنارے کی طرف چھپا
لیکن اس بارہمگ کی آواز نہ سنائی دی۔

بدقت تمام وہ اوپر پہنچا۔ سر دی سے دانت بجھنے لگے تھے۔ ہمگ کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔

O

اب بلیک زیر داں کو چکر پر چکر آرہے تھے۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ معاملات کو کس طرح
ہینڈل کرے۔ چار ماہ قبل عمران کو کسی ایسے کہڑے کی تلاش تھی جس کے باسیں گال پر ابھر اہواسا
تل تھا۔

وہ خود ہی تلاش کرتا رہا تھا۔ پھر یہ معاملہ صدر اور خاور تک بڑھا دیا گیا تھا۔ وہ شہر میں اسے
تلاش کیا کرتے تھے۔ وہ ملا تو اس کی مگر انی شروع کرائی۔ لیکن مقصد بلیک زیر داں کو بھی نہیں معلوم
ہوا تھا۔ پھر اچانک ایک نئی افتاد پڑی یعنی مزپھٹا کیا والا معاملہ....!

عمران سے احکامات لے کر تو وہ خود کو ایکس نو پوز کر سکتا تھا لیکن خود اس میں اتنی ہمت
نہیں تھی کہ اپنی مرضی سے کسی کیس کو ہینڈل کر سکتا۔ جب تک اسے شہر رہا کہ عمران کا یادداشت
کو ہیٹھنا بھی ایکسیم ہی میں شامل ہو سکتا ہے اس وقت تک وہ صدر اور خاور کی رہنمائی کر رہا تھا لیکن
جب عمران کی طرف سے کوئی اطلاع نہ ملی تو اسے محتاط ہو جانا پڑا۔ موقع تھی کہ عمران اسے صحیح

مل جائیں۔ میں اسے بتا دوں گا کہ میں اسے موئی مرغی سمجھ کر اس کا تعاقب کرتا رہتا تھا۔ کبھی اصلی شکل میں اور کبھی موبی کی حیثیت سے جو کچھ میں اسے ابھی تک سمجھا ہوں۔۔۔ وہی اس پر ظاہر کر دوں گا۔۔۔ میری دانست میں وہ کوئی بہت بڑا اسمگلر ہے۔۔۔ میں اس سے کہوں گا کہ میں دراصل ایک بلیک میلر ہوں لوگوں کے راز معلوم کر کے انہیں بلیک میل کرتا ہوں لیکن اس سے مرعوب ہو گیا ہوں یا پھر دوسری صورت یہ ہو گی کہ میں اسے بلیک میل ہی کرنا شروع کر دوں۔۔۔ بہر حال اب میں آپ کے احکام کے بغیر نیا قدم نہیں اٹھاؤں گا۔ برآ کرم! تین چار چھ پر رنگ کر کے مجھے اپنے جواب سے جلد مطلع کیجئے گا۔۔۔ کچھل رات اس نے مجھے منٹو پارک کے حوض میں دھکیل کر دماغِ شخصدار کھنے کی تلقین کی تھی۔۔۔ اور اینڈ آل۔۔۔!

بلیک زیر نے طویل سانس لی اور شیپ ریکارڈر بند کر دیا۔

”بہت بڑھ گیا ہے۔ احمد کہیں کلا۔“ وہ براسانہ بنا کر بڑھ دیا۔

پھر اس نے صدر کے تنائے ہوئے نمبر پر رنگ کیا وہ سری طرف سے فوراً ہی جواب ملا۔

بلیک زیر نے ایکس نو کی سی آواز میں کہا۔ ”پیغام مل گیا! تم گدھے ہو! صدر کی حیثیت میں سامنے آنے کی کیا ضرورت تھی؟“

”وہ۔۔۔ دو۔۔۔ دیکھئے جتاب!“ صدر ہکلایا۔

”پچھے نہیں! یہ حیات تھی! اب تم فی الحال اس کے سامنے آنے سے گریز کرو۔ گوشہ نشین ہی بہتر ہے گی۔ تا تو قیکے دوسرے احکامات نہ ملیں تم باہر نہیں نکلو گے۔“

”اوکے سر!“ دوسری طرف سے آواز آئی اور بلیک زیر نے سلسلہ منقطع کر دیا۔۔۔!

O

رحمن صاحب اس وقت گویا خود بھی پاگل ہو گئے تھے۔ سارا گھر ماتم کردہ بنا ہوا تھا۔ روئے کی آوازوں کے علاوہ اور کچھ نہیں سنائی دے رہا تھا۔

ہوا یہ کہ ٹھیک نوبجے رات کو عمران نے جو کمرے میں بند تھا چخنا شروع کر دیا۔ سب سے پہلے ثریا ہی وہاں پہنچی تھی اور پھر رحمن صاحب کے علاوہ سبھی کمرے کے سامنے نظر آئے۔۔۔

عمران کھڑکی کی سلانی نہیں پکڑے کہہ رہا تھا۔ ”ارے غالمو۔۔۔ یہ اپنال ہے یا پاگل خانہ۔۔۔ نکالو مجھے اس کمرے سے۔۔۔ دروازہ کھولو۔۔۔ کیا میں پاگل ہوں۔۔۔ اے معزز خاتون۔۔۔!“

وہ اماں بی کی طرف ہاتھ اٹھا کر خاموش ہو گیا۔ پھر بھرا تھی آواز میں بولا۔ ”تم میڑن نہیں ہو۔۔۔ اگر ہو بھی تو مجھے اس سے کیا۔ لیکن میں تمہارے چہرے پر مامتا کا نور دیکھ رہا ہوں تم کسی نہ کسی کی ماں ضرور ہو گی۔۔۔ کیا تمہارے کوئی بیٹا نہیں۔۔۔ نہیں تمہارے چہرے پر مامتا کا نور ہے۔۔۔ اولاد والی ہو۔۔۔ میں دنیا میں اکیلا ہوں! بالکل اکیلا ہوں۔“

آواز حلق میں پھنس گئی۔ وہ خاموش ہو گیا۔۔۔ آگھوں میں امنڈنے والے آنسو گالوں پر بہہ آئے۔۔۔ اور اس نے رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ ”میں روزہ ہوں۔۔۔ خاک پر پڑا ہوا بلکہ رہا ہوں۔۔۔ مجھے اٹھا لو مان۔۔۔ مجھے اٹھا لو مان۔۔۔!“

اماں بی پھوٹ پڑیں۔۔۔ ان کے روئے کی آواز بلند ہوئی ہی تھی کہ لڑکیوں نے بھی بلکنا شروع کر دیا۔

رحمن صاحب کہیں جانے کے لیے بھ艮ت تیاری کر رہے تھے۔ یہ غل غپاڑہ ان کی کافیوں میں بھی پڑا اور وہ جھپٹتے ہوئے وہاں پہنچا۔ اب تو عمران بھی دہاڑیں مار مار کر رورہا تھا۔

”یہ کیا ہو رہا ہے؟“ رحمن صاحب دانت پیس کر گر جے۔

”بس چلے ہی جاؤ اس وقت۔ جاؤ۔“ بیگم صاحبہ روتی ہوئی جلا میں اور رحمن صاحب کو جیسے سانپ سوٹھ گیا۔ کیونکہ بیگم صاحبہ جب بھی بے نیام ہوتی تھیں وہ خاموش ہی ہو جاتے تھے۔

”لااؤ۔۔۔ نکالو۔۔۔ کچھی۔۔۔ کھولو دروازہ۔“ بیگم صاحبہ کی آواز بلند ہی رہی۔

رحمن صاحب کچھ نہ بولے۔ عمران کی ایک کزن جو رحمن صاحب کو دیکھتے ہی خاموش ہو گئی تھی۔۔۔ ان کے اشادرے پر آگے بڑھ آئی۔۔۔ وہ اسے ایک طرف لے جاتے ہوئے آہستہ سے بولے۔ ”کیا بات ہے۔۔۔ کیا اس نے کسی کو پہچان لیا ہے۔“

”نج۔۔۔ جی۔۔۔ نن نہیں!“ وہ ہکلائی۔ ”آنٹی کوماں تو کہہ رہے ہیں۔۔۔ لیکن یونہی۔۔۔ مطلب یہ کہ مجھے بیٹا بنا لو۔“

”اوہ بکواس!“ رحمن صاحب دانت پیس کر رہے گئے۔۔۔ چند لمحے خاموش کھڑے رہے اور پھر عمران کے کمرے کی طرف پلٹ آئے۔

”سنو!“ انہوں نے اوپنی آواز میں سکھوں کو خاطب کیا۔ ”تم سب اپنے کروں میں جاؤ۔“

”ہائے آگیا جلا دڑا کٹر۔“ عمران روتا ہوا کہا۔ ”بکواس بند کرو۔“ رحمن صاحب چھیخ۔

پھر انہوں نے دوسروں کو مخاطب کر کے کہا۔ ”ہوش میں رہو تم لوگ! پاگل نہ بنو! میں اس وقت بہت جلدی میں ہوں۔“

انہوں نے خاموش ہو کر کلائی کی گھڑی دیکھی اور صرف بیگم صاحب سے زم لجھ میں بولے۔ ”آپ جو کچھ کرتا چاہتی ہیں وہ اس کے لیے بھی مضر ہے... تاو قنکیلہ ہم میں سے کسی کو پہچان نہ لے... باہر نکالنا خطرے سے خالی نہیں۔ دیے اگر آپ اس کی زندگی ہی کی خواہاں نہ ہوں تو... یہ رہی کنجی...!“

انہوں نے جیب میں ہاتھ ڈالا ہی تھا کہ بیگم صاحب و دوسری طرف مرتی ہوئی بولیں۔ ”میں کچھ نہیں جانتی!“ اور آگے بڑھ گئیں۔ غالباً اتنا تودہ خود بھی سمجھتی تھیں جو کچھ رحمان صاحب نے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

”ہائے۔ اس رحم دل عورت کو بھی بہکا دیا۔“ عمران نے گلوگیر آواز میں چکلی لی اور کھنک سے کھڑکی بند کر دی۔ کمرے کے اندر سے اس کی بڑی براہت سنائی دیتی رہی۔

پھر رحمان صاحب نے زم ہی لجھ میں لٹکیوں سے بھی کہا تھا کہ وہ اپنے کروں میں جائیں۔ لہذا لڑکیوں کو بھی کھکلتا ہی پڑا... ویسے شریا تو سوچے بیٹھی تھی اگر اینٹھے تو آج میں بھی لڑھی جاؤں گی خواہ کچھ ہو۔

رحمان صاحب کے چلے جانے پر اس کی ایک کزن بولی۔ ”کیوں.... انکل....!“ ”ہاں.... زم لجھ میں گفتگو کر گے۔“ شریا نے طنزیہ لجھ میں کہا۔ ”قستیں بدل گئیں ہمارے دن پھر گئے...!“

”سمجھ میں نہیں آتا....“ ”ارے.... جلدی میں تھے....“ شریا آنکھیں نکال کر بولی۔ ”اور کیا... سوچا... نالو کی طرح پیچا چھڑا داں کم بختوں سے.... درنہ پھر میں بھی کہیں جو نکل گئی ہے۔“

O

رحمان صاحب کی بھی سی یوک چانک سے گزر گئی۔ ان کے ساتھ وہی دونوں غیر ملکی مہماں بھی تھے جن کا قیام آؤٹ ہاؤڑ میں تھا۔

”بڑا شور ہو رہا تھا مسٹر رحمان۔ کیا بات تھی۔“ ایک نے انگریزی میں پوچھا۔

”بھتی۔ میرا لڑکا....!“

”اوه کیا بات تھی؟ آپ اسے سوئزر لینڈ لے جائیے۔“

”ہاں سوچ رہا ہوں۔“

”کسی ماہر سائنس کیلیٹ سے بھی مشورہ لے جائے۔“ دوسرا بولا۔

”میرا ایک دوست عنقریب امریکہ سے آئیوala ہے وہ دماغی امر ارض کا اپیشنلٹ ہے۔“

پھر خاموشی چھاگئی۔

کچھ دیر بعد گاڑی سفرل جیل کے چانک میں داخل ہو رہی تھی۔

پھر وہ ایک جگہ رک ہی گئی۔ رحمان صاحب خود ہی ڈرائیور کر رہے تھے... حالانکہ گاڑی ڈرائیور کرتا بھی ان کے اصول کے خلاف ہی تھا۔

جیل کے آفیسر شاید پہلے ہی سے ان کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ رحمان صاحب نیچے از گئے۔ لیکن ان کے غیر ملکی مہماں گاڑی ہی میں بیٹھ رہے۔

پھر رحمان صاحب دوسرے آفیسروں کی معیت میں ایک جانب رووانہ ہو گئے۔ کچھ دور چل کر وہ پھر رکے... یہاں دو مسلکے سپاہی ایک بند دروازے کے سامنے پہرہ دے رہے تھے۔ دروازہ لاخون دار نہیں تھا۔ ایک آفیسر نے آگے بڑھ کر قفل کھولا اور دو آدمی اندر چلے گئے۔ رحمان صاحب باہر ہی ٹھہرے تھے۔

کچھ دیر بعد دو دو نوں آفیسر واپس آئے۔ لیکن ان کے درمیان ایک تیسرا آدمی بھی موجود تھا۔ فلکتے حال اور بدوض آدمی۔ جسم پر جیل کے کپڑے تو نہیں تھے لیکن بال بے تھاش بڑھے ہوئے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس نے اسی کو گھری میں کوئی طویل مدت گزاری ہو۔ اس کے ہاتھوں میں ہھکڑیاں تھیں۔

مسلکے سپاہی اس کے دائیں بائیں چل رہے تھے۔ رحمان صاحب کی گاڑی کے قریب پہنچ کر دارہ اور ہر ہٹ گئے۔ دونوں غیر ملکیوں میں سے ایک پیچے اتر آیا تھا۔ قیدی کے لیے پہنچی سیٹ کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھا ہوا غیر ملکی دوسرے سرے پر کھک گیا تھا۔ قیدی گاڑی میں بیٹھ گیا اس طرح کہ دونوں غیر ملکیوں کے درمیان رہے۔ رحمان صاحب نے پھر اسی رنگ سنبھال لیا۔ کچھ دیر بعد گاڑی جیل کے چانک سے باہر نکل رہی تھی۔

غیر ملکیوں میں سے ایک ریڈیمڈائل والی رست واقع پر نظر جائے ہوئے بولا۔
”سازشے دس بجے ہیں مسٹر رحمان۔“

”فکر نہ کیجئے۔ ہم پندرہ منٹ میں دہان پہنچ جائیں گے۔“ رحمان صاحب نے جواب دیا۔
قیدی سر جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔ یک بیک دوسرے غیر ملکی نے جیب سے روپری نکالا
لہنن ہو جائیں گے.... اس لیے محتاط رہو.... ہمیں اس کی قطی پرواہ نہ ہو گی کہ تمہاری بے
رحمان صاحب کی گدی پر رکھتا ہو بولا۔ ”بائیں موڑو....!“

”لیا مطلب....“

”مگر دن پر روپری کی نال ہے مسٹر رحمان۔“ غیر ملکی نے زم لجھے میں کہا۔
”اوہ....“ رحمان صاحب نے طویل سانس لی۔ ”دھوکا۔“

”پرواہ نہ کرو۔ ورنہ دھوکے ہی میں جان بھی جائے گی.... موڑو بائیں جانب موڑو....!“
ورنہ گوئی حلقت سے دوسری طرف نکل جائے گی۔

رحمان صاحب نے گاڑی بائیں جانب موڑ دی۔ اب وہ بڑی انجمیں میں پڑ گئے تھے یہ کیسی ایں علموں ہوتا تھا جیسے وہ گونگا ہو یا ہر قسم کا احساس ہی فنا کر بیٹھا ہو۔

ہی تھا کہ حالات گز نے پران کا وقار خطرے میں پڑ جاتا۔ لیکن اب چارہ ہی کیا تھا۔ وہ سوچتے رہے اور گاڑی سمنان سڑک پر فرائٹ بھرتی رہی۔

غصے کے مارے بر احال تھا۔ مگر وہ الحق بھی نہیں تھے۔ ایسے حالات میں ہاتھ پیدا ہا۔ غالباً وہ دروازہ ہی پیٹنے کی آواز تھی جس پر دوسرے غیر ملکی چونک کربولا تھا۔ ”آگے بڑھو۔“ خود کشی کے متادف ہوتا۔ روپری کی ٹھنڈی نال بدستور گردن سے چپکی رہی۔ اس نے ایک چھوٹی سی ٹارچ بھی روشن کری تھی اور دونوں سے تقریباً چار قدم کے فاصلے ”اچھی بات ہے۔“ کچھ دیر بعد رحمان صاحب نے سرد لجھے میں کہا۔ ”تم جیت گے! لیکن ہیں رہا تھا۔ رحمان صاحب سوچ رہے تھے کہ اب خاموشی سے نئے واقعات ہی کا منتظر رہنا مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟“

”اچھی، ہم پوری طرح نہیں جیتے مسٹر رحمان!“ دوسرے غیر ملکی بھرا ہی آواز میں بولा۔
رحمان صاحب کا وہ جملہ محض زبان ہلانے کی حد تک نہیں تھا۔ انہوں نے گاڑی کی رفتار کر دی۔

”وایک چھوٹے سے برآمدے میں رکے۔“ عمارت ٹکڑتہ حال تھی اور اس میں شاید مشکل ہی کر دی۔ سے تمن کر رہے ہوں۔ دوسرے غیر ملکی اب بھی دروازہ پیٹنے جا رہا تھا۔

”کیا کر رہے ہو۔“ روپری والا غریب۔ ”کون ہے؟“ آخر کار اندر سے بھرا ہی آواز آئی۔

”دیکھنا چاہتا ہوں کہ روپری کی گوئی حلقت سے کیسے گزارتی ہے۔“ رحمان صاحب نے ہلکے ”دروازہ کھولو۔“ غیر ملکی نے انگریزی میں لکارا۔

”اوہ۔“ اندر سے کراہ سنائی دی اور پھر کہا گیا۔ ”ہائے غلام! تم مجھے زندہ ہی رہنے دو گے یا
انہوں نے گاڑی روک دی.... اب وہ دراصل یہ چاہتے تھے کہ خود ہی گاڑی نہ ڈرائی
ٹکٹا انعام تو زوج نہ کرو۔“

ریں۔ مقصد حاصل ہو گیا۔ وہ بھی قیدی کے پاس بٹھا دیئے گئے اور دوسرے غیر ملکی نے
نہیں سمجھا۔

اس وقت دوسرے غیر ملکی نے کہا۔ ”یہ مت سمجھنا مسٹر رحمان کہ ہم ادھورے ہی کام پر
لمعن ہو جائیں گے.... اس لیے محتاط رہو.... ہمیں اس کی قطی پرواہ نہ ہو گی کہ تمہاری بے
ن موت سے ہمارا کام ادھورا رہ جائے گا۔“

رحمان صاحب نے طویل سانس لی۔ تو آخری کارڈ بھی ہاتھ سے نکل گیا۔ اسی کے بل بوتے
پانہوں نے کچھ کر گزرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اور اسی لیے چاہا تھا کہ خود انہیں ہی ڈرائیور گز نہ کرنی
پڑے۔ گاڑی کی رفتار خاصی تیز تھی۔ کچھ دیر بعد رحمان صاحب نے محسوس کیا کہ وہ کسی کچے
”پرواہ نہ کرو۔ ورنہ دھوکے ہی میں جان بھی جائے گی.... موڑو بائیں جانب موڑو....!“ اتنے پر چل رہی ہے.... اور پھر رک ہی گئی۔

ورنہ گوئی حلقت سے دوسری طرف نکل جائے گی۔

رحمان صاحب نے گاڑی بائیں جانب موڑ دی۔ اب وہ بڑی انجمیں میں پڑ گئے تھے یہ کیسی ایں علموں ہوتا تھا جیسے وہ گونگا ہو یا ہر قسم کا احساس ہی فنا کر بیٹھا ہو۔

ہی تھا کہ حالات گز نے پران کا وقار خطرے میں پڑ جاتا۔ لیکن اب چارہ ہی کیا تھا۔ وہ سوچتے رہے اور گاڑی سمنان سڑک پر فرائٹ بھرتی رہی۔

غصے کے مارے بر احال تھا۔ مگر وہ الحق بھی نہیں تھے۔ ایسے حالات میں ہاتھ پیدا ہا۔ غالباً وہ دروازہ ہی پیٹنے کی آواز تھی جس پر دوسرے غیر ملکی چونک کربولا تھا۔ ”آگے بڑھو۔“

خود کشی کے متادف ہوتا۔ روپری کی ٹھنڈی نال بدستور گردن سے چپکی رہی۔ اس نے ایک چھوٹی سی ٹارچ بھی روشن کری تھی اور دونوں سے تقریباً چار قدم کے فاصلے

”اچھی بات ہے۔“ کچھ دیر بعد رحمان صاحب نے سرد لجھے میں کہا۔ ”تم جیت گے! لیکن ہیں رہا تھا۔ رحمان صاحب سوچ رہے تھے کہ اب خاموشی سے نئے واقعات ہی کا منتظر رہنا

مجھے کہاں لے جا رہے ہو؟“

”اچھی، ہم پوری طرح نہیں جیتے مسٹر رحمان!“ دوسرے غیر ملکی بھرا ہی آواز میں بولा۔

رحمان صاحب کا وہ جملہ محض زبان ہلانے کی حد تک نہیں تھا۔ انہوں نے گاڑی کی رفتار کر دی۔

”وایک چھوٹے سے برآمدے میں رکے۔“ عمارت ٹکڑتہ حال تھی اور اس میں شاید مشکل ہی کر دی۔ سے تمن کر رہے ہوں۔ دوسرے غیر ملکی اب بھی دروازہ پیٹنے جا رہا تھا۔

”کیا کر رہے ہو۔“ روپری والا غریب۔ ”کون ہے؟“ آخر کار اندر سے بھرا ہی آواز آئی۔

”دیکھنا چاہتا ہوں کہ روپری کی گوئی حلقت سے کیسے گزارتی ہے۔“ رحمان صاحب نے ہلکے ”دروازہ کھولو۔“ غیر ملکی نے انگریزی میں لکارا۔

”کھولو... نہیں تو توڑتے ہیں دروازہ۔“

”ہائے“ کی آواز کے ساتھ ہی دروازہ پر چڑایا اور دونوں پاٹ کھل گئے۔ اندر کیرد میں لیپ کی روشنی میں رحمان صاحب کو ایک ٹکستہ حال کہرا آدمی نظر آیا۔ جن کی آنکھوں سے خوف جھانک رہا تھا۔ ان لوگوں کو دیکھ کر اس نے حل سے ذری سی آوازیں نالیں۔ غیر ملکی اسے پیچھے دھکیتا ہوا آگے بڑھا اور یہ سب بھی اندر داخل ہوئے۔ دروازہ بند کر دیا گیا۔

پھر ریو الور والا ”خبردار... خبردار...“ گولی مار دوں گا کہتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ اور پھر دوسرے ایک ٹکھیل شروع ہو گیا۔۔۔ کبڑے پر پڑے ہوئے آدمی کی ایک نانگ میں جنتش ہوئی تھی۔ بس پھر وہ ریو الور والے کی نانگوں کے درمیان نظر آئی۔ اور وہ ڈھیر ہو گیا۔ اور ہر بے ہوش ”مگد ہو...“ کہرا کانپتا ہوا کہہ رہا تھا۔ ”مجھے پیچانوں... مجھ سے ڈرو۔ میں ساری دنیا کا اتنی کی سانپ ہی کی طرح پلت کر اس پر سورہ ہو گیا تھا۔ اس بار رحمان صاحب نے بھی اس کے ہاتھ میں تھا۔ اور وہ اسے گھستا ہوا چل رہا تھا۔

غیر ملکی نے اس کے سر پر دھپ رسید کیا اور وہ اس طرح چیخ کر اچھل پڑا جیسے کسی مندل ”اوہ...!“ کے طبق سے بے اختیار نکلا اور وہ دوسرے غیر ملکی پر ٹوٹ پڑے۔ وہ بوڑھے فرور تھے لیکن کمزور نہیں۔ اس عمر میں بھی کم از کم تین آدمیوں سے توپتھی سکتے تھے۔

”ہاں اب بتاؤ مسٹر رحمان!“ ریو الور والے نے کہا۔ ”اس قیدی کے متعلق کاغذات کہاں ہیں؟ صرف جگہ بتاؤ۔ ہم حاصل کر لیں گے اور تم اس وقت تک ہماری قید میں رہو گے۔“ ”کیوں شامت آئی ہے۔“ رحمان صاحب دانت پیس کر بولے۔

”اُرے تو مجھے کیوں مارے ڈال رہے ہو؟“ کہرا اگر بیان چھڑانے کی کوشش کرتا ہوا اگر گز بیلا ”خاموش رہو...“ اس نے اس زور کا جھکا دیا کہ کہرا دروازے کے قریب جاپڑا اور ریو الور والے نے کہا۔ ”خبردارے کو زہ پشت۔ اگر تم نے باہر نکلنے کی کوشش کی تو گولی مار دوں گا۔“ ”خبردار...“ کہرا تن کر کھڑا ہوتا ہوا بولات ”کوزہ پشت نہیں! ہمگد دی گریٹ کہا! مجھ پیچانو... میرا ہترام کرو۔ ورنہ غارت کر دوں گا۔“

کبڑے کی پشت دروازے کی طرف تھی۔ اچاک کوئی وزنی چیز بڑی قوت سے اس کے سر پڑی اور وہ ”اُرے اُرے“ کہتا ہوا اونٹھے منہ ڈھیر ہو گیا۔ دونوں غیر ملکی اچھل پڑے۔۔۔ کہرا دوبارہ اٹھنے کی کوشش کرتا ہوا پھر ڈھیر ہو گیا۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئی تھیں۔ غالباً سر کی چٹ بے ہوش کر دینے کے لیے کافی تاثبت ہوئی تھی۔

پھر یک بیک دوسری چیخ بھی سنائی دی اور ایک آدمی بے ہوش کبڑے پر آگرا۔ یہ سب اتنا نالوں غیر ملکیوں کی طرف تھے۔۔۔

ہر فتاری سے ہوا کہ کسی کی سمجھ میں کچھ آتی نہ سکتا۔ دوسرا آدمی بھی ایسے ہی انداز میں گرا تھا۔ میں بے ہوش ہو گیا ہو۔ اس کا سر بازوؤں میں چھپا ہوا تھا۔

غیر ملکیوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر تھیں انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ پھر ریو الور والا ”خبردار... خبردار...“ گولی مار دوں گا کہتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ اور پھر دوسرے ایک ٹکھیل شروع ہو گیا۔۔۔ کبڑے پر پڑے ہوئے آدمی کی ایک نانگ میں جنتش ہوئی تھی۔ بس پھر وہ ریو الور والے کی نانگوں کے درمیان نظر آئی۔ اور وہ ڈھیر ہو گیا۔ اور ہر بے ہوش ”مگد ہو...“ کہرا کانپتا ہوا کہہ رہا تھا۔ ”مجھے پیچانوں... مجھ سے ڈرو۔ میں ساری دنیا کا شہنشاہ ہوں... ہمگد دی گریٹ...!“

غیر ملکی نے اس کے سر پر دھپ رسید کیا اور وہ اس طرح چیخ کر اچھل پڑا جیسے کسی مندل ”اوہ...!“ کے طبق سے بے اختیار نکلا اور وہ دوسرے غیر ملکی پر ٹوٹ پڑے۔ وہ بوڑھے ہاتھ میں تھا۔ اور وہ اسے گھستا ہوا چل رہا تھا۔

ادھر بے ہوش آدمی نے اپنے شکار سے ریو الور چھین لیا اور اسے چھوڑ کر ہٹتا ہوا بولا۔ ”یہ دھڑے کھڑے ہو جاؤ...!“ لیکن وہ بھی شاید پاگل ہی ہو گیا تھا اس کی پرواہ کیے بغیر کہ مقابل کے ہاتھ میں ریو الور ہے اسے لپٹ پڑا۔

”عمران! ہوشیاری سے۔“ رحمان صاحب نے آواز دی۔

”عمران نہیں! پر دیوسرہ اسٹاریکٹر نادان۔ یہ ہے نیچپل ایکنگ۔ سلاما لیکم...!“ عمران نے اپنے شکار کو دیوار سے رکھتے ہوئے کہا۔

ہنگام جاری رہا۔ رحمان صاحب کا مقابل بھی کمزور آدمی نہیں معلوم ہوتا تھا۔ قیدی دیوار سے کہرا اس طرح ہاپ رہا تھا جیسے وہ خود بھی کسی سے نپٹ رہا ہو۔ لیکن اس کی آنکھوں میں لاگی سے مشابہ بے حقیقی اب بھی پائی جا رہی تھی۔ زبان اب بھی بند تھی۔

پھر یہ ٹکھیل اسی وقت ختم ہوا جب دو نقاب پوش کرے میں داخل ہوئے۔۔۔ رحمان مابڑ پیچنے تھے۔ ”دیکھو...“

عمران نے اپنے ہاتھ روک لیے۔۔۔ نقاب پوشوں کے ہاتھوں میں ریو الور تھے لیکن ان کے نالوں غیر ملکیوں کی طرف تھے۔۔۔

پوکام کیا تھا اور ایک چور دروازہ بنانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ بھی بڑی محنت کرنی پڑی ہے اس میلے میں بار بار اس کرے سے اس کرے میں بھاگنا پڑتا تھا۔ مقصد یہی تھا کہ کسی طرح اس کرے میں پہنچ جاؤں جس میں چور دروازہ ہے پھر وہیں جم گیا تھا۔ جانتا تھا کہ بند ہونا لازمی ہے۔ کیونکہ جن حرکتوں کی بنا پر بند کیا گیا تھا ان کے بغیر قبلہ والد صاحب کے غیر ملکی مہماںوں کی شکلیں نہ دیکھ سکتا۔ ٹھہر و سنتہ رہو..... ہاں اب انہیں کی طرف سے آ رہا ہوں۔ کوئی چار ماہ پہلے کی بات ہے کہ لندن آفس سے مجھے اس اسکیم کی اطلاع ملی تھی..... ہمارے یہاں ایک خطرناک نم کا غیر ملکی جاسوس قید تھا لیکن وہ دراصل برطانوی حکومت کا قیدی تھا۔ ایسا قیدی جس کے متعلق ابھی تک فیصلہ نہ ہو سکا تھا کہ وہ صحیح آدمی ہے بھی یا نہیں.... اس لیے اس کے مسئلے میں کافی رازداری برقراری جاری تھی اسکا لینڈ یارڈ سے دو آدمی آنبوالے تھے اسے لینے کے لیے اور ایک ایسا آدمی برماء سے آئے والا تھا جو اس جاسوس کی شاخت کر سکتا۔ بہر حال لندن آفس سے مجھے اطلاع ملی کہ اسکا لینڈ یارڈ کے دونوں آفیسر والد صاحب کے مہماں ہوں گے اور جاسوس کی شاخت ہو جانے پر بہت خاموشی سے اسے اپنے ساتھ لندن لے جائیں گے۔ ایک دوسرا ملک بھی اس جاسوس میں دچپی لے رہا تھا۔ دراصل اس کے ایجنٹوں سے اس کے متعلق میرے ایجنٹوں کو معلوم ہوا تھا۔ اس ملک کے ایجنٹوں کی اسکیم یہ تھی کہ وہ اسکا لینڈ یارڈ کے آفیسروں کو راستے ہی سے غائب کر دیں اور ان کے ناماغた پر بقظہ کر کے والد صاحب کے مہماں ہو جائیں۔ اور پھر جاسوس کو شاخت سے پہلے ہی اڑائیں۔ وہ دراصل اسی ملک کا جاسوس تصور کیا جاتا ہے جس کے ایجنت اڑا لے جانا چاہتے تھے۔ ہاں تو اس کے لیے انہوں نے بڑے پاپر طیلے تھے۔ ان دونوں آفیسروں کے ہمشکل تلاش کئے.... اور انہیں اس کام پر مأمور کیا۔ مجھے لندن ہی کے آفس سے یہاں کی ایک لڑکی کا نام اور پتہ معلوم ہوا تھا جو اسی ملک کی ایجنت تھی۔ نہیں اس پر ذورے ڈالے.... اسی سے کسی کبڑے کا علم ہوا..... جو ان دونوں شاید شہر میں موجود نہیں تھا۔ بہر حال میں نے صدر اور خاور کو اس کی تلاش پر مأمور کر دیا۔ میر اندازہ تھا کہ اُنکی محض ایک معمولی سی ایجنت ہے اور کسی دوسرے سے احکامات حاصل کرتی ہے جو کبڑے کے ذریعہ اس عک پہنچتے ہیں۔

”مگر کہا بھی کوئی معمولی آدمی نہیں معلوم ہوتا۔“ بیک زیر و نے کہا اور صدر کی کہانی

”ان سکھوں کو جیل پہنچاؤ“ عمران نے کہا۔
”لیج لیج یعنی کہ“ ایک نقاب پوش ہکلایا۔
”ہاں۔ ڈائریکٹر جزل صاحب سمیت!“ عمران نے کہا اور دروازے کی طرف مڑ گیا۔
رحمان صاحب نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا۔ پھر سخت سے ہونٹ بند کر لیے۔

○

بلیک زیر و آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر عمران کو گھور رہا تھا!
دفعہ عمران تیزی سے جھکا اور بلیک زیر و اچھل کر دروازے کی طرف بھاگ۔ عمران نے تیز لگایا۔ وہ تو اپنی جگہ سے بلا بھی نہیں تھا۔ بلیک زیر و رک کر مڑا اور تھیرانہ انداز میں پلیم جھپکائیں۔

”اب میں پاگل نہیں ہوں گدھے۔“ عمران مسکرا یا۔ ”میری یاد و اشت و اپس آگئی ہے۔“
نکالو میرے سارے پانچ روپے جو تم نے اس دن ادھار لیے تھے۔“

”اوہ“ بلیک زیر و میں پڑا۔

تحوزی دیر بعد عمران اس ہنگائے کی وجہ بیان کر رہا تھا۔

”جبور اسر پر چوٹ کھانی پڑی تھی۔ اب تم میر اسماں اس فیٹ سے ہٹاؤ۔ آئندہ وہاں نہ سکوں گا۔ خدا میر پھٹا کیا کے گناہ معاف کرے نہو نہیں مطلب یہ کہ خدا تو کہنے کا مطلب یہ کہ وہ محض آلہ کا رہ تھی اگر وہ سر پھاڑنے پر آمادہ نہ ہوتی تو کسی گا ہی سے نکرانا پڑتا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح اسپتال ہی کے توسط سے گھر پہنچ جاؤں نہ بھائی اس وقت پڑو دی مجھے تیم سمجھتے ہاں ایسی ہی بات تھی اگر قبلہ والد صاحب کو ان نظرات۔ آگاہ کرتا جن میں وہ گھرے ہوئے تھے تو انہیں اس پر قطعی یقین نہ آتا۔ لہذا!“

”تو کیا ڈائریکٹر صاحب نے آپ کو آزاد کر دیا تھا میں نے سنا تھا کہ انہوں نے آپ ایک کرے میں بند کر رکھا ہے اور قتل کی کنجی ہر وقت اپنے پاس ہی رکھتے ہیں۔“

”میک سنا تھا کہ وہ اس وقت بھی متفہل ہو گا.... یہ بھی ایک راز ہے جس کا کسی کو علم نہیں وہ میر اذاتی کرہ ہے سب سے الگ تھلگ ابھیشہ سے اسی میں رہا ہوں۔ ایک بار کچھ دونوں کے عمارت خالی ہو گئی تھی پرانا قصہ ہے میں نے ملازوں کو بھی چھٹی دے کر وہاں رہا۔“

دہرائی....!

ہالے گی۔ اس کا کرہ اب بھی مغل ہی تھا۔ رحمان صاحب پہلے تو یہی سمجھے تھے کہ کسی نے کھوں دیا ہو گا۔ لیکن پھر؟ بہر حال کرہ کھونے سے پہلے ہی انہیں بیگم صاحبہ کو مطمئن کرنا تھا۔

کرہ کھولا گیا اور رحمان صاحب بوكھلا کر چیچے ہٹ آئے۔ عمران سامنے ہی پڑا بے خبر سورہا غا۔ جتنی دیر میں کسی کو کچھ کہنے سننے کا ہوش آتا تھیا جھپٹ کر ٹھنڈے پانی کی بالٹی اٹھا لائی۔ پھر قتل اس کے کہ کوئی اسے روک سکتا۔ وہ سوئے ہوئے عمران پر خالی بھی ہو گئی۔

”ہوئی قادر....“ عمران دہاز تا ہوا اٹھ بیٹھا۔ ”اب اردو میں ارے باپ رے.... ہاں!“ وہ

اچھل کر کھڑا ہو گیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ... پھر بولا۔ ”میں کہاں۔ ارے اماں بی.... آداب.... اور ڈیڈی.... آداب آداب.... شریا.... تین بار آداب.... میں یہاں کیسے؟“

”یادداشت واپس آگئی نا؟“ شریانے بر اسمانہ بنا کر پوچھتا۔

”بب بب بالکل!“ عمران سردی سے کانپتا ہوا بولا۔ ”سردیوں میں ٹھنڈا بانی پہلے مزان پوچھتا ہے اور پھر یادداشت بھی واپس لے آتا ہے.... الحمد للہ....!“

”سور.... کہیں کا۔“ رحمان صاحب آہستہ سے بڑاۓ اور دوسرا طرف چلے گئے....!

O

دوسری شام کو عمران نے دانش منزل سے رحمان صاحب کو رنگ کیا تھا اس کیس کے مختلف پہلوؤں پر دریک گنتگو ہوتی رہی۔ پھر رحمان صاحب نے کہا۔ ”آخر کہرے کو کیوں روکا جائے۔ ان لوگوں نے اس بے چارے پر بھی تو ظلم کیا تھا۔“

”جی نہیں!“ عمران نے جواب دیا۔ ”مغض ایک ڈرامہ تھا جو آپ کے لیے اٹھ کیا گیا تھا۔ کبڑا خاصی اہمیت رکھتا ہے۔ انہوں نے قیدی کو لے بھاگنے کی اسکیم تو بھائی تھی اور انہیں یقین تھا کہ وہ اس میں کامیاب بھی ہو جائیں گے۔ لیکن قیدی سے متعلق چند کاغذات کا مسئلہ پھر بھی باقی رہتا۔ کاغذات آپ کی تحویل میں تھے.... وہ آپ کو کہرے کے مکان میں اسی لیے لے گئے تھے کہ کاغذات حاصل کر سکیں لیکن انہیں یقین نہیں تھا کہ آپ آسانی سے نکلت تعلیم کر لیں گے۔ لہذا یہ پوچھ رہا تھا کہ تکاہی کی صورت میں آپ کو کہرے کے ساتھ قید دیں گے.... اور کہا آپ کا ہمدرد بن کر کاغذات کا سراغ پانے کی کوشش کرے گا وہ انہیں مکار آدمی ہے۔“

”ہاں ہو سکتا ہے.... کنی چکر معلوم ہوتے ہیں۔ کنی ممالک کے جاسوس۔ گھری نظر کھڑ پڑے گی۔ اب یہ تم نے کسی ایسے آدمی کا بھی ذمہ کرہ کیا ہے جس سے کہرا بھی خائف ہے.... اس بھی دیکھنا پڑے گا....“

”وہ بھی آسانی سے پہچانا جاسکے گا بڑی عجیب شکل ہو گی جناب.... پیشانی سے ناک تک چڑھو حصوں میں تقسیم ہے۔“

”یقین نہیں آتا۔“ عمران کچھ سوچتا ہوا بڑا یا۔ ”خیر دیکھا جائے گا۔ ہاں تو اس چکر میں آگئے تھے قبلہ والد صاحب! مگر چونکہ انہیں مجھ پر اعتماد نہیں ہے اس لیے سر پر چوت بھی کھلپ پڑی اور جھونوں بھی بننا پڑا خیر.... ہاں تو وہ لڑکی ایک رات قتل کر دی گئی۔ مار تھا نام تھا۔ ... لیکن اس کے قتل میں بھی کبڑے یا اس کے آدمیوں کا ہاتھ نہیں ہو سکتا۔ وہ رقبات کی بنا پر قتل ہوئی تھی۔ پانچ آدمیوں پر شہر ہے مجھ۔ ان میں سے ایک یقینی طور پر اس کا قاتل ہے... خیر پولیس کیس ہے.... اچھا ب سنو!“

عمران نے ایک طویل سانس لی اور سوچنے لگا۔ بلکہ زیر دنے کہا۔ ”لیکن آپ کا معافہ تو کی اسکی مشتملوں نے کیا تھا اور میری معلومات کے مطابق ان کا متفقہ فیصلہ بھی تھا کہ آپ یادداشت کو بیٹھے ہیں۔“

”ترکیب نمبر پانچ۔“ عمران نے باسیں آٹھ دبائی۔ بس معافے سے پہلے ایک چنکی چڑھا لیتا تھا۔ میری اپنی دریافت ہے.... ایک پودے کی پتوں پر پیالا جانے والا بھورے رنگ کا سفوف ہے۔ تقریباً دو گھنٹے کے لیے عارضی طور پر ڈھنی اور اعصابی اختلال میں بتلا کر دیتا ہے۔

”کمال ہے جتاب۔ اب سر کے زخم کا کیا حال ہے؟“

”ٹھیک ہی ہے....“ عمران نے پھر ٹھنڈی سانس لی۔ ”بہت کام کرتا پڑے گا۔ کہاں لیا معلوم ہوتی ہے.... کبڑا امیرے لیے ایک مستقل الجھن بن ہوا ہے.... اچھا بھی اب چلا....!“

O

یہ کہاں گھر میں ہر ایک کو معلوم ہو چکی تھی۔ اماں بی جیسی سنجیدہ عورت بھی بے سامنہ نہ پڑی تھیں اور شریا کا تو براحال تھا اس طرح بیچ و تاب کھاری تھی جیسے عمران کی بوئیاں ہی نہماں

”لیکن کبرے نے قطعی طور پر زبان بند کر لی ہے...!“
”مشکل ہی سے قابو میں آئے گا...!“ عمران نے کہا
”مگر تم اس کے مکان تک کیسے پہنچے تھے؟“

”آپ کی گاڑی کی ڈکی میں چھپ کر...!“
”کمرے سے کیسے نکلے تھے...؟“

”وہ.... اوہ.... اوہ....!“ عمران ماٹھ پیس میں ہکلایا۔ ”ہائیں۔ یہ کیا ہو رہا ہے...
مجھے.... شش شایدی میں پھر سب کچھ بھولتا جا رہا ہوں.... سلاما لیم....!“
اس نے سلسلہ مقطوع کر دیا....!

عمران سیریز نمبر 41

بے آواز سیارہ

دوسرा حصہ

جو جھڑپ ہوئی تھی۔ وہ سو فصلی ادا کاری تھی۔ دونوں کے درمیان کسی قسم کا خاص تعلق ضرور موجود تھا۔ صدر نے اسے مخفی ایک معنوی گاہک بھی نہیں سمجھا تھا۔ ادھر چند دونوں سے چلی فطرت رکھنے والی چنگ شی کچھ بھی تھی سی دکھائی دے رہی تھی۔ صدر نے کئی بار افسردگی کی وجہ معلوم کرنی چاہی لیکن چنگ شی کا جواب صرف ایک مضموم سی مسکراہٹ ہوتی۔

آج صدر نے سوچا تھا کہ وہ اس کبڑے کے متعلق ضرور پوچھنے گا۔

چنگ شی نے اس طرح پلکیں جھکائی تھیں جیسے حافظہ پر زور دینے کی کوشش کر رہی ہو۔ پھر بولی۔ ”اچھا وہ سور... میں نہیں جانتی کہ وہ ادھر کچھ دونوں سے دکھائی کیوں نہیں دیا۔“ ”میں اس کے لیے متفکر ہوں۔“ صدر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

”کیوں؟ ارے تم اس کے لیے متفکر ہو؟“ چنگ کا لہجہ متیرانہ تھا۔

”ہاں! مجھے اس سے ہمدردی ہے۔ اس رات والے جھگڑے کے بعد سے ہم گھرے دوست بن گئے تھے۔ ارے چنگ سویٹ... وہ تو فلاسفہ ہے فلاسفہ... بڑا گریٹ آدمی ہے اور سنو۔ اچھا نہ ہو... مجھے اس کا نام تو بتاؤ۔“

”نام“ چنگ شی نہ پڑی۔ ”اس نے مجھے آج تک اپنا نام نہیں بتایا۔ کہتا ہے جو چاہے کہہ لو.... پاگل کے کا نام سے بھی پکار سکتی ہو!“

”وہ خاموش ہو کر پھر نہیں اور بولی۔“ میں تو اسے ”خیک آف ٹیکنو“ کہتی ہوں۔“

”خیک آف ناٹرے و نیک پڑھی ہے تم نے....؟“

”اوہ سویٹ!“ وہ مفتیاں بھیجن گئیں اور آنکھیں بیچ کر بولی۔ ”کئی بار... اوہ بہت حسین.... ہائے کیا چیز ہے.... سنو! مجھے اس کے بہترے مکالے زبانی یاد ہیں۔“

”اس نے مجھے اپنا نام ہمگ دی گریٹ بتایا تھا۔“ صدر نے مختذلی سانس لی۔

چنگ اسے پر تشویش نظریوں سے دیکھتی رہی پھر بولی۔ دیکھو! تم اس کے چکر میں نہ پڑنا مجھے تو وہ کوئی بہت پراسر اور خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ میں یہی نہیں سمجھ سکتی کہ وہ یہاں آتا ہی کیوں ہے جب کہ کسی قسم کے نئے کاشائق بھی نہیں ہے۔“

”واقعی!“ صدر کے لبجھ میں سوالیہ استجواب تھا۔

O

صدر کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو سکا کہ اس دوران میں کیا کچھ ہو چکا ہے۔ اس لیے وہ کبڑے کو سارے شہر میں تلاش کرتا پھر رہا تھا۔

عمران کے متعلق بھی اسے کچھ نہیں معلوم ہو سکا تھا۔ عمran کی شیم میں شاید صدر اور جوزف ہی ایسے تھے جنہیں اب بھی یقین تھا کہ اس کی یادداشت واپس نہیں آ سکی۔ ان کی اس لا علی کی وجہ بھی تھی کہ عمran اپنی کسی نئی اسکیم کے تحت انہیں ”بے خبر“ ہی رکھنا چاہتا تھا۔

رحمان صاحب نے گھر والوں کو سختی سے تاکید کی تھی کہ وہ عمran کی صحیح الداعی کی ”خوبخبری“ کسی کو بھی نہ دیں.... وہاب بھی ان کی کوئی کے اسی کمرے میں مقید تھا۔

کیپن فیاض کو اب بھی مار تھا کے قاتل کی تلاش تھی.... اور وہ خوفناک چہرے والا اسے اکثر خواب میں بھی نظر آتا تھا جس سے ایک بارہ شہر کی ایک سمنان سڑک پر مدد بھیڑ ہوئی تھی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اس کے مجھے کے ڈائریکٹر جزل پر کیا کچھ گذر چکی ہے.... اور وہ تو اس کبڑے کے وجود سے بھی لامع تھا جسے ان دونوں سڑل جیل کی ایک کوٹھری میں رکھ کر زبان کھولنے پر مجبور کیا جا رہا تھا۔ پھر ان قیدیوں کے بارے میں وہ کیا جان سکتا جو ڈائریکٹر جزل کے ساتھ ایک بہت بڑا فراز کرنے والے تھے۔ ان قیدیوں کی تو کسی کو ہوا بھی نہیں لگ سکتی تھی اور وہ براہ راست چند مخصوص آفیسروں کے پروردگار ہے گے تھے۔

صدر آج بھی چنگ شی کے چاند و خانے کے چکر کاٹ رہا تھا۔ ان توقع پر کہ شاید وہیں کبڑے سے ملاقات ہو جائے۔ اسے یقین تھا کہ ایک بار چنگ شی اور کبڑے کے درمیان

”یقین کرو....“

”تب تو واقعی سوچنا پڑے گا۔“ صدر جلدی سے بولا۔ ”چنگ کہیں وہ کوئی سرکاری آدمی تو نہیں ہے؟“

”ہوا کرے۔“ چنگ نے لاپرواں سے شانوں کو جبیش دی۔ ”میرا بزنس صاف ہے۔“

”بزنس کو چھوڑو۔ یہاں ہر طرح کے آدمی آتے ہوں گے۔“

”ہاں۔“ وہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ ”ممکن ہے۔ مگر مجھے کیا۔ کسی کی پیشانی پر تو تحریر نہیں ہوتا کہ وہ کیسا آدمی ہے۔ یہاں خونی بھی آتے ہوں گے۔ پھر مجھ پر تو اس کی ذمہ داری عاید نہیں ہوتی۔“

”ایسا حیرت انگیز آدمی آج تک میری نظر دل سے نہیں گزرا۔....!“

”کیوں کیا تم اس کے متعلق کچھ اور بھی جانتے ہو؟“

”کاش کچھ اور بھی معلوم ہو سکا ہوتا۔....!“

”اوہ۔ تم تو اسی باتیں کر رہے ہو جیے واقعی اس کے متعلق بہت کچھ معلوم کر چکے ہو۔“

”نہیں ابھی تک کچھ نہیں معلوم کر سکا لیکن معلوم کرنا چاہتا ہوں۔“

”کیوں؟“

”میں اچھا آدمی نہیں ہوں اس لیے مجھے ابھی ہو جاتی ہے اگر کوئی خواہ خواہ میری طرف متوجہ ہوتا ہے۔“

”تو کیا سب سے پہلے اس نے ہی تم میں دلچسپی لی تھی؟“

”یقیناً۔ وہ رات یاد کرو۔ جب تمہارے یہ روم میں بات بڑھ گئی تھی۔“

”مجھے یاد ہے۔“ چنگ شی کچھ سوچتی ہوئی بولی۔

”وہ کیوں گھس آیا تھا؟“

”اف۔ فو، یہی تو میں آج تک سوچتی ہوں۔ اس سے پہلے کبھی کسی نے میری اجازت کے بغیر خواب گاہ میں گھنے کی ہمت نہیں کی تھی۔“

”اسی لیے مجھے اس کے متعلق بہت کچھ سوچنا پڑا ہے۔“

”کیا سوچنا پڑا ہے....؟“

”یہی کہ وہ میرے متعلق معلومات فراہم کرنا چاہتا ہے۔“

”سی۔ آئی۔ ذی۔.... والا۔“

”پھر کون ہو گا؟“ صدر جلا گیا۔

”تم خائف ہو؟“

”کیوں نہ ہوں۔ جب کہ پولیس کے پاس میرا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔“

”ارے تو کیا کچھ تم برے آدمی ہو؟“

”ہاں۔ اے اچھی عورت۔“ صدر کے لبھ میں تسمح تھا۔

”تو یہاں کیوں مر نے آتے ہو؟ جاؤ نکلو۔“ نہ جانے کیوں وہ یک بیک پھر گئی۔ ”دفع ہو جاؤ۔ ورنہ میں پولیس کو فون کر دوں گی۔“

صدر نے اسے خونخوار انداز میں گھوڑا۔ پھر اٹھا۔ سر پر فلت بیٹھ جائی اور اسے تیکھی نکروں سے دیکھتا ہوا صدر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

O

ہمگ دی گریٹ نے جہاںوں کی سیر کر رہا تھا۔ یعنی ٹانگیں اور تھیں اور کھوپڑی نیچے۔ بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے کسی مردہ کچھوے کو الٹا نکال دیا گیا ہو۔ اس طرح الٹے لٹکے ہوئے اس نے دس گھنٹے بیٹھے واعفیت گزار دیتے تھے۔

اگر پلکس نہ بچک رہی ہو تو میں تو شاید اس پر کسی لاش ہی کا دھوکا ہوتا۔ چہہ سپاٹ تھا۔ غربات سے عاری۔ کرب کے آثار تو چھرے پر اس وقت بھی نہیں نظر آئے تھے۔ جب اس پر بیدوں کی بارش ہوئی تھی اور مرمت کرنے والوں کو الگ جا کر آپس میں کھسر کرنی پڑی تھی۔ ”یاد یہ تو بالکل ایسا ہی لگتا ہے جیسے ہم کسی ربر کے مجھے پر اپنی قوت شائع کر رہے ہوں۔“

وہ دونوں آفسر جو اس سے حقیقت اگلوانے پر مامور ہی گئے تھے کچھ دیر بعد بڑی طرح نوں نظر آنے لگے۔

و غطا کہرے نے چھتے ہوئے مگر پر سکون لبھ میں کہا۔ ”اب آخری تدبیر مجھ سے سنو میری کھوپڑی کے نیچے آگ روشن کرو اور اس پر تیل سے بھری ہوئی ایک کٹھائی رکھو۔ پھر میری کھوپڑی میں اتنا بڑا سوراخ کرو کہ مغز بوندوں کی شکل میں پہنچے گے۔ بن یہی ایک طریقہ ہے جسے

اختیار کرنے کے بعد تم مجھ سے ایک بڑے راز کی بات معلوم کر سکو گے۔“

”اے کیوں زیج کر رہا ہے کچھوے کی اولاد۔“ ایک آفیر نے بے بسی سے بس کر کہا۔

”اچھا تو قریب آؤ۔ میں تمہیں بتائی دوں۔“

آفیر بڑی سمجھی گی سے اس کے قریب آکر جھکا۔

”بتائی دوں؟“ کہنے نے آہستہ سے پوچھا۔

”ضرور۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تمہیں انعام بھی دلوائیں گے۔“ آفیر نے بڑے خلوص سے کہا۔

”اچھا تو سنو! میں اس کو بڑی سمت پیدا ہوا تھا۔“

”میباہت ہوئی....!“

”ارے واہ.... کچھ بات ہی نہ ہوئی۔ میری ماں مجھے جنم دیتے ہی مر گئی ہو گی۔“

”میباہک رہے ہو؟“

ہمگد دی گریٹ نے قہقهہ لگایا۔ بے تحاش ہستارہ۔ ”مجھے بڑی لذت محسوس ہوتی ہے جب سوچتا ہوں کہ میری ماں اس طرح مر گئی ہو گی۔“

آفیر نے جھلا کر دونوں ہاتھ اس کے منہ پر مارے۔ لیکن وہ اسی طرح ہستارہ۔

پھر آفیر دہاں سے ہٹ کر دوسرے کمرے میں آیا اور فون پر ڈائریکٹر جزل صاحب کے نمبر ڈائل کیے....!

”یہلو!“ دوسری طرف رحمان صاحب ہی تھے۔

”قریشی.... سر....!“

”ہاں.... کیا رہا....!“

”اذیت رسالی کی بھی حد ہو چکی ہے جناب۔“ آفیر نے کہا۔ ”میری دانست میں وہ صحیح الدین غنیم ہے۔ ہم ان دونوں کے متعلق اس سے زیادہ اور کچھ نہیں معلوم کر سکے کہ وہ ایک کا لے آدمی کی مدد سے وقار فقا اس کے مکان کو استعمال کرتے رہتے تھے۔“

”وقار فقا....?“

”جی ہاں۔ کالا آدمی تو اسے بہت دونوں سے پریشان کر تارہا ہے۔ لیکن ان دونوں غیر ملکیوں

لئے تھوڑے ہی دونوں سے وہاں اپنی حرکتی شروع کی تھیں۔ جب وہ پہلی بار آئے تھے تو کالا آدمی بھی ان کے ساتھ تھا اور اس نے کہنے کو دھمکی دی تھی کہ اگر اس نے انہیں وقار فقا پناہ مکان پر استعمال کرنے دیا تو وہ اسے مار دالیں گے۔“

”وہ کتنے اوقات میں اور کس سلسلے میں اس کا مکان استعمال کرتے تھے؟“

”دو یا ڈھانی بیجے رات کو وہ دونوں وہاں جمعتے تھے اور ایک عجیب قسم کی مشین پر کسی کو پیغامات بھیجتے تھے اور اسی مشین پر کسی نامعلوم جگہ سے پیغامات وصول کرتے تھے۔“

”مشین کی ساخت....؟“

”غالباً مشین سے اس کی مراد ٹرانسیور ہے۔ کیونکہ میں نے بھی ساخت کے متعلق استفسار کیا تھا۔ جواب میں اس نے جو کچھ بتایا اس سے ٹرانسیور ہی....!“

”خیر۔ اس کا لے آدمی کا خلیہ بتاؤ۔“

”لاکھوں میں پہچاتا جائے گا۔ اگر اس نے خلیہ صحیح بتایا ہے۔ کہتا ہے اس کا چہرہ پیشانی سے تک کی نوک تک دو حصوں میں منقسم معلوم ہوتا ہے۔“

”کیا؟“

”مجھے یقین نہیں آیا جناب! اس کے میان بکے مطابق وہ شاید تکوار یا تبر کے زخم کا نشان ہے۔“

”اچھا تھہر واب اسے اذیت نہ دو۔ دوسرے احکامات کا انتظار کرو۔“

سلسلہ منقطع ہو گیا۔ آفیر نے طویل ساسن لی اور ریسیور کریڈل میں رکھ دیا....!

O

کچپن فیاض بے خبر سورا ہاتھ۔ پھر یہ کیک.... آنکھ کیسے کھلی تھی؟ کیا وہ آواز تھی کسی قسم کی۔ اپنی خواب گاہ میں تھا سوتا تھا۔ لیکن دروازے کی ایک کنجی بیگم فیاض کے پاس بھی رہتی تھی اور دروازہ اندر سے مقلع کیے جانے پر باہر سے بھی کھو جا سکتا تھا۔

فیاض نے اندر ہیرے میں آنکھیں چھاڑیں کیونکہ اب وہ قدموں کی آواز بھی سن رہا تھا۔ دروازہ مقلع کر کے سویا تھا۔ اس لیے صرف راسامنہ بنا کر رہ گیا۔ یوں کی یہ حرکت اسے بے حد گراں گزرتی تھی۔ اکثر کہہ بھی دیتا۔ ”بھی اگر قم پر اختلاج قلب کے دورے پڑتے ہیں تو

مجھے بے خوابی میں نہ جلتا کیا کرو۔“

وہ اکثر سوتے سوتے جاتی اور کسی الجھن میں جلتا ہونے کے بعد فیاض کی خواب گاہ ہی کارخ کرتی خواہرات کے دو بجے ہوتے۔ پہلی وجہ تھی کہ اس کی خواب گاہ کی ایک کنجی اپنے پاس رکھتی تھی.....!

”چٹ....!“ کرہ روشن ہو گیا.... لیکن فیاض اس طرح اچھلا تھا جیسے کسی نے پنک کے نیچے سے ٹھوک کر ماری ہو۔ اسے ایسا محروس ہو رہا تھا جیسے ہاتھ پر دوں میں جان ہی نہ رہی ہو۔

”پکستان صاحب! بیٹھے ریتے خاموشی سے“ کمرے میں تیز قسم کی سرگوشی گوئی تھی۔ فیاض اس کے خلاف کیسے کرتا جب کہ رویالور کی نال اسی کی طرف اٹھی ہوئی تھی.... اور رویالور بھی ایک ایسے آدمی کے ہاتھ میں جس کا چچہہ.... دھصوں میں منقسم تھا.... ایک بھی انک رات کا تصور فیاض کے ذہن میں رینگنے لگا۔ خوفناک آدمی نے ٹھوک سے ایک کری کھکائی اور رویالور کا رخ فیاض ہی کی طرف کے ہوئے بیٹھ گیا....!

فیاض پلکیں جھپکائے بغیر اسے گھورے جا رہا تھا.... دھنٹا خوفناک آدمی کے ہونٹ پھیل گئے اپنے نہیں یہ مسکراہٹ تھی یا عادتاً ہونٹوں میں صرف کھنچا پیدا ہوا تھا؟ فیاض اس کی آنکھوں میں اس قسم کی کوئی تبدیلی نہ دیکھ سکا کہ جسے جذباتی تغیر کا نتیجہ کہا جا سکتا۔

”میر انعام.... نزوادا ہے کیپٹن.... پللو زو دا... او پللو زو دا...“ سمجھ بیٹھنا۔ میں نے آج تک ایک مصرع بھی نہیں کہا۔ ”خوفناک آدمی بولا۔“ دھنٹا فیاض نے سنبھالا لیا اور آواز غصیلی بنا کر بولا۔ ”کیا میں اس طرح آنے کا مقصد پوچھ سکتا ہوں؟“

”آج میں گرفتار ہونے آیا ہوں کیپٹن!“

”بھاگ جاؤ۔ مجھے غصہ نہ دلاؤ۔“ فیاض نے آنکھیں نکالیں۔ ”معلوم ہے۔“ خوفناک آدمی کا لبچہ طنزی ہتا۔ ”آپ لوگ بہت ذہنی ہیں۔ اتنا بھی نہ ہو سکا اس کی اصلیت ہی معلوم کر لی جاتی۔“ ”کیا مطلب؟ کیسا کبڑا....؟ میں سمجھا نہیں۔!“

”وہی کبڑا جو سٹرل جیل کی ایک تاریک کوٹھری میں الٹا لٹکا ہوا تھا۔“

”تم پتہ نہیں کہاں کی اڑا رہے ہو۔“

”اوہ.... تو کیا آپ نہیں جانتے؟ مجھے حیرت ہے۔“

”میرا وقت نہ بر باد کرو۔“ فیاض نے بر اسمانہ بنایا۔

”سمجھا!“ خوفناک آدمی نے متکرانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔ ”آپ شاید لا علم ہیں ملکن ہے آپ کے ملک میں پر نہندنٹ کوئی اہمیت نہ رکھتا ہو۔ ہاں ٹھیک ہے اسی لیے تو ڈا ریکٹر جزل بھاگ جھاگے پھر اکرتے ہیں۔“

”میں کچھ بھی نہیں سمجھا ووست!“ دھنٹا فیاض کا لبچہ بے حد نرم ہو گیا۔

انہوں نے ایک کبڑے کو پکڑا کر کئی دنوں تک الٹا لٹکائے رکھا۔ انداز سانی کی حد کر دی گئیں اس سے اعتراض جرم نہ کر سکے۔ پھر آخر کار اسے چھوڑ دی دینا پڑا۔“

”تب پھر تم یہ بھی جانتے ہو گے کہ اس پر الام کیا تھا؟“

”جا رہا ہوں۔ ڈا ریکٹر جزل کا خیال تھا کہ وہ کسی تحریک پسند مملکت کا ایجٹ ہے۔“

یک یک فیاض نے اس پر چھلانگ لگائی۔ لیکن خوفناک اجنبی غال قتل تو نہیں تھا۔ فیاض کری بیت دوسرا طرف الٹ گیا۔ پللو زو دا دور کھڑا مسکرا برہا تھا۔

”کیپٹن پیٹر۔“ رویالور کی نال پھر سیدھی ہو گئی۔

فیاض انھا اور دروازے کی طرف دیکھنے لگا جس پر سیاہ پردہ سمجھ دیا گیا تھا۔

”آنے کی آواز دوڑک پھیلی ہو گئی لیکن .. کوئی یہاں تک آئیکی زحمت نہیں گوارہ کرے گا۔“

”کیوں؟“ فیاض جو غصے سے پاگل ہوا جا رہا تھا دہاڑا۔

”وہ احتجوں کی طرح کچی نیند نہیں سوتے۔“

فیاض یک بیک پھر نرم پڑ گیا۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔

” غالباً ذہن کیپٹن کی سمجھ میں پوری بات آگئی ہے۔“ پللو زو دا بھی جو بنا مسکرا یا۔

”میں سختھیک گیس کی ہلکی ہی بو محوس کر رہا ہوں۔“

”لیکن یہاں اس کمرے میں یہ اتنی ناکافی ہے کہ ہم میں سے کوئی بھی بے ہوش نہیں ہو۔“

سلتا۔ پلوزرو دانے کہا۔

”تم حد سے بڑھتے جا رہے ہو۔“

”بیٹھ جائے کیپن! حکم سرا غرسانی میں آپ سے زیادہ ذین اور پھر تیلا آفیسر یہاں اور کوئی نہیں۔ میں دل سے آپ کی قدر کرتا ہوں۔“

”اور تم اس لڑکی کے قاتل بھی ہو۔ کیوں؟“

”وہم ہے آپ کا لیکن میں قاتل کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ آپ اس نتیجے پر پہنچتے تھے کہ“
لڑکی رقبابت یا جوش انتقام کا شکار ہوئی تھی۔ بالکل غلط خیال ہے۔“

”پھر....!“

”وہی کہا اس قتل کا ذمہ دار ہے لیکن آپ کے فرشتے بھی اسے کسی عدالت میں نہ پیش کر سکیں گے۔“

”میاں کہڑے سے تمہارا مجھرا ہے؟“

”ہاں۔ اور آپ کے محلے سے بھی.... ذرا 1920ء کا گرین فائل ریکارڈ روم سے نکلا
دھناتلفون کی گھنٹی بجی.... اور فیاض نے میر کی طرف بڑھنا چاہا۔“

”کرملاحظ فرمائیجے گا....!“

”تم اس کہڑے کے سلسلے میں ہماری مدد کرتا چاہتے ہو۔“

”چلنے بات سمجھ میں تو آئی۔“ پلوزرو دانے قہقہہ لگایا۔

”میں ایسے لوگوں کی قدر کرتا ہوں۔“

”لیکن موقع مل جائے تو چھوڑتا بھی نہیں۔ کیوں؟“ پلو پھر نہ پڑا۔

”پکی بات ہے۔ محظا رہنا۔“ فیاض خوش ولی سے مسکرایا۔

”پلوزرو دا بھی پشا تھا پھر یک اس کی آنکھوں میں گہری سنجیدگی کے آثار نظر آئے تھے۔“

”ڈاکٹر یکٹر جزل کے لارے کا پاگل پن۔“ فیاض کچھ کہتے کہتے رک گیا اور زرو دا تھیر انہ اندرا میں چوک پڑا۔

”تمال ہے۔“ وہ فیاض کی آنکھوں میں گھورتا ہوا بولا۔ ”بھلا آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں اس وقت اسی کے متعلق گفتگو کرنے آیا ہوں۔“

فیاض نے فخریہ انداز میں شانوں کو جنمش دی اور چہرے پر اکتاہٹ کے آثار پیدا کر کے ٹھے میں ہیں۔“

بڑوالا۔ ”پانچ گھنٹوں کی نیند بھی میرے مقدر میں نہیں۔“

”مجھے صرف اتنا ہی معلوم کرتا ہے کہ ڈاکٹر داور کی لیبارٹری سے اس کا کیا تعلق ہے؟“

”کس کا تعلق؟“ فیاض کو پھر چوکنا پڑا۔

”شاید آپ کو ان معاملات سے کوئی دلچسپی نہیں۔“

”دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔“ فیاض بولا۔ ”اگر....“

”ٹھہر یے۔ میرا خیال ہے کہ ڈاکٹر یکٹر جزل کے لارے نے کبھی کسی معاملے میں ڈاکٹر داور کی مدد بھی کی تھی۔“

”ممکن ہے۔ میں نہیں جانتا۔“

”کسی طرح اس نکل یہ خبر پہنچا دیجئے کہ ڈاکٹر داور پھر خطرے میں ہے۔“

”تم آخر آئے کیوں ہو؟“ فیاض کا پارہ پھر چڑھ گیا۔

”میں یہ بتانے آیا ہوں کہ تم بھی خطرے میں ہو۔ تمہارا ملک خطرے میں ہے کہزاںی رکنیں کر رہا ہے جن کی بنا پر دنیا تیسری جنگ عظیم کی لپیٹ میں آسکتی ہے۔“

”فتاوفون کی گھنٹی بجی.... اور فیاض نے میر کی طرف بڑھنا چاہا۔“

”ٹھہر یے!“ زرو دا آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ریو اور کارخاب بھی فیاض ہی کی طرف تھا۔

”زرو دا نے ریسیور اٹھایا۔ کال ریسیور کی اور بر اسمانہ بنائے فیاض کی طرف مڑا۔“

”کوئی محترمہ ہیں۔ سنبھالنے لیکن یہ نہ بھولنے گا کہ میرے ہاتھ میں خالی ریو اور نہیں ہے۔“

فیاض نے جھٹ کر ریسیور اٹھایا۔

”ہیلو کیپن.... میں شی بول رہی ہوں....“

”میں نہیں بچاں سکا محترمہ!“ فیاض نے بھرا تی ہوئی آواز میں کہا۔

”ڈو۔ ڈاکٹر یکٹر میرے ذیلی ہیں....“

”اوہ سمجھ گیا.... فرمائیے!“

”نور آئیے تجربہ گاہ کی طرف.... میں گھر میں تھا ہوں.... ذیلی نے ابھی مجھے تجربہ گاہ

عفون پر اطلاع دی ہے کہ میں ڈاکٹر یکٹری میں آپ کے نمبر دیکھ کر آپ کو رنگ کر دوں۔ وہ

فیاض نے فخریہ انداز میں شانوں کو جنمش دی اور چہرے پر اکتاہٹ کے آثار پیدا کر کے

”لیکن کیا وہ تجربہ گاہ ہی سے براہ راست رک نہیں کر سکتے تھے...؟“

”انہیں آپ کے نمبر یاد نہیں تھے شاید... اور شاید ان کے پاس اتنا وقت بھی نہیں تھا کہ وہ خود ہی ڈائریکٹری میں آپ کے نمبر تلاش کر سکتے۔“

”تو میں کہاں پہنچوں؟“

”تجربہ گاہ میں.... جلدی سمجھے۔ میں رحمان چاکوں کو بھی فون کر رہی ہوں۔“

دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کی آواز آئی۔ فیاض رسیور کھ کر مزرا۔

لیکن اس طرح اچھل پڑا جیسے کسی نے سر پر لٹھ رسید کر دیا ہو۔ کرہ خالی۔ بوکھلا کر باہر نکلا۔... سارا گھر چھان مارا لیکن پلوزو دو اکا کہیں پتہ نہ تھا۔

O

فیاض اور رحمان صاحب کی گازیاں لیبارٹری کے چھانک پر ساتھ ہی پہنچیں۔ چوکیدار جاگ رہا تھا۔ رحمان صاحب کو غالباً پہاڑتا بھی تھا اس لیے چھانک کھلوانے کے سلسلے میں انہیں رک کار دا بیوں سے نہیں گذرنا پڑا۔ رحمان صاحب نے چوکیدار سے کچھ سوالات کیے تھے اندانہ نہ کر سکے کہ چوکیدار اندر کے حالات سے باخبر ہو گا۔

”تم کیسے آئے؟“ رحمان صاحب نے چھانک سے گذر کر عمارت کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔

”صاحبزادی نے مجھے فون پر اطلاع دی تھی کہ ڈاکٹر اور خطرے میں ہیں۔“

”مسلح ہو یا نہیں۔“

”جی ہاں...!“

وہ آگے بڑھتے چلے گئے۔ تجربہ گاہ کی عمارت چھانک سے تقریباً ایک فرلانگ کے فاصلے پر تھی۔ عمارت تاریک پڑی تھیں کہیں بھی روشنی نہ دکھائی دی۔ وہ وزیر سردم کی طرز بڑھے اور سورج بورڈ پر کال بیل کا بیٹھ دیا۔ بار بار بھی کرتے رہے لیکن اندر سے جواب نہ ملا۔ پھر کیپٹن فیاض نے دروازے پر قوت صرف کرنے کا ارادہ کیا تھا کہ رحمان صاحب اس شانہ چھو کر بولے۔ ”ٹھہرو“ چند لمحے کچھ سوچتے رہے پھر کہا۔ ”تم نے غلطی کی۔ اکیلے چلے آ۔ کچھ آدمیوں کو ساتھ لانا تھا۔ جب لڑکی نے تھیں...“

”میرے ساتھ پانچ انپکٹر ہیں۔“

”گلڈ...! تو پھر انہیں بلاؤ۔“

فیاض نے سیٹھ نکالی اور اسے ہوتزوں کی طرف بڑھاہی رہا تھا کہ رحمان صاحب کی نظر پڑی۔ جھنجلا کر بولے۔ ”عجیب آدمی ہو۔ عقل استعمال کیا کرو۔ خود جاؤ بہر۔... خاموشی سے لاو۔“ فیاض بوکھلائے ہوئے انداز میں چھانک کی طرف دوڑ گیا۔

رحمان صاحب بھی کھلے میں نکل آئے تھے۔ انہوں نے آس پاس کی کھڑکیوں اور دروازوں پر تارچ کی روشنی ڈالی اور پھر ایک جانب ان کے قدم تیزی سے اٹھ گئے۔

کھڑکی جس میں سلاخین نہیں تھی کھلی ہوئی نظر آئی۔ لیکن اندر تاریکی تھی۔ رحمان صاحب نے ایک ٹکری اٹھا کر اندر پھینکی اور تیزی سے بائیں جانب ہٹ کر دیوار سے جا گئے۔ لیکن اندر کے سنانے میں ٹکری گرنے کی آواز کے علاوہ اور کسی قسم کا تغیرہ نہ ہوا۔

انتہے میں چھانک کی جانب سے قدموں کی آوازیں آئیں۔ غالباً یہ فیاض کے ماتحت ہی تھے۔ رحمان صاحب نے تارچ کا رخ چھانک کی طرف کر کے روشنی کے سکلن دینے اور وہ لوگ اور ہر ہی چلے آئے۔ کچھ دیر بعد وہ ایک ایک کر کے کھڑکی سے گذر رہے تھے۔

رحمان صاحب نے سب سے پہلے اس حصے کا رخ کیا جہاں ڈاکٹر اور لیبارٹری ہی میں رات دن گذارنے کی صورت میں آرام کیا کرتے تھے۔ کرہ خالی تھا۔ لیکن یہاں انہیں غیر معمولی حالات نہ دکھائی دیئے۔ ہر چیز اپنی جگہ پر تھی بسترے شکن تھا۔ شاید کوئی اس پر بیٹھا بھی نہ ہو گا۔ پھر تین ملازمین ایک جگہ بے ہوش پڑے ٹھیک۔ لیکن ان کے جسموں پر ضربات کے نشانات نہیں تھے۔

”غالباً کوئی نشہ آور چیز۔“ رحمان صاحب ان کا جائزہ لیتے ہوئے بڑھائے اور فیاض کی طرف مزکر بولے۔ ”اب تم لوگ لڑکی کی خبر لو۔ اس کے بعد یہاں ٹھہرنا کی ضرورت نہیں۔ صرف ایک آدمی لڑکی کے پاس رک جائے۔ فیاض تم ہی رکھنا۔ بقیہ لوگ جا سکتے ہیں۔“

فیاض کی آنکھوں میں الجھن کے آثار نظر آئے۔ لیکن یہ بھی نہ کہہ سکا کہ وہ رحمان صاحب کو وہاں تھا نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ کچھ دیر بعد رحمان صاحب پھر ڈاکٹر اور کی خوابگاہ کی طرف واپس آ رہے تھے۔ بے ہوش آدمی جوں کے توں پڑے رہے۔

اس بارا نہیں خوابگاہ کا دروازہ بند نظر آیا۔ واپسی کا مقصد یہ تھا کہ وہ خوابگاہ سے گھر فون کریں۔

گے۔ کوشش کریں گے کہ عمران تک ایک پیغام بیٹھ جائے۔ جوان کی دانست میں اس وقت تک اپنے کمرے میں خراٹے لے رہا ہو گا۔ وہ خیالات میں الجھے ہوئے یہاں تک آئے تھے۔ بند دروازے کو دھکا دیا اور پھر بے ساختہ اچھل پڑے کیونکہ کمرہ خالی نہیں تھا۔

”عمران....!

پھر ان کی پیشانی پر شکنیں ابھر آئیں۔ انہوں نے سوچا جب سمجھت کو اس کا بھی علم تھا تو اب تک خاموش کیوں رہا تھا۔

”کیوں؟“ وہ غرائے۔

عمران اس وقت ضرورت سے زیادہ سمجھیدہ نظر آرہا تھا۔ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”ڈاکٹر داور سے زیادہ ضدی آج تک نیری نظر سے نہیں گزرا۔“

”کیوں؟“

”خطہ محسوس کرنے کی وجہ بھی آپ لوگوں کو بتائی جاسکتی تھی۔“

رحمان صاحب کسی سوچ میں پڑ گئے پھر عمران کو ٹوٹنے والی نظر وہی سے دیکھتے ہوئے بولے۔ ”ممکن ہے اس کی مہلت ہی نہ مل سکی ہو۔“

”تلیم نہیں کیا جا سکتا کہ یہ کوئی ناگہانی حادثہ ہے۔“

”کیوں؟“

”اگر ڈاکٹر داور نے اچانک غیر متوقع طور پر اپنے لیے کوئی خطہ محسوس کیا تھا تو وہ ہی اس کا مقابلہ کرتے۔ آپ لوگوں کو اطلاع دینے کی ضرورت نہیں تھی۔“

”لیا بات ہوئی؟“

”یعنی وہ خطہ انجانتا نہیں تھا۔ وہ پہلے سے واقع تھے کہ خطہ پیش آسکتا ہے۔“

”چلو ہیں سماں۔ پھر....؟“

”پھر کچھ بھی نہیں۔ میں نے صرف یہ عرض کیا تھا کہ ڈاکٹر ضدی ہیں۔“

”تم یہاں کب سے ہو۔“

”آپ کی گاڑی کی ڈکی میں گھری بن کر آیا تھا۔“

”یہ کیا بے ہودگی تھی۔“ رحمان صاحب پھر جملائے۔

بلند نمبر 12
بے آواز سیارہ 177
”یہ تو دیکھئے کہ ان بے ہو گیوں کے لیے مجھے کتنی تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ مثال کے طور پر میں آپ کافون ٹیپ کرتا ہوں۔“
”کیا مطلب....؟“

”ڈیپی ٹیپیز۔ یہاں نہیں گھر... پ..... اب آئیے میرے ساتھ آپ کو دکھاؤں کہ ڈاکٹر اس وقت کہاں سے غائب ہوئے ہیں۔“

”تم بالکل گدھے ہو۔ یہ کیا حلیہ بار کھا ہے؟“ رحمان صاحب نے اس کے سر پر منڈھی ہوئی سیاہ ٹوپی کو گھوڑتے ہوئے کہا۔

”یہ دیکھئے!“ عمران نے ٹوپی کا نچلا گوشہ کھینچتے ہوئے کہا۔ اب ٹوپی نے غلاف کی طرح اس کے پورے چہرے کو ڈھک لیا تھا۔ آنکھوں کی جگہ دوسرا غم تھے۔

”چلو۔“ رحمان صاحب نے بر اسمانہ بنا کر کہا۔ وہ بھی عادتاً مجبور تھے ورنہ فیاض اور اس کے ماتحتوں کو یہاں سے ہٹا دینے کا مقصد بھی تھا کہ کسی طرح عمران کو فون پر بلا کر تجربہ گاہ کے حادثہ کی اطلاع دیں گے۔ ظاہر ہے اس کا مقصد بھی اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ عمران تجربہ گاہ تک پہنچنے کی کوشش کرتا۔

عمران انہیں آبروزویٹری کی طرف لے جا رہا تھا اور اس کا چہرہ اب بھی نقاب ہی میں پوشیدہ تھا۔ دفعتاً تھوڑے ہی فاصلے سے فائروں کی آوازیں آئیں اور وہ چلتے چلتے رک گئے۔ ”اوہ۔ کہیں.... لڑکی تو خطہ میں نہیں ہے؟“ رحمان صاحب بولے۔

”پروانہ سیجھ۔ لڑکی کا کوئی مصرف نہیں ہو سکتا۔“

”ہوش کی باتیں کیا کرو۔“ رحمان صاحب پھر بگزگزے۔

”غلظ نہیں کہہ رہا۔ لڑکی کا مصرف اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ ہم اس کے چکر میں پڑ کر قطی طور پر اپنی توجہ تجربہ گاہ سے ہٹا لیں۔ آئیے تو سماں وہ چھ آدمی ہیں۔ فیاض اتنا شریف نہیں ہے کہ اس نے فوری طور پر آپ کے حکم کی تعمیل کی ہو۔“

”یعنی....!“

”وہ بھی ڈاکٹر کی رہائش گاہ سے پلانہ ہو گا۔ پورے چھ آدمی اس لڑکی کی دیکھ بھال کے لیے موجود ہوں گے۔“

بات حل سے اتنے والی تھی۔ اس لیے رحمان صاحب کو آبروئیری ہی کی طرف بڑھنا پڑا۔ چاروں طرف نائلے اور اندر ہیرے کی حکمرانی تھی۔ وقت عمران ٹھٹھک گیا۔ رحمان صاحب بھی رکے آبروئیری کے نپلے دروازے کے قریب ایک متحرک سایہ نظر آرہا تھا۔ عمران بڑی پھرتی سے زمین پر لیٹ گیا۔ رحمان صاحب نے بھی کافی تیزی دکھائی۔

سایہ دروازے کی تاریکی میں مدغم ہو چکا تھا۔

عمران آہستہ آہستہ بینے کے بل رینگنے لگا۔ آبروئیری کے دروازے تک جنپچے میں دشواری نہیں ہوئی۔ جیسے ہی اس نے دروازے میں بھی داخل ہوتا چاہا۔ رحمان صاحب نے ٹانگ بکڑ لی۔ اندر اندر ہیرا تھا۔

”جلدی نہیں۔“ رحمان صاحب نے تیزی سے ٹک کر اس کے برابر جنپچتے ہوئے سرگوشی کی۔

”مطمئن رہیے!“

وہ تھوڑی دیر تک سن گن لیتا رہا۔ پھر اندر ریک گیا۔ تھوڑی دیر بعد رحمان صاحب نے اندر رونشی کی ہلکی سی لکیر دیکھی۔ شاید عمران نے اپنی پنسل نارچ روشن کر لی تھی۔ ”آ جائی۔“ انہوں سرگوشی سننی اور رحمان صاحب بھی اندر جنپچنگے۔ فائزوں کی آوازیں گاؤ بگاہے اب بھی سنائی دے جاتی تھیں۔

یہ گول کرہ دیران تھا۔ باسیں جانب دوسری منزل کے زینے تھے۔ عمران نے دروازہ بند کر کے اسے بوٹ کر دیا۔

”ریو اور ہے نا؟“ عمران نے پوچھا۔

”اوہ۔ تم بتاؤ کیا کرنا چاہتے ہو؟ وقت بر بادنہ کرو۔“ رحمان صاحب دانت پیش کر بولے۔ ”ہو گا وہی.... خیر.... آپ نہیں ٹھہریے۔ میں اوپ جا رہا ہوں اگر کوئی دروازہ توڑنے کی کوشش کرے.... تو....!“

”میں پچ نہیں ہوں!“ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے رحمان صاحب تھپڑتی تو رسید کر دیں گے۔ لہبہ بہت تلخ تھا۔

”خداحافظ۔“ عمران دوسری منزل کے زینوں کی طرف بڑھ گیا۔

O

نکرا اور سڑک پر ہوا تھا۔ شاید نوبجے رات کی بات ہے۔ صدر کو وہ قطعی غیر متوقع طور پر نظر آیا تھا اور اس طرح چل رہا تھا جیسے گھٹ رہا ہو۔ چہرے پر درم تھا اور کنی جگہ نیلے اور سیاہ نشان نظر آرہے تھے۔

کچھ دور چلتا اور رک جاتا۔ صدر نے اسے ایک گلی سے نکلتے دیکھا تھا اور اب وہ دونوں آگے پیچھے چل رہے تھے۔ دفعتاً صدر نے تیزی سے قدم بڑھانے اور اس کے قریب جا پہنچا۔ ”جباں پناہ...!“ صدر کا لہجہ مٹھکہ خیز تھا۔ کہڑا رک گیا لیکن اس کی طرف مذاہیں پھٹیں آنکھوں سے سامنے خلاء میں گھور تارہا۔

”یہ آپ کی کیا حالت ہے عالی جاہ۔“ صدر نے پھر چھیڑا۔ اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ ان دونوں کہڑے پر کیا گذری ہے۔

”حالت۔“ کہڑے کے ہونوں پر خفیہ سی مسکراہٹ نظر آئی۔ ”بس ایسی ہی حالت ہے کہ میں تمہیں آواز سے بچاں سکتا ہوں لیکن اتنی ہمت نہیں کہ گردن گھما کر تمہاری ٹھکل دیکھ سکوں۔“

”نام بتاؤ اس کا استاد جس نے تمہیں اس حال کو پہنچایا ہے۔“

”کیا کرو گے؟“ بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا گیا۔

”اس کی ٹانگ پکڑ کر سارے شہر میں گھینٹا پھر دیں گا۔“

”پولیس۔“

”ارے باپ رے۔“

کہڑا نہیں پڑا اور بولا۔ ”چلو۔ کہیں بیٹھیں گے۔“

کچھ دیر بعد وہ ایک گندے سے چائے خانے میں نظر آئے۔

”کیا گذری؟“ صدر نے پوچھا۔

کہڑا الاؤ وائی سے شانوں کو جبکش دے کر بولا۔ ”وہ سمجھتے ہیں کہ شاید میں کسی سازشی مملکت کا بیکث ہوں۔“

”حالانکہ تم اسکلروں کے بادشاہ ہو۔“

فٹ پا تھے پر پچھتے ہی وہ آہستہ آہستہ چلنے لگا جیسے بہت دور سے سڑکیں ناپاٹا چلا آ رہا ہو۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ نہیں کہیں کسی قسم کا ہنگامہ برپا کر کے سڑک پر آیا ہو گا۔
کبڑے کا کہیں پتہ نہ تھا....

O

عمران دبے پاؤں زینے طے کرتا ہوا دوسرا منزل پر پہنچا۔ پھر تیسرا منزل کے زینوں کی طرف بڑھا تھا کہ کسی نے پوچھا۔ ”کون؟“
اور عمران رک گیا۔ اندازہ ہو گیا کہ آواز کدھر سے آئی ہے۔
پھر یک بیک کسی نے اس پر چھلانگ لگائی۔ حملہ خاصہ شدید تھا۔ لیکن عمران سنبھل ہی گیا۔
ایک قدم پیچھے ہٹ کر اس نے اس کے چہرے پر ایک زور دار ہاتھ جز دیا۔ وہ لڑکھا کر پیچھے ہٹا ہی
تھا کہ عمران نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”خبردار حرکت نہ کرنا اپنی جگہ سے بے آواز
ریو اور....!“
نامعلوم آدمی نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر اٹھادیے۔

”چلو نچلے زینوں کی طرف مڑ جاؤ۔“ عمران نے تحکمان لجھ میں کہا اور وہ بے چوں و چراکیے آگے بڑھ آیا۔ عمران کا اندازہ تھا کہ آبڑ روئیری میں اس وقت کوئی چوتھا آدمی موجود نہیں۔“
زینوں پر پچھتے ہی اس نے محدود روشنی والی نارنج روشن کر لی۔ قیدی آگے تھا۔ عمران کو اس کے چہرے پر دیکھی ہی نقاب نظر آئی جیسی خود اس کے چہرے پر تھی۔
”یہ کون ہے؟“ رحمان صاحب نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔
”یہ پھر دیکھیں گے۔ فی الحال اسے قابو میں رکھنا ہے۔“ عمران نے بدی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

نقاب پوش نے اس وقت مراجحت کی جب وہ اس کے ہاتھ نائی سے باندھنے جا رہے تھے۔
لیکن اب وہ بہر حال بے بس تھا۔ ناگوں کے لیے عمران نے اپنی نائی کھولی اور تھوڑی ہی دیر بعد وہ آدمی ایک گوشے میں پڑا ہوا نظر آیا۔ نقاب چہرے سے ہٹادی گئی تھی اور منہ میں حلق تک دو رومال ٹھوں دیئے گئے تھے۔ لیکن عمران کو نہیں یاد آ رہا تھا کہ اس نے اسے پہلے بھی کہیں دیکھا ہو رحمان صاحب کے لئے بھی وہ اجنبی ہی ثابت ہوا۔

”میں ساری دنیا کا بادشاہ ہوں۔“ کبڑا غریا۔ ”آج نہیں تو گل... ساری دنیا کو تسلیم کرنا ہی پڑے گا۔“

”تو وہ تم سے کیا معلوم کرنا چاہتے تھے؟“

”اے لڑکے چائے!“ کبڑے نے ایک دیٹر کو مخاطب کیا۔

صدر نے پھر اپنا سوال دھر لیا۔ لیکن اس نے آتا ہے ہوئے انداز میں ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”چھوڑو ختم کرو۔“

صدر پھر کچھ نہ بولا۔ وہ خاموشی سے چائے پیتے رہے۔ پھر یک بیک کبڑے نے کہا۔ ”تم نے اس دوران میں کون سا کارنامہ انجام دیا۔“

”میں نے نہیں کچھ بھی تو نہیں۔“ صدر اس سوال پر گلزار گیا۔

”میں نے تم سے کہا تھا کہ کسی ایسے آدمی کو جلاش کرنا جس کا چہرہ پیشانی سے ناک تک دو حصوں میں تقسیم ہے۔“

”مجھے تو کبھی نہیں دکھائی دیا۔“

”پھر اب تم بھی میرے قریب نہ دکھائی دیں۔“ کبڑے نے میز پر گھونسamar کر کھا اور اس کی آواز بہت زیادہ بلند ہو گئی۔

دھنکا کسی نے جیخ کر کہا۔ ”اے منڈو.... گردن میں ہاتھ دے سالے کی آج پھر گھس آیا۔ حرائی۔“

اور پھر صدر نے ایک ہٹے کٹے غندے کو اپنی میر کی طرف جھپٹتے دیکھا۔

پھر وہی مصیبت اس نے سوچا۔ ایک بار پہلے بھی وہ ایسے ہی حالات سے دوچار ہو چکا تھا ... وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ پچھلا تجربہ بھی زیادہ پرانا تو تھا نہیں کہ وہ اس وقت غالباً ہوتا۔

جیسے ہی غندے نے کبڑے کی گردن دبو پنے کی کوشش کی۔ صدر نے ایک ہاتھ اس کے جڑے پر رسید کر دیا۔ وہ قریب تھی کی ایک میر پر جا پڑا۔

پھر قبل اس کے کہ دوسرے بھی اس کی مدد کو چیختے صدر نے ایک بلب تو زکر ہاں میں اندر ہرا کر دیا۔ لیکن کبڑے کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں نہ آسکا اس نے بھی اسی میں عافیت سمجھی کہ

نکل ہی جائے کبڑا اتنا حمق نہیں تھا کہ اندر ہرے سے فائدہ نہ اٹھاسکے۔

”کسی نے چوروں کی طرح عمارت میں داخل ہوتی کوشش کی تھی۔ انپکٹر سعید نے لکارا تو اس نے فائزہ کر دیا بعد میں وہ کئی آدمی ثابت ہوئے۔“

عمران اس گفتگو سے بے تعلق آس پاس کی چیزوں کا جائزہ لے رہا تھا۔ فیاض بار بار اس کی طرف ٹکنیکیوں سے دیکھنے لگتا۔

O

”دوسرا ٹین کیپشن اپنے آفس میں بیٹھا ورنگہ رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی دوسری طرف رحمان صاحب تھے۔

”تیدی سے کیا معلوم کیا؟“ انہوں نے پوچھا۔

”کچھ بھی نہیں جتاب! وہ نہیں بتا سکتا کہ وہ لوگ ڈاکٹر داور کو کہاں لے گئے ہیں۔ اس کا کام صرف اتنا تھا کہ وہ چند آدمیوں کا ہاتھ بنائے۔ یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کا باس کون ہے.... اسے ہر ماہ دو ہزار روپے ملتے ہیں۔ کوئی کام کرے یا نہ کرے۔ دیسے اس نے پانچ آدمیوں کے نام اور پتے بتائے ہیں۔ جن کے ساتھ وہ اکثر مختلف قسم کے کام کرتا رہا ہے۔

”ڈاکٹر داور کے اغوا کا مقصد۔“

”اس پر بھی وہ روشنی نہیں ڈال سکا۔“

”پھر تم اس سلسلے میں کیا کر سکو گے؟“

”جو آپ فرمائیں جتاب!“

”ان پانچ آدمیوں کے لیے تم نے کیا کیا جن کے نام اور پتے اس نے بتائے ہیں۔“

”پانچ انپکٹر ان کی تلاش میں ہیں۔“

”ٹھیک ہے۔“ رحمان صاحب نے تھوڑی توقف سے کہا۔ ”ہاں دیکھو۔ تمہیں کہڑے پر بھی نظر رکھنی ہے۔“

فیاض چوک پڑا۔ خود اس میں تو اتنی بہت نہیں تھی کہ وہ رحمان صاحب سے کسی کو فائدہ نہیں معاطلے کے متعلق کچھ پوچھ سکتا تھا لیکن وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح ٹلو زددا کے بیان کی قدرتیں ہو جائے۔

”کہا۔“ اس نے کہا۔ ”مہتہ بہتر جناب!“

دفعتہ کسی نے بند دروازے پر باہر سے دستک دی اور ساتھ ہی آواز بھی آئی۔

”سوئی.... جلدی کرو....!“

قیدی نے تیزی سے فرش پر لوٹنا شروع کر دیا۔ لیکن حلقت سے آواز نہ نکال سکا۔ عمران کو پہلے ہی سے علم تھا کہ دروازے کے جوڑوں میں جھریاں نہیں ہیں۔ اس لیے باہر سے اندر کے حالات نہیں دیکھے جاسکتے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے بلب روشن کر دیا۔

”سوئی۔ کہاں ہو۔ یہ تم نے دروازہ کیوں بولٹ کر دیا ہے؟“ باہر سے آواز آئی۔

رحمان صاحب نے اشارے سے پوچھا کہ اب کیا کرنا چاہئے.....

دفعتہ پھر فائزگ کی آوازیں آئیں۔ اس بار فائزہ کرنے والے غالباً قریب ہی تھے۔

”اوہ بھاگو! جہنم میں جائے۔“ باہر کسی نے کہا اور پھر سنا چاہیا۔

ٹھیک اسی وقت عمران نے کیپشن فیاض کی آواز سنی۔ ”خبردار۔ خبردار....!“

پھر فائزہ ہوا بھاگتے ہوئے قدموں کی آوازیں۔ پھر فائزہ....!

قدموں کی آوازیں دور ہوتی گئیں اور دروازے پر دستک ہوئی۔

”یہاں کون ہے؟“ کیپشن فیاض کی گردار آواز سنی گئی۔

پھر تھوڑی دیر بعد وہ تینوں آبڑ روئیری کی بالائی منزل پر نظر آئے جہاں دنیاکی پانچویں سب سے بڑی دور میں نصب تھی۔

قیدی دو انپکٹر وں کی گمراہی میں تھا۔ اور تین انپکٹر ڈاکٹر داور کی رہائش گاہ کی گمراہی کر رہے تھے۔

فیاض نے رحمان صاحب سے کہی بار ان کے مقابل پوش ساتھی کے متعلق کچھ پوچھنا چاہا لیکن ہمت نہ پڑی۔ دیسے خود رحمان صاحب پر حیر توں کا پہاڑ نوٹ پڑا تھا کیونکہ فیاض کا سامنا ہوتے ہی عمران کی آواز یکسر بدل گئی تھی نہ صرف آواز بلکہ چلنے کے انداز میں رحمان صاحب اجنبیت محسوس کرنے لگے تھے۔

بالائی منزل پر خاصی ابتری نظر آئی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے یہاں کچھ لوگ آپس میں مکر رگئے ہوں۔

”میرا خیال ہے کہ داور یہیں تھا۔“ رحمان صاحب بولے۔ ... پھر فیاض سے پوچھا۔ ”ان

لوگوں سے تمہارا مکر اوکیسے ہوا تھا؟“

”وہ خود کو ہمگ دی گریٹ کہتا ہے۔“ رحمان صاحب بولے۔

فیاض نے پلکیں جھپکائیں۔ بہترین موقع تھا کہ وہ رحمان صاحب پر اپنی کارگزاریوں کا رعب ڈالتا۔ ”اوہ۔“ اس نے ماٹھ پیس میں کہا۔ ”سبھ گیا جتاب! شہر میں عرصے سے ایک چیقلش چل رہی ہے۔ دو عجیب آدمیوں کے درمیان۔ ایک کبڑا ہے اور دوسرا.....“ سبھ میں نہیں آتا کہ دوسرے کو کیا کہا جائے۔ اس کا چہرہ پیشانی سے ناک تک دو حصوں میں تقسیم معلوم ہوتا ہے۔“

”اوہ۔ تو تم ان دونوں ہی سے واقف ہو!“

”جج۔ جی ہاں!“ فیاض نے کہہ تو دیا لیکن سانس پھولنے لگی۔ اس خیال سے کہ کہیں اب رحمان صاحب کوئی ایسا سوال نہ کر بیٹھیں جس کا جواب اس کے فرشتوں کے لیے بھی ممکن نہ ہو۔ کیونکہ اس نے آج تک کسی ایسے کبڑے کی ٹھکل تک نہیں دیکھی تھی۔“

”فیاض!“

”لیں سر!“

”میں کوٹھی ہی پر ہوں۔ فوراً پہنچو۔“

”اوے سر!“ فیاض نے ہانپتے ہوئے کہا اور دوسری طرف سے سلسہ منقطع ہونے کی آواز سن کر خود بھی رسیور رکھ دیا۔ خاصی سردی ہونے کے باوجود بھی اس کی پیشانی پتچ کئی تھی۔

O

رحمان صاحب ڈاکٹر داور کی لڑکی شی کو اپنے ساتھ گھر لے آئے تھے۔ صح ہوتے ہی ڈاکٹر داور کے اغوا کی خبر سارے شہر میں پھیل گئی۔ اخبارات نے معمول کے شمارے شائع ہونے کے تین گھنٹے بعد اپنے خیلے بھی شائع کیے۔ ڈاکٹر داور کا پراسرار اغوا معمولی واقعہ نہیں تھا کیونکہ وہ میں الاقوای شہرت اور پوزیشن کے مالک تھے۔

شی رات ہی سے روئی رہی تھی۔ شیا اور اس کی چپازاد بیٹیں اس کے پاس تھیں۔ عمران اپنے کمرے میں اوٹکھ رہا تھا۔

اب گھر والوں نے اس کی طرف خصوصیت سے توجہ دیتا رک کر دیا تھا۔ جو زف کو بھی اس کے کمرے تک آنے کی اجازت مل گئی تھی۔ لیکن کمرے میں داخلہ منوع تھا۔ وہ اندر آتا اور گھنٹوں کھڑکی کی سلا نہیں کپڑے کھڑا رہتا۔ اسے آج تک عمران کے پاگل پین کے متعلق حقیقت کا

علم نہیں ہو سکا تھا۔

اس وقت بھی وہ کھڑکی کے قریب کھڑا عمران کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن عمران کی غنودگی کا سلسلہ ٹوٹنے کا نام ہی نہیں لیتا تھا۔ اتنے میں شیا دھر آٹکی جو زف نے مڑ کر بڑے ادب سے سلام کیا اور کھڑا بسوار تارہ۔

”میں کہتی ہوں آخر تم کہیں اور کیوں نہیں چلے جاتے۔ دوسری جگہ ملازمت کر لو۔“ شیا نے کہا۔

جو زف کے نتھے پہنچنے لگے اور موٹے موٹے قطرے گالوں پر ڈھک آئے۔ زبان سے کچھ نہ بولا اور کھڑکی کی طرف ٹرگیا۔

”اچھا فی الحال تو حسکو بابا۔ یہاں کچھ لوگ آرہے ہیں۔“ شیا نے زم لجھ میں کہا۔ اسے جو زف سے ہمدردی تھی اور عمران پر بے تھاشہ غصہ آتا تھا کہ آخر وہ جو زف کو بھی حقیقت سے کیوں نہیں آگاہ کر دیتا۔ جو زف چپ چاپ رخصت ہو گیا۔

شی عمران کو دیکھنا چاہتی تھی.... دیکھا لیکن کچھ نہ کہہ سکی۔ روٹے روٹے پلکوں پر درم آگیا تھا۔ آنکھیں بیر بیوئی ہو رہی تھیں۔ اس بار عمران کا رخ بھی کھڑکی ہی کی طرف تھا۔

”گھٹ...“ اس نے سلاخوں کے قریب آ کر شی کو گھوڑتے ہوئے کہا۔ ”اوہ! تم لوگ شاید انہیں رسیور سل کر ارہی تھیں۔ ویری فائیں.... آرٹیکل.... ہلا.... بوکس آفس ہت؟“

شیا کا دل چاہا کہ عمران کے سر پر پتھر تو زدے۔ حد ہو گئی سنگدلی کی۔ ارے پاگل بنے ہو تو کو اس کی کیا ضرورت ہے.... خاموش رہو۔ بے چاری شی.... کیا وہ اس وقت ان باتوں سے مکھوڑا ہو سکے گی۔

”چلو۔“ شیا نے شی کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”ورنہ تمہاری طبیعت اور زیادہ خراب ہو جائے گی۔“

بہر حال میدان صاف ہو جانے پر عمران نے کھڑکی بند کر دی اور کمرے کے دوسرے رے کی طرف پلٹ آیا۔ تیزی سے جھک کر قالین النا.... اور کچھ دیر فرش پر جو کا دنوں ہاتھوں کے انگوٹھوں سے فرش پر زور صرف کرتا رہا۔ پھر اس طرح تیزی سے پیچے ہٹا جیسے کسی کنوں مل گر جانے کا خدشہ لاحق رہا۔

دفعتا ایک نائل اپنی جگہ سے کھسک کر دوسرے کی در میانی خلاء میں ساگیا۔ نائل کا رقبہ کم از کم دو مرلیٹ ضرور ہا ہو گا۔... اب فرش پر ایک اتنی بڑی خلاء نظر آرہی تھی جس سے ایک نیس ہے... تم گرین فائلوں کے متعلق کیا جاؤ۔“
آدمی بخوبی گذر سکتا۔

کچھ دیر بعد عمران ایک چھوٹے سے تہہ خانے میں نظر آیا۔ ڈکٹافون بخوبی کام کر رہا تھا لیعنی ”اوہر دیکھو۔ تم کہاں ہو۔“ رحمان صاحب کے لجھ میں جھلاہت تھی۔ دفعتا فیاض کو ایک وہ رحمان صاحب کی لا ببری میں ہونے والی گفتگو کا ایک لفظ صاف سن سکتا تھا۔ آوازوں کا سقول ساجواب سوجھ ہی گیا۔ پہچان لینا کتنی بڑی بات تھی اور پھر اسے تو پہلے ہی سے علم تھا کہ رحمان صاحب نے کیپشن فیاض کو کوئی سچھی پر طلب کیا ہے۔ شاید وہ طلبی کے مقصد سے بھی واقع تھا۔ ورنہ دونوں کی گفتگو سننے کے لیے اتنا بے چین نہ ہوتا۔

”جی ہاں! اس کے نام سے بھی واقف ہو گیا ہوں۔ ایک دن میں نے کبڑے اور پلوزرو دا کی رحمان صاحب کہہ رہے تھے۔“ تم کبڑے اور اس آدمی کے متعلق کیا جانتے ہو؟“
”جانتا تو کچھ بھی نہیں لیکن۔“ فیاض کچھ کہتے کہتے رک گیا۔
”کچھ کہتے وقت جملوں کا گلامت گھوننا کرو۔“ رحمان صاحب کی آواز۔

”میں عرض کر رہا تھا جناب کہ دوچھوں والا... خطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔“
”کیا تم نے اسے دیکھا ہے؟“ رحمان صاحب صاحب کی آواز۔
”جج۔ جی ہاں.... لیکن اسے پکڑنے میں کامیاب نہیں ہو سکا۔“

”ہزاروں میں پہچانا جائے گا!“

”جی ہاں۔ بڑی آسانی سے!“ فیاض نے جواب دیا۔ ”لیکن کیا ہمارے پاس اس کا کوئی ریکارڈ۔“ ”دونوں ہی عجیب الحلقتوں ہیں جناب! جب دونوں اکٹھے ہوں تو خواہ مخواہ متوجہ ہونا پڑے گا۔
”ہر اگر ان کی گفتگو میرے پیشے کے اعتبار سے قابل توجہ ہو تو پچھی لینا ضروری ہو جائے گا۔“

”میرا خیال ہے کہ.... ریکارڈ موجود ہی ہو گا۔ لیکن یہ بتانا مشکل ہے کہ.... کس سنہ کے فائل میں مل سکے گا۔“ رحمان صاحب کی آواز۔

”کوئی ممتاز مسئلہ تھا۔ دونوں ہی ایک دوسرے کو جیل بھجوانے کی دھمکیاں دے رہے تھے۔“ فیاض بے تکان جھوٹ اڑائے جا رہا تھا۔ ”پھر کبڑے نے دفعتا گرین فائل کا حوالہ دیا تھا اور ”کیا؟“ رحمان صاحب کے لجھ میں استغتاب تھا۔ ”گرین فائل تم کیا جاؤ دھمورت آدمی پلوزرو دا بولھا گیا تھا.....“

”وہ دونوں کب سے نہیں دکھائی دیئے۔“

”کئی دن سے۔“

رحمان صاحب تھوڑی دیر خاموش رہے پھر بولے۔ ”اچھا ٹھیک ہے۔ دونوں پر نظر رکھو۔“

دفعتا کیپشن فیاض کا چھرہ زرد پڑ گیا۔ حماقت سرزد ہوئی تھی۔ اس کا تذکرہ کرنے سے پہلے اسے اپنے ٹھکنے کے ریکارڈ پیسر سے گفتگو کرنی چاہئے تھی۔

پھر انہوں نے فیاض کو کہرے کے اس مکان کا پتہ نوٹ کرایا جہاں اس کی گرفتاری عمل میں آئی تھی۔

ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ فیاض کو جلد از جلد رخصت کر دینا چاہتے ہوں۔ لیکن فیاض غالباً منتظر تھا کہ رحمان صاحب خود ہی اسے واپسی کی اجازت دیں۔

”بس جاؤ۔“ رحمان صاحب نے کچھ دیر بعد مفطر بانہ انداز میں کہا۔

فیاض کے پلے جانے پر وہ تیزی سے فون کی طرف بڑھے کسی کے نمبر ڈائل کیے۔

”بلڑی اٹیلی جس؟“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”جذل شاہد۔“ رحمان صاحب نے کہا۔

”یور آبینڈنی پلینز؟“ دوسری طرف سے سوال ہوا۔

”ڈی جی آف سنرل اٹیلی جس یورو۔“

”اوے سر!“ دوسری طرف سے آواز آئی... اور تھوڑی دیر بعد جذل شاہد کی آواز آئی۔

”ہیلو! رحمان... اولاد بوائے۔“

”شاہد پدرہ منٹ کے اندر مجھ سے کہاں مل سکتے ہو؟“

”کوئی خاص بات۔“

”بہت اہم۔“

”میا تم کو ٹھی سے بول رہے ہو؟“ جذل شاہد نے پوچھا۔

”ہاں...!“

”اچھا تو وہیں تھہرو۔“ جذل شاہد نے کہا اور سلسلہ منقطع ہو گیا۔

رحمان صاحب نے پدرہ منٹ بڑی بے چینی سے گزارے۔ بالآخر جذل شاہد کی بیسی سیڈی ان کپاؤٹ میں داخل ہوئی۔

جذل شاہد ایک دراز قد اور قوی الجثہ آدمی تھے۔ عمر پچاس کے لگ بھگ رہی ہو گی۔

آنکھوں سے غیر معمولی ذہانت مترش تھی۔ دونوں بے تکلف دوستوں کے سے انداز میں ملے اور

رحمان صاحب نے گرین فائل کا تذکرہ چھیڑ دیا۔ جذل شاہد کے انداز سے ایسا معلوم ہو رہا تھا۔

جیسے وہ ذہن پر زور دے رہے ہوں۔

کچھ دیر بعد انہوں نے کہا۔ ”تمہارا خیال ٹھیک ہے۔ گرین فائل پہلی جگہ عظیم کے دوران میں میں میں کیے گئے تھے اور ان کا سلسلہ ۱۹۲۵ء تک جاری رہا تھا اس کے بعد بعض انتظامی امور میں جدیلیاں ہوئی تھیں اور گرین فائل ستم بھی کسی دوسرے طریق کار میں مدغم ہو گیا تھا۔ گر تھہرو! یہ گرین فائل کا تذکرہ کہاں سے تھا؟“

رحمان صاحب کو کہرے کی کہانی شروع سے دہراتی پڑی۔ پھر پلاؤ نرودا کا ذکر چھڑ گیا اور اس سلسلے میں رحمان صاحب نے کیپشن فیاض کی گفتگو کا حوالہ دیتے ہوئے کہا۔

”پلاؤ نرودا کا یارہ غالباً ۱۹۲۰ء کے گرین فائل میں موجود ہے۔“

”اچھی بات ہے میں دیکھوں گا۔ اوه تھہرو تو کیا تمہارا خیال ہے کہ ڈاکٹر داور کے ان غواصیں انہیں لوگوں کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔“

”امکانات ہیں...!“

”میں چوبیں گھنٹوں سے پہلے ۱۹۲۰ء کے فائل کے متعلق کچھ نہ بتاسکوں گا۔ بڑی جمجمہ کا کام ہے۔“

”ایکس ٹوکون ہے؟“ رحمان صاحب پوچھ بیٹھے۔

”کیا مطلب؟“ جذل شاہد چونک پڑے۔

”بس یونہی پوچھ رہا ہوں۔“

”میرے فرشتوں کو بھی علم نہیں۔ یہ سر سلطان کے مجھے کا کوئی جانور ہے۔ اور شاید صرف یہ اس کی شخصیت سے واقف ہوں۔ اس کے ماتحت زیادہ تر میرے مجھے کے لوگ ہیں لیکن وہ بھی نہیں جانتے کہ ایکس ٹوکون ہے۔ کیوں ایکس ٹوکے متعلق تم کیوں معلوم کرنا چاہتے ہو؟“

”یوں ہی پوچھا تھا۔ بے تکانام ہے۔ جاسوسی ناولوں کا ساکوئی کروار معلوم ہوتا ہے۔“

”سر سلطان خبطی ہیں۔ اچھا خیر۔ تو میں چلا۔ یہ نام پلاؤ نرودا مجھے جانا بچانا سامعلوم ہوتا ہے۔“

O

عمران نے ڈکٹافون پر پہلے فیاض کی گفتگو سنی تھی اور پھر جذل شاہد کی... اس کے بعد وہ اس فخر سے تھہرے خانے سے اوپر آگیا۔

رحمان صاحب کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ وہ کمرہ کتنے رازوں کا مدفن ہے۔ عمران

سے آج تک نہیں معلوم کر سکتے تھے کہ وہ کبزے کی گرفتاری والی رات کرنے سے باہر کیے ٹھل
نکا تھا۔ حالانکہ اب وہ اس کے پاگل بن کی اصلیت سے بھی آگاہ ہو چکے تھے۔ لیکن اس پر آج تک
غور نہیں کیا تھا کہ پاگل بن کے دوران میں مختلف کردوں میں کیوں ناپتباہر تھا اور پھر اس کرنے
میں کیوں دھرنادے بیٹھا تھا جو پہلے کبھی کوئی کے دوران قیام میں اس کا مستقل رہائشی کمرہ ہوا
کرتا تھا۔

کئی سال پہلے کی بات تھی ایک بار رحمان صاحب خاندان سمیت گرمیاں گزارنے پہلے پڑ
چکے گئے تھے۔ عمران نے ملازموں کو بھی چھٹی دی اور کسی طرح شہر سے کچھ معمار پکڑ لایا۔ اس
طرح اس کرنے میں وہ اپنی مرضی کے مطابق کچھ تبدیلیاں کرانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ جن کا
علم رحمان صاحب کو بھی نہ ہوا کا۔

اسی رات کو چور دروازے سے باہر نکلنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ قفل میں کنجی گھمانے کی آواز
آئی۔ دوسرا سے ہی لمحے میں دروازہ ٹکلا اور رحمان صاحب اندر داخل ہوئے۔

”بیٹھو بیٹھو!“ انہوں نے مضطربانہ انداز میں ہاتھ ہلا کر کہا۔ ”اگر ذرہ برابر بھی غیر سخیدا
ہوئے تو تھپٹر سید کر دوں گا۔ یہ معاملہ بہت اہم ہے۔“

”فرمایے!“ عمران نے بڑی سعادت مندی ظاہر کی۔

”تم نے کبھی پٹلو زرو دا کام سنائے؟“
”اس کی بہتری نظمیں پڑھی بھی ہیں....“

”پٹلو زرو دا“ رحمان صاحب آنکھیں کھال کر غرائے۔ ”پٹلو زرو دا نہیں۔“
”اوہ۔ ہا۔“ عمران کچھ سوچتا ہوا بڑا لایا۔ ”جی ہاں پٹلو زرو دا ۱۹۲۰ء کی جنگ میں اس نے
قیصر ولیم کے خاص اپنی کی حیثیت سے ایک لمبا سفر کیا تھا۔ پھر اس نے جرمنی سے غداری کی۔
انگریزوں سے آمل۔ ۱۹۲۰ء تک اس کا نام بڑے زورو شور کے ساتھ سنایا اس کے بعد اپنے
غائب۔۔۔ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ ۱۹۲۰ء میں اس پر کیا حادثہ گزرا تھا۔ بحر او قیونو کر
میں ڈوبنے والے فرانسیسی جہاز کے کتنے بھی بچائیے گئے تھے لیکن پٹلو زرو دا۔ آج تک معلوم نہ
ہے کہ وہ کہاں غائب ہو گیا تھا۔ افواہ تھی کہ جہاز بھی خواہ نہیں ڈوبا تھا۔

”تمہیں یہ ساری باتیں کیسے معلوم ہوئیں....؟“

”کتفیو شش....!“

”بکواس مت کرو....!“

”۱۹۲۰ء کا گرین فائل۔“

”خدکی پناہ۔ تم اس کے بارے میں کیا جانتے ہو۔“

”ملٹری انسٹیشن جس کا ایک فائلگ سٹم جو ۱۹۲۵ء کے بعد ختم کر دیا گیا تھا۔“

رحمان صاحب اسے تحریر انداز میں گھورتے رہے۔ عمران خود ہی بولا۔ ”پٹلو زرو دا کی بات
کیوں چھیڑی ہے آپ نے۔“

”کیا تم اس کی کسی پہچان سے بھی واقع ہو؟“

”مجھے اس کے ریکارڈ سے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی اس لیے تفصیل میں جانے کی ضرورت
کیوں پیش آتی۔“

رحمان صاحب تھوڑی دیر تک کچھ سوچتے رہے پھر بولے۔ ”وہ ان دونوں یہاں دیکھا جا رہا ہے۔
”افواہ ہو گی۔“

”نہیں۔ جزل شاہد نے اس کے ریکارڈ کا تفصیلی مطالعہ کیا ہے۔ وہ پٹلو زرو دا کے علاوہ اور
کوئی نہیں ہو سکتا۔ اس کا چہرہ دو حصوں میں تقسیم معلوم ہوتا ہے۔“

”اوہ۔ تو کیا آپ کو کبزے کی بات پر یقین آگیا ہے۔“ عمران مضطربانہ انداز میں مکرایا۔
”یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ فیاض نے بھی اسے دیکھا ہے ایک ایسے موقع پر جب وہ
دونوں آپس میں لٹپٹے تھے۔ کبزے نے اس کا نام لے کر گرین فائل کا حوالہ دیا تھا۔ اس طرح
گرین فائل تک رسائی ہو سکی ورنہ کسی کو کیا علم ہوتا۔“

”عمران کی پیشانی پر ٹکنیس ابھر آئیں۔ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔“ میا یہ ممکن
نہیں ہے کہ یہ بھی کبزے کا فراہم ہو۔ ایک ایسا آدمی بھی بیٹھا ہو جس کے سر الram رکھ کر خود
اللہ ہو سکے۔“

”میں اس کے امکانات پر بھی پہلے ہی غور کر چکا ہوں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ اس نے مکے
ہمیں سخیدگی سے غور کرنا چاہئے۔“

”اے آپ نیا مسئلہ کہہ رہے ہیں تو آپ کے ذہن میں کوئی پرانا مسئلہ بھی ہو گا۔“

”ہوش میں رہو!“

”کام نہیں چلے گا۔“ عمران نے مایوسانہ انداز میں سر کو جبکش دی۔ ”پھر بے ہوش ہونا پڑے گا ورنہ شاید ذا کٹرڈ اور نے جو کچھ بھی معلوم کیا ہے اس کے متعلق ملٹری ائیلی جن کو کوئی اطلاع نہیں دی۔ بلکہ غالباً انہیں کسی مسئلے میں شبہ ہے۔ اس لیے انہوںکی ضرورت پیش آئی ورنہ خاتمه بھی کوئی ایسی بڑی بات نہیں تھی۔“
”لیکن کب رہے ہو۔“

”ٹھیک ہے۔ اب مجھے اسی وحشت کے عالم میں گھر سے نکل جانے دیجئے۔“
”غالباً سب سور ہے ہوں گے۔“

”خدا کا شکر ہے کہ تم نے خود ہی تجویز پیش کر دی جتنی جلد ممکن ہو سکے دفعہ ہو جاؤ ورنہ تمہارا یہ نیکرو بدمعاش مجھے کنگال کر دے گا۔ خدا کی پناہ چھ بو تلیں یومیہ۔ آخر تم اس کے اخراجات کہاں سے پورے کرتے ہو؟“

”شیطان دیتا ہے۔“

رحمان صاحب براسامنہ بنا کر رہ گئے۔ عمران اپنے کپڑے چاڑ رہا تھا۔
”یہ کیا ترکت ہے؟“

”جوف کہاں سور ہے؟“ عمران نے سوال کا جواب دینے کی وجہے پوچھا۔
”کیراج میں!“

”بس میں چلا۔“

کپاڈٹ میں اندر ہی رہا۔ عمران بے دھڑک باہر آگیا۔ کیونکہ رحمان صاحب کو کتوں سے نفرت تھی۔ نہ ہوتی تو عمران اتنی آسانی سے اپنی اسکیوں میں کامیاب بھی نہ ہو سکتا کمرے میں چور دروازے کی موجودگی بھی بے کار ثابت ہوتی۔ وہ کیراج کی طرف جا رہا تھا۔

O

جو لیتا فڑواڑ جاگ پڑی۔ غالباً فون کی گھنٹی دیر سے نج رہی تھی۔ اس نے جھپٹ کر رسیور اٹھایا لیکن دوسرا طرف سے تنویر کی آواز سن کر جلا گئی۔
”یہ کیا بے ہو گی ہے؟“ وہ دانت پیس کر دہازی۔

”کیوں؟ کیا وہ کبڑا۔“ رحمان صاحب اسے پھر گھومنے لگے۔ لیکن جملہ پورا کیے بغیر۔ ”جی ہاں! میری دامت میں تو وہ بھی نیا ہی ہے پر انہیلے تو صرف وہ آدمی تھا جسے ان لوگوں نے نکال لے جانا چاہا تھا۔“

”تم نے شبے ظاہر کیا تھا کہ ذا کٹرڈ اور کے اغوا میں ان ہی لوگوں کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔“
”جی ہاں اور شبے بے بنیاد بھی نہیں ہو سکتا جب کہ کبڑے کے بارے میں ذاتی طور پر یہ نظریہ قائم کر چکا ہوں کہ وہ کسی جنگ باز ملک کا الجھٹ ہے۔“

”پلوونی الحال تعلیم کیے لیتا ہوں۔ پھر؟“

”بڑی مصیبت ہے۔“ عمران مسکی سی صورت بنا کر بولا۔

”میا؟“ رحمان صاحب غرائے۔

”وہ کبڑا میرے لیے نئی دریافت نہیں ہے۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔ ”دو سال سے اس پر نظر تھی۔ ادھر چھ ماہ سے نظر نہیں آیا تھا۔ میں نے سوچا کسی طرف نکل گیا۔ لیکن جب آپ کے قیدی کا قصہ اٹھا تو اس کبڑے کی پوزیشن کسی حد تک واضح ہوئی لیکن وہ غائب تھا۔ لیکن قتل کردی گئی اور پھر کچھ ہی دن بعد کبڑا بھی نظر آیا۔“

”ہو گا۔“ رحمان صاحب براسامنہ بنا کر بولے۔ ”میں ذا کٹرڈ اور کی بات کر رہا تھا۔“

”پچھلے چھ ماہ سے پہلے کی بات ہے۔ میں نے اکثر اسے تجربہ گاہ کے آس پاس منتلا تے دیکھا تھا۔...“

رحمان صاحب کچھ نہ بولے.... عمران او ٹکھنے لگا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسٹول پر بیٹھے بیٹھنے ہی سو جائے گا۔ پلکیں آہستہ آہستہ جھکتیں اور وہ خود کو جھکولا دے کر سنبھل جاتا۔ آنکھیں چھاڑتا اور جھینپے ہوئے انداز میں مسکراتا۔

”آخر اس انوکا مقصد کیا ہو سکتا ہے؟“ رحمان صاحب متکرانہ لمحے میں بڑا۔
”عقيقة۔“

”میا؟“ رحمان صاحب گر جے.... اور عمران بے ساختہ اچھل پڑا۔ بوکھلانے ہوئے انداز میں آنکھیں چھاڑیں اور پھر دونوں ہاتھوں سے منہ چیٹا ہوا بولا۔ ”میں نے کیا کہا تھا؟ او۔ اوف..... یہ غنو دی خدا اسے غارت کرے۔“

”میں پاگل نہ جاؤں گا۔“ تنویر بھی غالباً چیخنا ہی تھا۔ ”کیا اب پویس کو رنگ کروں۔“
”جہنم میں جاؤ۔“ جولیا جلا کر رسیور کریڈل پر چٹختے ہی والی تھی کہ تویر بولا۔ ”یہ عمران...!“
”کیا۔“

”عمران آدھے گھنٹے سے دروازہ پیٹ رہا ہے۔ کپڑے تار تار ہیں اور جوزف کوشش کر رہا
ہے کہ اسے سمجھا جا کر واپس لے جائے۔“
”اوہ۔“ جولیا کی آواز سے تھکن مت رش تھی۔ ”پھر بتاؤ۔ میں کیا کروں؟“
”کرو یا نہ کرو۔ میں اب باہر نکل کر مر مت کروں گا۔“
”شہرو! ایسی حماتت بھی نہ کرنا۔“ جولیا جلدی سے بولی۔ ”جوزف تمہیں زندہ
نہیں چھوڑے گا۔“

”اوہ.... کیا میں....!“

”شہرو تویر!“ جولیا نے نرم لمحہ میں کہا۔ ”میں آرہی ہوں۔ میرے پیچھے سے پہلے دروازہ
نہ کھولنا۔“

”غیر آؤ۔“ سلسلہ منقطع ہو گیا۔

میں منٹ بعد جولیا کی گاڑی تویر کے بیٹلے کی کپڑوں میں داخل ہوئی۔ ہیڈ لیپس کی روشنی
برآمدے میں پڑی تھی۔ عمران اور جوزف صاف نظر آرہے تھے۔ عمران دروازہ پیٹے جا رہا تھا اور
جوزف بار بار گھصیرا تھا۔ ”باس خدا کے لیے اب بس کرو۔ کہیں اس شریف آدمی کا ہمارث فیل نہ
ہو جائے۔“

”ابے بس چپ بھی رو۔“ تویر اندر سے گر جا۔ ”میرا ہمارث فیل ہو جائے گا۔ ہونہہ!“

”کیا بات ہے؟“ جولیا کی آواز پر دنوں چوک کر گز۔

”لل..... لڑکی!“ عمران پہلے توہکلایا اور پھر اچھل کر جوزف کی گردن سے جھوٹ گیا۔

”بب۔ بچاؤ۔ بیارے بھائی.... خدا کے لیے مجھاں لڑکی سے بچاؤ!“

”باس ہوش میں آؤ.... دیکھو یہ میں قژوڑا ہیں۔“

”سوڑا اور حرام ہے.... بھگاؤ اسے.... ڈار لنگ بلکی.... بھگاؤ.... قادر۔ قادر۔ ہوں
 قادر!“ وہ حلقت پھاڑنے لگا۔

تویر بھی باہر آچا تھا۔ اب اس نے جوزف پر برستا شروع کر دیا۔ ”لے جاؤ اسے یہاں سے
ورنہ دنوں کو پاگل خانے بھجوادوں گا۔“

”شہرو۔ خاموش رہو! میری سنو۔“ جولیا اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔ ”بہتر ہے کہ
اسے اندر لے چلنے کی کوشش کرو جوزف تم بھی مدد کرو۔ ورنہ کسی پریشانی میں بنتا ہو جاؤ گے۔
اتھی رات گئے اس ہنگامے نے پولیس کو متوجہ کر لیا تو یہ کے دینے پڑ جائیں گے۔“
بات جوزف کی بھی سمجھ میں آگئی اور وہ لوگ عمران کو اندر رکھیں لے گئے۔

”چھوڑو۔ مجھے چھوڑو۔“ عمران زور زور سے ہاتھ گھما تارہا۔
بدقت تمام وہ اسے ایک آرام کریں تک لا سکے اور پھر جولیا ہی کی تجویز پر اسے کرسی سے
باندھ دیا گیا۔

”ہائے میں سمجھ گیا۔“ عمران روہانی آواز میں کراہ۔ ”اب یہ لڑکی مجھے ایک عشقیہ خط لکھے
گی اور اس کی سیلی اسے مشورہ دے گی کہ خط پر پانی کی دو چار بوندیں بھی پٹکا کر بلانگ بیپرے سے
خٹک کر دو تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے۔ ہائے یہ لڑکیاں مجھے اس قدر لوکیوں
سمجھتی ہیں۔ اسے باما.... میں ڈیڑھ درجن بچوں کا باپ ہوں اور چوخ تھی شادی کی فکر ہے۔ ہائے۔
بچاؤ۔ کوئی بچاؤ۔ پولیس۔ پولیس!“

”بکواس بند کرو۔“ تویر نے اسے گھونسہ دکھایا۔
”اے مسٹر ہوش میں رہو! باس پاگل ہوں گے لیکن میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔“
”لیکی بکتا ہے۔“

جوزف آنکھیں نکال کر اس کی طرف بڑھا تھا کہ جولیا درمیان میں آگئی۔

O

آج کیپھن فیاض بذات خود کبڑے کا تعاقب کر رہا تھا۔ پھر اپنے مقدار کو گالیاں کیوں نہ دیتا۔
تنہ کھنے گزر پکھے تھے سڑکیں ناچے لیکن کبڑا تھا کہ کہیں رکنے کا نام ہی نہ لیتا تھا۔ خدا اکر کے
وہ ایک بار میں داخل ہوا اور فیاض نے فوری طور پر شرابی بننے کی کوشش کر دی۔ ایسا معلوم
ہونے لگا میسے پہلے بھی کہیں پیتا رہا ہوا اور رہ چلتے حلقت رکرنے چلا آیا ہو۔ کئی میزیں غالی ٹھیں۔
فیاض نے کبڑے کے قریب ہی والی میز منتخب کی۔ کبڑے کی پشت اس کی طرف تھی۔

”ہو تو تم کسی پاگل خانے میں نظر آؤ گے۔ کیوں؟“ لڑکی اس کے چہرے کے قریب انگلی نچاکر ہنسی۔
کبڑے نے جھلاہٹ میں اس کا ہاتھ جھنک دیا۔
”حرامی۔“ لڑکی کا بھرپور ہاتھ اس کے گال پر پڑا۔
”کیتا۔ حرمازدی۔“ کبڑے نے اس کی کھوپڑی پر دو ہتھر چلایا اور وہ اس طرح پچھے ہٹی کہ
کرسی سمیت الٹ ہی جانا پڑا۔ بس پھر اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا۔
کبڑے پر چاروں طرف سے یلغار ہو گئی۔ مارو۔ مارو کے شور میں لڑکی کی ہستیریائی چینیں بھی
چکل رہی تھیں۔ پھر دفعتہاں میں اندر ہمراہ ہو گیا۔
فیاض کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ اندر ہمراہ.... اور.... مغرب چھاؤ
دینے والا شور.... ہاتھیائی کی آوازیں.... پچھے نہیں کتنے آدمی آپس میں الجھپڑے تھے۔
”او۔ او کے پچھے سنبھل کر....“

”زبان.... سنپھال....“

”ڑاق....“

”ہائیں۔ ہائیں....“

کمپنی فیاض نے اٹھنا چاہا لیکن دوسرا ہی لمحے میں سر پر قیامت نوٹی۔ بے خبری میں چھٹے
والی سوئی بھی بعض اوقات نیزے کی انی معلوم ہوتی ہے پھر فیاض کو انداز پاش پاش ہوتا کیوں نہ
محسوس ہوتا۔ کوئی خاصی وزنی چیز اپنام کر رہی گئی تھی۔

فیاض چکرا کر کر سیست گر اور اندر ہروں میں گم ہوتا گیا۔ لیکن اس عالم میں بھی وہ سورج
رہا تھا کہ محض اتفاق ہو سکتا ہے یادیدہ دانتہ اس پر حملہ ہوا ہے۔ واقعہ اندر ہیرے کا تھا اس لیے کسی
کے خلاف کوئی کارروائی بھی نہیں کی جاسکتی۔ فیاض بڑی خاموشی سے بے ہوش ہو گیا۔ وہ کسی
بہت ہی معمولی آدمی کے روپ میں کبڑے کے پیچھے لگا تھا۔

O

”اچھا تو پھر کیا ہوا۔“ خاور نے مفطر بانہ انداز میں پوچھا۔
جو یا غصے کی زیادتی کی وجہ سے صحیح الفاظاًدا کرنے سے قاصر تھی۔ سینہ دھونکنی کی طرح چل
رہا تھا۔ بدقت تمام وہ بولی۔ ”تو نیز۔ خدا اس سے سمجھے۔ میں نے عمران کو اس کی گمراہی میں دے کر

ویژر کی شکل دیکھ کر فیاض نے آنکھیں اور نشیل بنا لیں۔ اور جھومتا ہوا بولا۔ ”مارٹینی
لاؤ۔۔۔ ذبل۔۔۔!“

”جی صاحب!“ ویژر نے متبرہانہ انداز میں پلکیں چھپ کا میں۔

”مارٹینی۔۔۔ یوانفرنل بیٹ!“

”صاحب.... میتو میں نہیں ہے۔“

”مینو کے پچھے۔۔۔ میں سور کی دال اور چپاتیاں نہیں مانگ رہا۔“

”منیر صاحب کو بلاؤں صاحب!“

”مارٹینی۔۔۔ مارٹینی۔۔۔ جاہل کندہ تراش! شراب۔۔۔ مارٹینی شراب۔۔۔ کیا تم فرانس کبھی
نہیں گئے ہائے پیرس۔۔۔ میں مارٹینی کے علاوہ اور کچھ نہیں پیتا۔۔۔ اچھا ایک اسٹیک لاؤ۔“ ویژر کی جان
میں جان آئی اور وہ اسٹیک لینے دوڑا گیا۔

اور هر اب کبڑے کی میز بھی خالی نہیں تھی۔۔۔ ایک خوبصورت یورپین لڑکی بھی تھی اور رم کی
بوتل بھی۔۔۔ رم غالباً ناصل ہی چل رہی تھی کیونکہ آس پاس نہ تو سائیفن ہی موجود تھا اور نہ سوڈے
کی بوتل۔۔۔ سروس اتنی چوکس نہیں تھی کہ فوری طور پر خالی بوتل ہٹا دیئے جانے کا مرکا ہوتا۔۔۔
فیاض میز پر کہیاں لیکر کر آگے جھک آیا۔۔۔ ان دونوں کے مابین گفتگو انگریزی میں ہو رہی تھی۔۔۔

کبڑا کہہ رہا تھا۔ ”مجھے تمہاری ماں سے عشق ہے۔“
”بکواس مت کرو۔“ لڑکی کے لمحے میں جھلاہٹ تھی۔

”اگر زندہ ہو تو تمیرا ایک بیقاوم اس سکھ ضرور پہنچا دیا۔“

”میں انھے جاؤں گی۔۔۔ ہاں۔“ لڑکی نے دھمکی دی۔

”ارے نہیں ایسا بھی کیا۔ ہاں تو تمہاری ماں....“

لڑکی نے زور سے میز پر ہاتھ مارا اور کبڑا جملہ پورا نہ کر سکا۔ خواہ نخواہ دانت نکال دیئے اور
زبردستی ہستارہ۔۔۔ پھر لڑکی بھی اسے چڑانے پر آمادہ نظر آنے لگی۔

”یہ گھری اب زمین پر رکھ دو۔“ اس نے اس کے کوبڑکی طرف اشارہ کیا۔

”ہوں!“ فیاض نے اس کی آواز میں غراہٹ سی محسوس کی۔ ”یہ گھری جس دن زمین پر

اڑتی پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح خلاء میں چکراتے پھریں گے۔“

وہاں اس وقت کیپن فیاض فرش پر بے ہوش پڑا نظر آئے گا۔ براؤن رنگ کے شکستہ سوت میں ہے اور نعلیٰ موچھیں لگا رکھی ہیں۔ انپٹر زاہد کو فون کرو کہ اسے اٹھائے جائے گناہ کا۔ یاد رکھنا۔ بس۔“

سلسلہ منقطع ہو گیا اور جولیا جھلائے ہوئے انداز میں رسیور پٹھ کر خاور کی طرف مڑی۔

”کیا بات ہے؟“ خاور مسکرا یا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ کال ان کے چیف آفسر کی رہی ہو گی۔

”پتہ نہیں! اس جانور سے کب اور کس طرح پیچھا چھوٹے گا۔“

”کیا کہہ رہا تھا؟“

”عمران سے دور رہو! اگر کہیں دکھائی بھی دے جائے تو نظر انداز کرو۔“

”میں پہلے ہی سمجھتا تھا کہ اس کا پاگل پن مصلحت سے خالی نہیں ہو سکتا۔“

”کیا مطلب....؟“

”وہ ایکس ٹوی کی کسی اسکیم کے تحت پاگل بننا ہو گا۔“

”میں لقین نہیں کر سکتی۔“

”پھر وہ عمران سے دور رہنے کا مشورہ کیوں دے رہا ہے۔“ اسی طرح صدر سے بھی دور رہنے کا مشورہ دیا تھا۔ کوئی وجہ تو ہوئی چاہئے۔“

جولیا کسی سوچ میں پڑ گئی۔ اتنے میں خاور کسی آواز پر چونکا اور اسی طرف کان لگادیئے۔ پھر بولا۔ ”یہ.... کون ہے۔ کیا اسی عمارت میں۔“

”جو فس شاید رو رہا ہے؟“ جولیا بولی۔ خاور ٹپ ڈال۔ لیکن جولیا بد ستور سنجیدہ رہی۔ سنجیدگی غم آکوں تھی۔

”اوہ بابا۔ تو آخر تم اس کے لیے اتنی پریشان کیوں ہو؟“

”بکواس مت کرو۔ مجھے تمہاری ہمدردیوں کی ضرورت نہیں۔“

اس حظر کی کے باوجود بھی خاور ہستا ہی رہا وہ سمجھ جولیا کا احترام کرتے تھے۔ اس حد تک کہ اس کی جھڑ کیاں بھی نہیں گراں نہیں گذر تھیں۔

خاور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ دروازے پر دستک ہوئی۔

”آجاؤ۔“ جولیا نے کہا اور جوزف لکڑا تاہا اندر داخل ہوا۔

غلطی کی تھی۔ کاش کسی نہ کسی طرح اپنے ساتھ ہی لائی ہوتی۔“

”کیوں؟ کیا اب وہاں نہیں ہے؟“

”نہیں۔“ جولیا بھرائی ہرئی آواز میں بولی۔ ”ہم نے اسے کری سے جکڑ دیا تھا۔ لیکن وہ رات میں کسی وقت نکل بھاگنے میں ناممیاں ہو گیا۔“

”اچھا جوزف کہاں ہے؟“

”اس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں ہو سکا کہ عمران کب نکل گیا اور توریکا بیان ہے کہ وہ خود ساری رات گھری نیند سوتا رہا تھا۔“

”یہ ناممکن ہے!“ خاور کا ہمچہ تشویش کن تھا۔ ”اگر توری نے اسے نکل بھاگنے میں مدد دی ہو گی تو.... نہیں یہ بھی قرین قیاس نہیں۔“

”تم نہیں سمجھتے۔ مجھ سے زبردست غلطی ہوئی۔ وہ عمران کا دشمن ہے۔ خطرناک ترین دشمن۔“

”اوہ سمجھا۔ خاور ٹپ ڈال۔“ ”تم ہی بہتر سمجھ سکتی ہو۔“

جو لیا پھر کسی سوچ میں گم ہو گئی۔ سمجھ دیر بعد بولی۔ ”اگر میں جوزف کو اشارہ بھی کر دوں تو وہ توری کی بویاں ازادے گا۔“

”اب وہ کہاں ہے؟“

”میرے ساتھ۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کیسے سمجھاں۔ صحیح پھوٹ پھوٹ کر بچوں کی طرح رہ رہا تھا۔ بالکل بچوں تھی کے سے انداز میں اس کے متعلق سوالات کرتا ہے۔“

دقیقاً فون کی تھنٹی بھی اور جولیا نے جھپٹ کر رسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے ایکس ٹو کی بھرائی ہوئی سی آواز آئی۔

”لیں سر!“ جولیا نے ماذ تھے بیٹیں میں کہا۔

”تم لوگ عمران سے قطعی دور رہو۔ اگر کہیں دکھائی بھی دے تو نظر انداز کرو۔“

”م..... مگر.... کیوں جتاب؟“

”بکواس کرو گی؟“ ایکس ٹو غریلہ۔ ”تمہیں حراث کیسے ہوتی ہے مجھ سے کسی حکم کی وجہ پر چھینے کی؟“

”م..... معافی چاہتی ہوں جتاب!“ جولیا نے بوکلا کر کہا۔

”سنوا!“ ایکس ٹو نے سپاٹ آواز میں کہا۔ ”نکسن روڈ پر رنگ کے سامنے ایک شراب خانہ ہے۔“

"مجھے جانے دو.. مسی!" اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ "میں بس کو تلاش کرہی لوں گا۔"
اچھی بات ہے! "جولیا نے ٹھنڈی سانس لی۔ "جاو۔ لیکن مجھے فوراً ہی اطلاع دینا اگر کہیں
دکھائی دے جائے۔"

"میں انہیں زبردستی اٹھا کر بیہیں لاوں گا مسی۔ باپ کے گھر نہیں لے جاؤں گا۔ ایسا بھی کیا
کنجوس باپ؟"

"کیا مطلب؟" خادر اسے گھورتا ہوا بولا۔ "رحمان صاحب تو بڑے شاہ خرچ آدمی ہیں تم
انہیں کنجوس کیوں کہتے ہو؟"

"کنجوس کیوں کہتا ہوں۔" جوزف آنکھیں نکال کر غریا۔ "جو ان بیٹا پاگل ہو گیا ہے کچھ دن
علاج کیا... ڈاکٹر پر ڈاکٹر آئے... مگر اب انہیں بالکل پرواہ نہیں ہے اب وہ بس پر ایک پائی
بھی نہیں صرف کر سکتے۔"

"تمہارے باس نے انہیں کبھی سکھے نہیں دیا۔"

"تم پڑھ لکھے لوگوں سے میں بحث نہیں کر سکتا۔ ایک وحشی قوم سے تعلق رکھتا ہوں لیکن
میرا بیٹا... خواہ وہ کتنا ہی برا کیوں نہ ہو ہمیشہ میرے سینے سے لگا رہے گا آسمانی باپ نے ہم
کمینوں کو سینے سے لگا کھا ہے۔ ہم جو دن رات اس کی نافرمانی کرتے ہیں کیا وہ جوزف کا پیٹ نہیں
بھرتا تا... اس جوزف کا جو گوشت کھاتا ہے اور ہر وقت شراب میں ڈوبتا ہے۔"

"اے جاہل آدمی میں تجوہ سے بحث نہیں کر سکتا۔ مجھے معاف رکھ!" خادر نے ہنس کر کہا۔

"ورنه میرا باپ بھی سانپ بن کر سر کنڈے کی جھاڑیوں میں سر اتا پھرے گا..."
جولیا بھی مسکرا پڑی۔ لیکن جوزف کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے بھرائی ہوئی
آواز میں کہا۔ "میں جاہل ہوں مسی... خدا حافظ...."

"تمہاری چھ بولیں یہاں تیار بلا کریں گی۔" جولیا نے کہا... جوزف مزید کچھ کہے بغیر
دروازے کی جانب مڑ چکا تھا...!

O

زیر و نامیں مرانسٹر کا سفری سیٹ صدر کے پاس موجود تھا لیکن اسے کبھی موقع نہ مل سکا
کہ وہ اسے استعمال کر سکتا۔ آج کل وہ گرینڈ ہوٹ میں مقیم تھا۔ اخراجات کے لیے بے تحاشہ

رقوم ملتی تھی لیکن اس کے فرشتوں کو بھی علم نہ رہا ہو گا کہ وہ رقومات آتی کہاں سے ہیں۔ کون
س سکے پہنچتا ہے... ایک آدھ بار ایکس ٹوکی طرف بھی دھیان ضرور گیا تھا لیکن پھر سوچا کہ
ایکس ٹو سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اس حد تک اپنے ماتحتوں کا خیال رکھے گا۔ نوٹس کی
گذیاں اسے اپنی بیجوں میں ملتی تھیں... بھیے کے نیچے بیتر پر ملتی تھیں۔ غرضیکہ اسے اتنا مل
جاتا تھا کہ وہ عیش سے زندگی بر کر سکتا.....!

لیکن زیر و نامیں کا سیٹ استعمال کر کے ایکس ٹو سے رابطہ قائم کرنے میں کون حارج ہو سکتا
تھا....؟

کوئی شخص... کوئی انجامات آدمی... جو ہر وقت اس کے آس پاس ہی موجود ہوتا ہے۔ وہ
ویژہ ہی سہی... جو اکثر دستک دیئے بغیر ہی اس کے کمرے میں گھس آتا تھا۔ اور پھر اس طرح
گڑا گڑا کر معافی مانگتا تھا کہ سفاک تین آدمی بھی پیچ جاتا۔ صدر کو یقین تھا کہ کبڑے کے آدمی ہر
وقت اس کی گمراہی کرتے ہیں۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ ایکس ٹو سے اسے اپنے آدمیوں سے دور ہی
رہنے کی ہدایت ملی تھی۔

کبڑا۔ کبڑا۔ ہمگ دی گریٹ! صدر اس کے متعلق سوچتے سوچتے اس طرح جھلا جاتا کہ
منٹھیاں غیر شوری طور پر سر کے بال جکڑنے لگتیں....!

اس وقت بھی وہ گرینڈ ہوٹ کے ڈائینگ ہال میں کبڑے ہی کا منتظر تھا۔

وہ آٹھ بجے نظر آیا۔ لیکن اس انداز میں کہ صدر کی آنکھیں چند ھیا گئیں۔

ڈنز سوٹ میں تھا... بے داغ قمیں... اور ایک عورت جو اس کے قد سے دو گنی
ضرور ہی ہو گی۔ عورت کا لباس بھی قیمتی تھا۔ چہرہ خاصاً لکھ تھا۔ لیکن کبڑے ہی کی طرح بے
ہنگم تھی۔ دلی پتی تار جیسی... دونوں کو ساتھ دیکھ کر ڈائینگ ہال کا ہر فرد متوجہ ہو گیا تھا۔ پہلے
کبھی کوئی ایسا مضمکہ خیز جوڑا شاید ہی کسی کی نظر سے گذر ہو۔

عورت بڑی بے پرواہی سے مسکرا رہی تھی۔ کبڑے ہی کی طرح اسے بھی غالباً اس کی پرواہ
نہیں تھی کہ لوگ انہیں مضمکہ انداز میں گھور رہے ہیں۔

دونوں تیر کی طرح صدر کی میز کی جانب آئے۔ صدر ان دونوں ہر وقت میک اپ میں نظر
آنے لگا تھا۔ وجہ معقول تھی اس نے ایک دن کیپٹن فیاض اور اس کے چند خاص ماتحتوں کو بھی

کبڑے کی گرفتاری کرتے دیکھ لیا تھا۔ کیپن فیاض صدر کو عمران کے دوست کی حیثیت سے جانتا تھا۔ لہذا وہ اسے کبڑے کے ساتھ دیکھ کر کان ضرور کھڑے کرتا۔ لہذا اس نے سوچ کیوں نہ ہو وقت۔ اسی میک اپ میں رہے جس میں پہلی بار کبڑے سے ملاقات ہوئی تھی۔

”لو.... صحنی گریٹ بوائے....“ کبڑے نے بڑے مشقانہ انداز میں صدر سے مصافحہ کیا اور پھر عورت کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”لیڈی ہمگ.... مائی لاکف۔“

”ڈالائیشند.... مائی لیڈی....!“ صدر نے بڑے احترام سے مصافحہ کیا۔

وہ بینچے گئے۔ کبڑا صدر کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا رہا تھا اور لیڈی ہمگ احتقان انداز میں سر ہلاہلا کر مسکرا رہی تھی۔ کبھی کبھی دانت بھی نکل پڑتے گرے بے آواز....

”آج ہم یہاں مدعو ہیں۔ کیا تم میرے سیکرٹری کے فرائض انجام دے گے؟“ کبڑے نے صدر سے پوچھا۔

”لیں یور ایسروڈنس(Absuredness)۔“ صدر سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکا۔

”گذ....! مگر تم پھر میک اپ میں کیوں نظر آنے لگے ہو؟“

”کیپن فیاض اور اس کے آدمی حضور کی گرفتاری فرمائے ہیں اور وہ مجھے اچھی طرح پچانتے ہیں۔ اصل صورت میں سامنے آؤں تو چڑی او ہیٹر کر کر دیں گے۔“

”ویری فائیں! مگر یہ کیپن فیاض کیا بلایا ہے.... میں تو نہیں جانتا۔“

”پولیس سر کار!“ صدر با میں آنکھ دبا کر مسکرا لیا۔

”تمہیں دہم ہو گیا ہے صحنی۔“ کبڑا مسکرا لیا۔ ”بھلا پولیس کو مجھ سے کیا سروکار ہو سکتا ہے۔ میں تو اپنے وقت کا عظیم ترین اکاؤنٹنٹ ہوں۔ اسی لیے ساری دنیا پر میری بادشاہت ہے۔ آج دیکھ لیماں لوگوں کو جنہوں نے مجھے یہاں مدعو کیا ہے۔ پولیس کو اس ہے۔ پولیس سے کیا ہوتا ہے.... خواہ مخواہ اتنا برا عاملہ رکھ کر مفت کی تھوڑا بیس بانٹی جاتی ہیں۔ قوم کا اتنا سرمایہ یونہی برباد ہوتا ہے۔“

”وہ کیسے یور ایسروڈنس؟“

”سیکرٹری! ہم اس وقت بحث کے موڑ میں نہیں ہیں۔ پھر کبھی اس مسئلے پر مجھ سے کچھ سن لیں۔“

”اوکے یور ایڈی یوس کر لیں!“

203
”لیڈی ہمگ سے کچھ دیر موسیات پر گفتگو کرو۔ میں ابھی آیا۔“ کبڑا ٹھٹھا ہوا بولا۔ چند لمحے بعد صدر نے اسے اوپری منزل کے زینے طے کرتے ہوئے دیکھا اور پھر لیڈی ہمگ کی طرف مڑ کر بولا۔

”ہر ایسروڈنس واقعی بہت عظیم ہیں۔“

عورت اب بے حد سبجدہ نظر آ رہی تھی۔ وہ چند لمحے صدر کو گھوڑتی رہی پھر بولی۔ ”کیا تم میرے شوہر کے متعلق کچھ بتا سکو گے.....؟“

”میں نہیں سمجھا.... یور لیڈی شپ!“ صدر نے تمہارا نہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ ”وہ کرتا کیا ہے.... کہاں غائب رہتا ہے۔ میں آج ہی ساجد گرے سے آئی ہوں۔ تم نے کبھی رانی ساجد گرے کا نام سنائے؟“

”کیا؟“ صدر تمہارا نہ انداز میں اچھل پڑا۔

”میں رانی ساجد گرے ہوں۔“

”آپ.... یعنی کہ۔ آپ اور یہ ہمگ آپ کا شوہر....“

”بد تیز نہ بنا!“ عورت نے غصیل لمحے میں کہا۔

”اچھا محترم! مگر میں آپ کو اپنے باس کے متعلق کیا بتا سکوں گا؟“

”وہ ساجد گرے سے کہاں غائب ہو جاتا ہے؟“

”اوہ ہو تو کیا مستقل طور پر ساجد گرے میں رہنے ہیں؟“

”پھر کہاں رہے گا؟ تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟“

”معافی چاہتا ہوں یور ہائی نس....!“

”اوہ.... اچھا خاموش رہو۔ وہ اپنی آرہا ہے۔“

ہمگ اپنی کے لیے زینے طے کر رہا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ پھر اسی میز پر نظر آیا۔

”اب کتنی دیر ہے ڈارٹگ؟“ عورت نے مختبرانہ انداز میں کہا۔ ”تمہاری پارٹیاں میری کھمیں نہیں آتیں....“

”یہ پارٹی میں نے نہیں دی سوئٹی۔“ ہمگ بولا۔ ”ہم مدعو ہیں یہاں۔“

”مگر کتنی دیر انتظار کرنا پڑے گا؟“

”دیکھو سوئیٹی! میں بتاؤں!“ ہمگ نے طویل سانس لے کر کہا۔ ”قصہ دوسرا ہے اگر تم غنا نہ ہونے کا وعدہ کرو تو بتاؤں۔“

”کیا میں کبھی تم سے خواہ بھی ہوئی ہوں۔“ عورت کے انداز میں بلا کی محبت پھٹ پڑی تھی۔

”کبھی نہیں! لیکن میں تمہاری خفگی کے تصور سے کانپتا ہی رہتا ہوں۔“

عورت نے بڑے فخر یہ انداز میں صدر کی طرف دیکھا۔ سکرائی اور ہمگ سے بولی۔

” بتاؤنا کیا کہنا چاہتے ہو؟ میں الجھن میں ہوں۔“

در اصل میں پارٹی میں شرکت نہیں کرتا چاہتا۔ اور پارٹی یہاں ہے بھی نہیں۔ پارٹی تو

ڈی لکس میں ہو گی ٹھیک سلاہ ہے آٹھ پر! تم سیکرٹری کے ساتھ چلی جاؤ۔“

عورت نے بر اسامنہ بنایا لیکن کچھ بولی نہیں۔ صدر ہمگ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

” مجھے موقع ہے کہ تم ہر لیڈی شپ کے وقار کا خیال رکھو گے!“

” دل دجان سے یور ایڈی سکریسی!“ صدر نے بڑے ادب سے جواب دیا۔

” تم کیا کہتی ہو ڈارلگ ...؟“

” میں تو تم سے کبھی کسی بات کی وجہ بھی نہیں پوچھتی۔“ عورت نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ” دیکھو نا میں نے تم سے یہ بھی نہیں پوچھا کہ پولیس تمہاری گمراہی کیوں کر رہی ہے؟ اور یہ تمہارا سیکرٹری تمہارا منصب کیوں اڑاتا ہے؟“

” ارے وہ پولیس ہاہا۔“ وہ ہنس پڑا اور دیر تک باقاعدہ طور پر ہستارہا پھر بولا۔ ” پولیس والے مجھے ایک پراسرار آدمی سمجھتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ میں اسکلروں کا شہنشاہ ہوں اور میرا سیکرٹری مردود بھی یہی سمجھتا ہے۔“

” اچھا؟ رانی نے عفیلے لجھ میں کہا۔ ” کیا میں وزیر اعظم کو فون کروں؟“

” اررر۔ ٹھیں ڈارلگ ... ہرگز نہیں۔ مجھے میری تفریق سے محروم نہ کرو۔ اطف آتا ہے پولیس سے چھٹر چھاڑ میں۔ کیوں سیکرٹری؟“

صدر نے بڑے عقیدت مندانہ انداز میں سر کو جنمیں دی وہ ابھی تک اس عورت کو نہیں سمجھ سکا تھا۔ رانی ساجد گرخا صی مشہور عورت تھی۔ اکثر ”کارہائے خیر“ کے سلسلے میں اس کا نام خبردادات کی زینت بناتا تھا۔ لیکن یہ عورت اس ہمگ کی بیوی رانی ساجد گرخا شاید کوئی۔

چچے بھی یقین نہ کر سکے۔ اس نے سوچا.... دیکھا جائے گا۔

اس دوران میں عورت نے کبڑے سے کچھ کہا تھا اور کبڑا جس پڑا تھا۔ کیا کہا تھا؟ صدر نہ سکا۔ وہ تو ان دونوں کے متعلق طرح طرح کے خیالات میں الجھا ہوا تھا۔

” اچھی بات ہے۔“ کبڑے نے کلائی کی گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔ ” سوا آٹھ بج کر ہے ہیں اب تم لوگ ڈی لکس کے لیے روانہ ہو جاؤ۔ سیکرٹری تمہارے ساتھ ہی میٹھے گا۔“

” کسی کو اعتراض تو نہ ہو گا؟“ عورت نے پوچھا۔

” ہرگز نہیں! میری کسی بات پر کسی کو بھی اعتراض نہیں ہوتا۔“ کبڑے نے لاپرواں سے شانوں کو جنمیں دی۔

صدر الجھن میں بٹلا ہو گیا۔ کبڑے نے پہلے ہی اسے فون پر ہدایت کر دی تھی کہ وہ آٹھ بجے ڈسسوٹ میں ملوس ملے۔ لیکن یہ دعوت!

” اوہ“ تم کیا سوچنے لگے۔ کبڑے نے اسے ٹوکا۔ ” دیر نہ کرو جاؤ۔“

پھر جب وہ دونوں انٹے تو صدر کا دل چاہ رہا تھا کہ کسی جانب نکل جاگے کیونکہ یہ عورت تو قدمی خوداں سے بھی کچھ نکلی ہوئی سی تھی۔

گرینڈ کی کپاؤٹھ میں ایک بھی سی شاندار گاڑی ان کی منتظر نظر آئی۔ ڈرائیور باور دی تھا۔ اس نے بڑی شاٹگی سے ان کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولا اور پھر گاڑی ڈی لکس کے لیے روانہ ہو گئی۔

رانی ساجد گرنے صدر کو اپنے ساتھ پچھلی سیٹ پر سٹھایا تھا۔ وہ خاموش رہا۔ الجھن بڑھتی ہی جا رہی تھی اگر یہ بچھ رانی ساجد گر ہی تھی تو پھر کبڑا۔ کبڑے کی شخصیت کا ایک نیا پہلو مانے آیا تھا۔ رومنک اور حیرت انگیز پہلو۔

” کیا تم زیادہ تر خاموش ہی رہتے ہو سیکرٹری؟“ رانی ساجد گرنے خود ہی پہل کی۔

” نن نہیں تو نیو ہائی اس میں بڑی الجھن میں ہوں۔“

” کیوں؟“

” میں ہمگ دی گریٹ کو سنکی اور مخزہ سمجھتا تھا۔ لیکن وہ تو واقعی گریٹ نکلے۔“

” تم انہیں کب سے جانتے ہو؟“

” زیادہ دونوں سے نہیں۔ لیکن پھر بھی محسوس ہیں کرتا ہوں جیسے سالہاں سال سے ان کی

ملازمت میں ہوں۔"

"اوہ... اوہ! رانی نہ پڑی۔" تم میرے رقب تونہیں بن جاؤ گے؟"

"میں بہت پریشان بھی ہوں۔ یورلیڈی شپ۔ آخر آپ کو اس کی پرواد کیوں نہ ہوئی کہ مسٹر ہمگ پولیس کی گرفتاری میں ہیں۔"

"اوہ.... وہ نہ پڑی۔" ہمسی براستم ظریف ہے۔ اس کی یہی چیز تو مجھے پاگل نادیتی ہیں اور میں اسے پہلے سے بھی زیادہ شدت سے چاہنے لگتی ہوں۔"

"ان کا اصلی نام کیا ہے؟" صدر نے پوچھا۔

"خدا جانے.... میں ہمگ دی گریٹ کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتی۔"

"اور یہ نام آپ کو مصلحہ خیز بھی نہیں لگتا؟"

"مجھے اس کی ہر چیز سے پیار ہے...." رانی نے محبت آمیز لمحے میں کہا۔ "میرا بلڈاگ۔"

"بلڈاگ....؟"

"ہاں۔ یہ ایک دکھ بھری کہانی ہے، کیا تم نے پہلے کبھی نہیں سن کر رانی ساجد گراہک بد فیض عورت ہے۔"

"میں نے کبھی کچھ نہیں سن مختصر مہ۔"

"میں تمہیں ضرور بتاؤں گی۔ ہمگ مجھے اپنا ہی جیسا باتا چاہتا ہے اور میں بن بھی گئی ہوں درنہ تم جیسے لوگ کا نپتے ہوئے میرے سامنے آیا کرتے تھے۔ ہمگ کہتا ہے کہ وہ کیڑے جو گندگی میں پیدا ہوئے ہوں انہیں گندگی ہی نک محدود رہنا چاہئے۔ اور ایسے کیڑوں میں کوئی بھی ایک دوسرے سے برتر نہیں ہوتا۔"

"لیکن وہ حضرت توحید کو ساری دنیا سے برتر کرتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ وہ یقیناً برتر ہے۔ میرا بلڈاگ! نہ وہ عام آدمیوں کی طرح پیدا ہوا تھا اور نہ عام آدمیوں کی طرح مرے گا.... اوہ ختم کرو۔... میں تمہیں اپنی کہانی سنانے جا رہی تھی۔ میرا داد مصلحہ خیز ہے.... تم بھی کافی لے تر گئے آدمی ہو۔... لیکن قد میں چھوٹے ہو مجھ سے! تمہیں حیرت ہو گی کہ تیرہ سال کی عمر تک میں اس قدم کو پہنچ گئی تھی یعنی تیرہ سال کے بعد میرا اونچائی میں اضافہ نہیں ہوا۔ میں جانتی تھی کہ ایسے حالات میں پوزیشن کے خواہشند تو بہترے مل

جائیں گے لیکن ایسا آدمی جو مجھ سے محبت کر سکے، شاید کبھی نہ ملتا۔ میں بے ہنگم ہوں۔ آج بھی لوگ مجھے دیکھ کر ہنستے ہیں اس طرح کہ میں ان کی اس حرکت سے بے خبر رہوں۔ تب پھر میں کیا کرتی ہتا مجھے ایک ایسی ہستی کی تلاش تھی جو صرف مجھ سے محبت کر سکے.... میری دولت سے نہیں.... کوئی نہ مل سکا۔ سوابعے اس بلڈاگ کے جھے میں نے بچپن ہی سے پالا تھا۔ وہ کرتا تھا مجھ سے محبت۔ لیکن میں بے خبر تھی۔ میں نے کبھی اس کے لیے کوئی غیر معمولی جذبہ نہیں محسوس کیا تھا۔ ایک بار شدت سے بیمار پڑی.... بلڈاگ دن رات میرے پلگ کے قریب جمار ہتا۔ جانتے ہو اس نے تین دن تک کچھ نہیں کھایا۔ اس وقت تک نہیں جب تک کہ میں پلگ سے اٹھی نہیں تھی۔ تب مجھے محسوس ہوا کہ کوئی میرے لیے بھی پریشان ہو سکتا ہے۔ خود وہ کتابی کیوں نہ ہو.... پھر میں اس کے لیے پاگل ہو گئی۔ ایک بیل کے لیے بھی جدائی شاق گذرتی.... لیکن! رانی ساجد گراہک کی آواز بھرا گئی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا چیزے گریے بے اختیار پر قابو پانے کی کوشش کر رہی ہو۔

"میرا بلڈاگ.... ایک رات اسے سانپ نے ڈس لیا۔ یقین کرو میں نے اس پر لاکھوں روپے صرف کر دیئے تھے۔ لیکن.... اسے بچانے کی۔ دنیا تاریک ہو گئی میری نظروں میں! رانی ساجد گراہک بھیکیاں لینے لگی۔ ڈرائیور کی موجودگی کی بھی پرواد نہیں تھی اسے۔ کچھ دیر تک اسی طرح روتی رہی پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔ "پھر ہمگ مل گیا۔ پتہ نہیں کیوں مجھے اس میں اپنے بلڈاگ کی جھلکیاں نظر آئیں۔ بعض اوقات تو ایسا لگتا جیسے ابھی بکلی سی 'یف' کے ساتھ میرے پیدا ہوئے ہوں انہیں گندگی ہی نک محدود رہنا چاہئے۔ اور ایسے کیڑوں میں کوئی بھی ایک دوسرے سے برتر نہیں ہوتا۔"

"لیکن وہ حضرت توحید کو ساری دنیا سے برتر کرتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ وہ یقیناً برتر ہے۔ میرا بلڈاگ! نہ وہ عام آدمیوں کی طرح پیدا ہوا تھا اور نہ عام آدمیوں کی طرح مرے گا.... اوہ ختم کرو۔... میں تمہیں اپنی کہانی سنانے جا رہی تھی۔ میرا داد مصلحہ خیز ہے.... تم بھی کافی لے تر گئے آدمی ہو۔... لیکن قد میں چھوٹے ہو مجھ سے! تمہیں حیرت ہو گی کہ تیرہ سال کی عمر تک میں اس قدم کو پہنچ گئی تھی یعنی تیرہ سال کے بعد میرا اونچائی میں اضافہ نہیں ہوا۔ میں جانتی تھی کہ ایسے حالات میں پوزیشن کے خواہشند تو بہترے مل

ذی لکس ہوٹل پہنچ کر تو صدر کی آنکھیں کھل گئیں۔ شہر کے کئی بہت بڑے سرمایہ دار اور ساجد نگر کی پیشوائی کو موجود تھے۔ انہوں نے ہمگ کی غیر حاضری پر بے حد افسوس ظاہر کیا۔ پھر طعام کے دوران میں صدر کو ایک انوکھی اطلاع ملی۔

سینہ داور بھائی یا در بھائی رانی ساجد نگر سے کہہ رہا تھا۔ ”پُنس نہیں آئے مجھے بے افسوس ہے۔ کیا آپ براہ کرم ہماری سفارش کر سکتیں گی ان سے؟“

”کیسی سفارش ہم نہیں سمجھتے؟“ رانی یا لیڈی ہمگ نے پوچھا۔

”ہم چاہتے ہیں کہ وہ کبھی کبھی ہمارے چیف اکاؤنٹنٹس کو کوچ کر دیا کریں۔“

”ارے تو وہ کچھ اس میں بھی دخل رکھتے ہیں۔“ رانی نے حیرت سے کہا۔

”بہت زیادہ یورہائی نس!“ دوسرا سرمایہ دار بولا۔ ”شاپید ان کی گلر کا اکاؤنٹ سارک دنیا میں نہ ملتے۔“

”بڑی بحیب بات۔“ رانی فخریہ انداز میں فرمی۔ ”نہیں تو یقین نہیں آتا...!“

O

کیپن فیاض بڑی لمحن میں تھا۔ اس نے رحمان صاحب کو فون کیا کہ وہ ان سے ملنا چاہتے ہے۔ اجازت مل گئی تھی اور وہ اب اس وقت ان کی لا ہبریری میں بیٹھا دیرے سے ان کے کان چاٹ رہا تھا۔

”مگر تمہارے سر پر چوت کیسے آئی تھی؟“ رحمان صاحب نے اس کی بینڈ بیجڈ کھوپڑی کو گھوڑتے ہوئے کہا۔

”میں خود بھی نہیں سمجھ سکتا جناب۔ لیکن میرا دعویٰ ہے کہ چوتاتفاق نہیں تھی۔ دیدا“ دانست کی نے کوئی وزنی چیز میرے سر پر ماری تھی۔!

رحمان صاحب کسی سوچ میں پڑ گئے اور فیاض نے بے چینی سے پبلو بدلا۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے کہنے کی بات ابھی تک نہ کہہ سکا ہو۔ دفتا بولا۔ ”اب ایک حیرت اگیز خبر سنئے۔“

رحمان صاحب کی پیشانی پر سلوٹ ابھرتی دکھائی دیں۔ جیسے یہ انداز تناسب انہیں گراں گذر ہا۔ بہر حال وہ بھی اس ”حیرت اگیز خبر“ کے منتظر نظر آئے۔

”کبڑا... رانی ساجد نگر کا شہر ہے۔“

”کیا....؟“ رحمان صاحب بے ساختہ اچھل پڑے۔

”یقین فرمائے جناب! کل میں نے ان دونوں کو ساتھ دیکھا تھا گریزد ہوٹل میں کبڑے کی شخصیت ہی بدی ہوئی نظر آئی تھی۔ وہ ایز کنڈیشن لئکن میں آئے تھے گھازی کے نمبر ساجد نگر ائیٹ کے تھے۔ ذرا بخور وردی میں تھا اور کبڑا کسی مغربی ملک کا معزول حکمران معلوم ہوا تھا۔

”الف لیلی سنار ہے ہو مجھے!“ رحمان صاحب نے غصیلے لمحے میں کہا۔

”یقین فرمائے جناب! میں بڑے معزز گواہ پیش کر سکتا ہوں۔ کبڑا گریز سے حیرت اگیز طور پر غائب ہو گیا تھا اور رانی ایک سیکرٹری کے ساتھ ڈی لکس گئی تھی... اور وہاں داور بھائی، سرو جاہت علی... اور خان بہادر آصف جاہ جیسے لوگوں نے اس کا خیر مقدم کیا تھا اور افسوس ظاہر کیا تھا کہ کبڑے نے انہیں شرف نہ بخشنا۔“

”ٹھہر د۔“ رحمان صاحب نے فون کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔ کسی کے نمبر ڈائل کیے اور ماڈ تھک پیس میں بولے۔ ”سر و جاہت۔ ہاں۔ کہہ دو رحمان ہے ذی۔ جی آف اٹلی جن۔“ پھر تھوڑی دیر خاموش رہ کر بولے ”بیلو... وجاہت میں ہوں۔ رحمان۔ چھپلی رات تم لوگوں نے کے دعوت دی تھی.... اوہ.... اچھا.... مگر.... کبڑا.... نام بتاؤ اس کا.... کمال ہے.... ہمگ۔ یہ کیسامان ہوا خیر.... سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی ہمگ رانی ساجد نگر کا شہر کیسے ہو سکتا ہے؟ (پلاکا سا قہقهہ) ہاں.... ہاں.... کیا کاڈا میں.... یار کمال ہے۔ کوئی خاص بات نہیں۔ میں رانی کو پہچانتا نہیں.... بس تم لوگوں کے ساتھ دیکھا تھا حیرت اگیز طور پر لمبی ہے۔ بھی کیا خیال ہے اس جوڑے کے متعلق؟“ رحمان صاحب نے پھر قہقهہ لگایا اور رسیور رکھ دیا۔ پھر یہ بیک سنجیدہ ہو کر فیاض کی طرف مڑے۔

”تمہارا خیال ٹھیک تھا پھر اب کیا کرو گے۔“

”میری سمجھ میں تو نہیں آیا جناب۔“

رحمان صاحب پھر کسی سوچ میں پڑ گئے... تھوڑی دیر بعد طویل سانس لے کر کہا۔ ”بھی اب توڈا کنڈ داور کا مسئلہ در پیش ہے۔ اس کے لیے کیا کیا تم نے؟“

”لیبارٹری مسلخ پولیس کی نگرانی میں ہے۔ ڈاکٹر کے نابوں کو چھٹی دے دی گئی ہے۔ نلات میں اب کوئی بھی نہیں ہے۔ لیکن پوری عمارت چھان ڈالنے کے باوجود بھی کوئی ایسی چیز

نہیں مل سکی جس سے مجرموں کی شخصیتوں پر روشنی پڑتی..... جو آدمی ہاتھ آیا ہے وہ بھی بے کار ہی ثابت ہوا۔ درمیان کا آدمی ہے جسے یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ کوئی کام کیوں کرتا ہے اور کام لینے والا کون ہے۔“

”تمہیں یقین ہے کہ وہ جھوٹا نہیں۔“

”میں اسی نتیجے پر پہنچا ہوں جتاب!“

”پلونو ردا..... کا کیا رہا؟“

”کئی دنوں سے وہ بھی میرے آدمیوں کو نہیں دکھائی دیا۔“

”کہیں سے کوئی کڑی ملتی نہیں۔“ رحمان صاحب تشویش کن انداز میں بولے۔

○

عمران ساجد نگر کی گلیوں کی خاک چھان زہا قہا اور اس کی پرانی دوست ایگلو بر میز لاکی روشنی اسی دن گرینڈ پیلس میں ملازمت حاصل کریںکی کوشش کر رہی تھی۔ رانی کو ایک لیڈی سیکرٹری کی بھی ضرورت پیش آگئی تھی۔ روشنی نے عمران کے مشورے پر اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ خود بھی انٹرویو کے لیے جا پہنچی تھی۔ انٹرویو میں پرانی یعنی ہمگ بھی موجود تھا۔ غالباً لیڈی سیکرٹری کی ضرورت اسے ہی پیش آئی تھی۔

دونوں کی نظر انداز روشی ہی پر پڑی۔ بلیک زیر دنے اس کی اطلاع عمران تک پہنچا اور عمران نے ایک نفرہ متانہ بلند کیا۔

اس کے جسم سے چیڑھے جھوول رہے تھے اور ہاتھ میں پانچو پچین سگریٹ کا ایک ڈبھ تھا۔ پان اس بری طرح چبائے تھے کہ پیک باچھوں سے پیک رہی تھی۔

لیکن اب وہ پاگل کی بجائے ”مجذوب“ تھا۔ خود اس نے کوشش نہیں کی تھی کہ لوگ اسے مجذوب سمجھیں۔ بس یونہی سمجھا جانے لگا۔ قصہ دراصل یہ تھا کہ وہ بحالت دیواںگی چہرے؛ حفاظت تو طاری کر نہیں سکتا تھا۔ لہذا اتنی دن کے بڑھے ہوئے شیوں میں خاصی نورانی صورت تک آئی تھی۔ وہ سخت زدہ سی آنکھوں میں سرخ سرخ ذورے تھے۔

جدھر جاتا بھیڑ لگ جاتی۔ رحمان صاحب نے اخبارات میں اس کی تصاویر شائع کرائی تھیں لیکن ان تصاویر سے اندازہ کرنا مشکل تھا کہ وہ ”لپ تاپ نوجوان“ یعنی مجذوب ہو گا۔ اسی لیے

کپڑا نہ جاسکا۔ ورنہ رحمان صاحب نے اپنے محبوط الحواس بیٹھے کے فرار کی پلٹنی بہت زورو شور سے کرائی تھی اور یہ سب کچھ بھی عمران ہی کی ایماء پر ہوا تھا۔ ایک سو چھی سمجھی ایکم تھی۔

عمران خواہ کسی چکر میں رہا ہو لیکن اس ”عالمِ مجدوبیت“ میں اسے بڑے عبرت انگیز تجربات ہو رہے تھے اور ان تجربات کا نچوڑیہ تھا کہ دنیا کی پوری آبادی غالباً اولاد کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتی....“

عشق ہو گیا ہے.... دعا فرمائیے کہ کامیابی ہو۔ (شادی اور پھر اس کے بعد.... اولاد)

دعا فرمائیے کہ نوکری مل جائے۔ بال پچھے بھوکے مر رہے ہیں۔ (یعنی بال پچھے زندہ رہیں) براہ راست اولاد کی طلب....!

ایک عورت اولاد کے لیے گڑگڑاتی تھی۔

”میاں لکنا کما تاہے؟“ عمران نے پوچھا۔

”ایک سو پچیس روپے۔“ جواب ملا۔

”لکنا خرچ کر دیتی ہو....!“

”نہیں پورا پڑتا۔ میاں صاحب۔“ عورت گڑگڑاتی۔ ”دس پانچ ادھار ہی ہو جاتے ہیں۔“

”اولاد کے لیے کہاں سے لاوگی؟“

”ابی۔ وہ.... گذر کر لیں گے کسی طرح.... تنگی ترشی سے.... اللہ پورا کرے گا۔“

”ہوں!“ عمران نے آنکھیں نکالیں۔ ”اچھا جاؤ پہلے تنگی ترشی سے گذر کرنا یکھ اکھر اولاد بھی دوں گا۔ ڈکے کی چوٹ پر۔ بھاگو۔.... حق اللہ....!“

سر شام وہ ایک ٹیکے میں پڑ رہتا۔.... وہ تین دن تک توہاں کے قلندروں نے اس سے پوچھ گئے تھے کی..... لیکن آج کچھ رات گئے الجھتی پڑے.... ایسا معلوم ہوا تھا جیسے وہ اسے وہاں نکلنے ٹکانہ دینا چاہتے ہوں۔ کانے فضلو کی طرف سے تو پہلے بھی غیر مطمئن تھا۔ آج جب اس نے اس کی جب میں اعشاریہ دوپائچ کے آٹو یونک پستول کی جھلک دیکھی تھی تو اور زیادہ محتاط ہو گیا تھا۔ فضلو اور اس کے گرد نظر آئیں والی بھیڑ رویشوں کی ہی زندگی بس کر تھی۔ دن بھر یہ لوگ ہڑپے سویا کرتے.... لیکن سورج غروب ہوتے ہی ایسے چاق و چوبند نظر آتے جیسے ان کے لیے نور کا ترکا ہو۔

”خاموش....!“ اچانک فضلو دہاڑا۔
”استاد.... استاد۔“ کئی کانپتی ہوئی آوازیں پھر ابھریں۔ لیکن عمران کے قیچے تواب بھی جاری تھے۔
ایک فائزہ ہوا۔

”ارے.... ارے....!“ فضلو کے ساتھی مختار باش انداز میں چین۔ مگر عمران کا قیچہ... اس کی گونج تواب پہلے سے بھی زیادہ تیز تھی۔ پے در پے تم فائز اور ہوئے... لیکن گولیاں سانحورہ دیوار ہی میں بیوست ہوئیں۔ عمران سنگ آرٹ کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ فضلو کے ساتھی بوکھلائے ہوئے انداز میں فضلو ہی پر ٹوٹ پڑے۔ مقصد صرف یہ تھا کہ اس کے ہاتھ سے پستول چھین لیں۔ فضلو نے بھی اس کے خلاف جدوجہد نہ کی۔ بہ آسانی پستول اپنے ہاتھ سے نکل جانے دیا۔ اس کے چہرے پر بھی بوکھلاہٹ کے آثار تھے۔

عمران اسی طرح قیچے لگاتا ہوا دیوار سے جانکا۔ پھر ایسے انداز میں اکڑوں بیٹھ گیا جیسے فرش کھوڈالنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اب وہ خاموش تھا۔ فضلو اور اس کے ساتھی ایک ایک کر کے کھک گئے۔

عمران گھٹنوں میں سردی یہے بیٹھا رہا۔ دفتار یا نیں جانب والی کو ٹھری کا دروازہ چڑھایا اور دیوار سے لگے ہوئے کیروں میں یہ کی لوہگز کرنے لگی۔

عمران دروازے کی چڑھاہٹ پر چونکا نہیں تھا۔ گھٹنوں سے سراہا کر دیکھاںک نہیں۔ ایک گول مٹول سی چیز آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ کوئی آدمی گھٹنوں کے ملن چلتا ہوا اس کے قریب آ رہا تھا۔ وہ اس سے تقریباً چار فٹ کے فاصلے پر رکا اور دروازے انو بیٹھ گیا۔ یہ ہمگ دی گریت تھا....!

”سرکار....“ وہ کسی سانپ کی طرح بھکھ کردا۔

عمران نے سراہیا۔ آنکھیں انگارہ ہو رہی تھیں۔

”کیا ہے؟“ اس نے جھلانے ہوئے لبھ میں پوچھا۔

”شہرت سن کر حاضر ہوا ہوں... عالی جا!“

”ہاا۔ ایک عالی جا... دوسرے عالی جا سے مخاطب ہے۔ کیوں؟“ عمران کا الجھ دھیانہ تھا۔

سر شام ہی عمران پر انی خانقاہ کے ایک گوٹے میں پڑ رہا۔ اچھی طرح جانتا تھا کہ فضلو اور اس کے ساتھی اسے ہمہ کی نظر دیں سے دیکھتے ہیں اور یہ خانقاہ قلندروں سے زیادہ جرام پیشہ جگروں کا مسکن ہے۔ وہ چپ چاپ کان دبائے پڑا رہا اور پھر کچھ دیر بعد خراٹے بھی شروع کر دیے۔ غالباً یہ خراٹے ہی اس جھگڑے کے لیے بہانہ بن گئے تھے۔

کانے فضلو نے ایک ٹھوکر رسید کی اور دہاڑا۔ ”او.... ملکے دوسروں کو بھی سوتا ہے۔“ عمران ہر بڑا کراٹھ بیٹھا۔

”ابے سوتا ہے کہ سڑک کوٹے والا بخن چلاتا ہے۔“ فضلو کا ایک ساتھی بولا۔

”ہائیں....“ عمران نے آنکھیں نکالیں۔ ”بھاگو رونہ نہیں بھسم کر دوں گا۔“

”اچھا ہے....!“ فضلو نے ہاتھ گھماہی دیا! لیکن ... یہ کیا؟ ... اس کے ساتھی تھر کھڑے رہ گئے کیونکہ فضلو کا ہاتھ تو اس کے ساتھی ہی کے جبڑے پر پڑا تھا اور عمران اس سے صرف تین فٹ کے فاصلے پر نظر آیا۔

فضلو آگ ہو گیا... شاید اپنے ساتھیوں میں تیس مار خان کہلاتا تھا۔ اس پار اس نے عمران پر چھلاؤ گکا۔ لیکن پھر محاورہ نہیں بلکہ بچ مج منہ کی کھاتی یعنی منہ کے مل بیچ آیا اس کے بعد تو بھی جھپٹتے تھے۔ یلغار ہوئی چاروں طرف سے اور عمران کے ہاتھ تیزی سے چلنے لگے۔

وہ یہاں بے وجہ تو نہیں رہ پڑا تھا۔ اس وقت جو کچھ بھی ہو رہا تھا میں اس کی توقعات اور خواہش کے مطابق ہو رہا تھا۔ یک بیک اس نے فضلو کو ایک زور دار ہاتھ رسید کر دیا اور فضلو سنبھلنے کی انتہائی کوشش کے باوجود بھی برآمدے کے بیچے جا پڑا۔ ... پھر اٹھنے بھی نہیں بیٹھا تھا کہ یہکے بعد دیگرے تین ساتھی خود اسی پر آگرے۔ عمران کے ہاتھ غیر معمولی تیزی دکھار ہے تھے۔ دفعتاً فضلو حق چاڑ کر دہاڑا۔ ”ہٹو۔ تم لوگ ہٹو سامنے سے۔“

اس نے پستول نکال لیا تھا۔

”ارے ارے استاد!“ اس کے ساتھی نے غالباً احتیاج کیا۔

فضلو کی اکلوتی آنکھ سے گویا خون پیک رہا تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس نے اپنے ساتھی کی آواز نہیں نہ ہے۔ پیک جپکاٹے بغیر عمران کو گھورے جا رہا تھا۔ اس کے ساتھی بوکھلا کر اوہرہ بھت گئے۔ عمران وحشیانہ انداز میں قیچے لگا رہا تھا۔

”درویش کو محل تک پہنچانا ہے۔“

”گڑ کی جلیلیاں....!“ عمران کسی ندیدے بچے کی طرح منہ چلانے لگا۔ پھر تیزی سے اٹھتا ہوا بولا۔ ”چلو.... جلدی کرو۔ ورنہ اشوڈیو سے کال آجائے گی۔“
فضلوبو کھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن عمران اب اسے اسی طرح دیکھ رہا تھا جیسے وہ اس کے لیے جیسی ہو۔

”اور پیچھے ہٹو! کم بخنو۔“ بہمگ غریبا۔ ”جگنو... تعظیم دو... درویش کو... میں تم لوگوں کی حرکتیں دیکھ رہا تھا۔ ابے او فضلو... خدا نے چاہا تو تیری دوسری آنکھ بھی جاتی رہے گی۔“
”میں غلط سمجھا تھا سر کارا!“ فضلو ہاتھ جوڑ کر گزگرایا۔ ”درویش کے بھی پاؤں پڑتا ہوں۔“
وہ سچ چیز عمران کے قدموں پر آ رہا۔

0

روشی کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ لیکن اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ عمران تک پہنچ سکتی۔ سب کچھ اس کی آنکھوں کے سامنے ہوا تھا۔

عمران پر خاصی مارپڑی تھی اور اس نے بہتیرے آدمیوں کو کاتا بھینجوا تھا۔ ہمگ اور لیڈی ہمگ دور کھڑے قیقہے لگا رہے تھے۔ پھر ڈاکٹروں کی ایک فوج کرے میں داخل ہوئی تھی اور عمران کا طی معائنہ شروع ہوا تھا۔ طرح طرح کے آلے استعمال کئے گئے تھے۔

اس کے بعد اسے ڈاکٹروں کی رائے بھی معلوم ہو گئی تھی۔ یعنی عمران سو فیصد پا گل تھا۔

ہناوٹ کی گنجائش ہی نہیں تھی..... ہمگے حد مطہن نظر آنے لگا تھا۔

پھر اسی رات روشنی کو صدر بھی دیں نظر آیا لیڈی ہمگ کے اصرار پر اس نے اپنا میک اپ ختم کر دیا تھا۔ اسی میک اپ کے سلسلے میں روشنی نے ان دونوں کی گفتگو بھی سنی۔

”تم میک اپ میں کیوں رہتے ہو؟“ رانی نے بوجھا تھا۔

”میک اپ میں نہ ہوں تو آزیل ہمگ بھی دشواریوں میں پڑ جائیں کیونکہ میں کوئی نیک نام آدمی نہیں ہوں۔“

ہمگ حانتا ہے کہ تم اچھے آدمی نہیں ہو؟“

قطعی حانتے ہیں بورہائی نس!“

”مجھے خدمت کا موقع دیکھئے۔“

”بکواس بند کرو۔ میں پاگل ہوں مجذوب نہیں اس بستی کے لوگ مجھے اور زیادہ پاگل کیے دے رہے ہیں۔ عقل کے اندھو.... میں تمہیں اولادیں کہاں تک دوں آوث آف انساک ہو چکی ہیں۔“

”سرکار.... میں اولاد نہیں چاہتا۔ بلکہ یہ کہنے کو حاضر ہوا ہوں کہ اپنے باپ کا لیکچر منٹا رکھئے.... مجھے رحمان صاحب سے بے حد ہمدردی ہے۔“

”اوہ....!“ عمران نے ہونٹ سکوڑے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”یہ نام میرا اپنی چھوٹی تاریخ میں چھوڑتا تھا۔ تم لوگ آخر مجھے میرے حال پر کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔ میں اپنا والدین نہیں جاؤں گا۔“

”سرکار۔ مجھ سے نہیں چلے گی یہ الٹی سیدھی۔ میں آپ کو پیچاں چکا ہوں کئی دن سے حضور کی تصویریں اخبارات میں شائع ہو رہی ہیں۔“

”ہلا۔ بہت اچھے۔ میرا خیال ہے کہ عبدالبھائی پھوکٹ بھائی نے بلبل محبت کی پلٹنی شروع کر دی ہے۔ پکپڑہت جائے گی دیکھ لینا مردی جان۔ یوکس آفس ہے۔ ہلا۔۔۔ ذا ریکٹر نادان سے ملو۔ آما۔۔۔ ذرا سرد ہے تو کھڑے ہو جاؤ۔۔۔ تم شاید کبڑے ہو۔“

”میں کہا ہوں... اور تم انہے ہو کہ تمہیں اپنے گھر والوں کی پریشانی نہیں دکھائی دیتی۔“
”سنپارے!“ عمران اسے اس انداز میں گھوڑتا ہوا بولا جسے اس کی بات سنی نہ ہو۔ ”اگر

چنچلک آف نارتے دیم کا چوبہ اردو میں پیش کیا جائے تو تم اس کے لیے بہت مناسب رہو گے.....کماشل ہے؟“

”اححاحاں سے۔ میں اس رغور کر دوں گا.... اٹھو.... چلو میرے ساتھ۔“

کیاں چلوا!

”مگر اونہیں! اس استیل سے دور لے جاؤں گا جہاں سے تم نکل بھاگے ہو۔“

“گرد کی حلیما، ”عم الیز نر شفیع کی اسائیں ہیں۔

”سہت ملک کے اداشو بھی“

ر آہے کے نجی فضلوا اور اکر کے ساتھ پچھے نظر آئے۔ کہاے نے فضلوا کو آواز دی۔

”سر کار... حاضر ہو۔“ فضلو قرب آکر گردگردہا۔

”کماں مجھے معلوم ہو سکتا کہ میرا ہمگ کس قسم کا آدمی ہے۔ وہ آج تک میری سمجھ میر نہیں آسکا۔“ رانی کا لہجہ دردناک تھا۔

پھر دوسری روشنی نے دیکھا کہ ہمگ اپنے ہاتھوں سے عمران کا شیو بنا رہا ہے۔ اپنی ہی گمراہی میں اس نے اسے غسل بھی دلوای۔ پھر تین گھنٹے کے اندر ہی اندر محل کے درزیوں نے اس کے لیے لباس تیار کئے۔

ایک بار پھر عمران آدمیت کے جائے میں نظر آیا۔ لیکن ہوش کی باتیں کہاں؟ وہ پھر فلم ڈائریکٹر کے سے انداز میں گفتگو کر رہا تھا۔

رانی ساجد گرنے دو پھر کو روشنی کو اپنی خواب گاہ میں طلب کیا۔

”تم دار الحکومت ہی میں رہتی ہونا؟“

”یہ یورہائی نس۔“

”اثنیلی جب یوریو کے ڈائریکٹر جزل رحمان صاحب کو جانتی ہو؟“

”بھلائیں کیا جانوں گی اتنے بڑے آدمیوں کو۔“

”یہ پاگل انہیں کاڑا کا ہے۔“

”اچھا۔“ روشنی نے تحریر انداز میں آنکھیں پھاڑ دیں۔

”ہاں۔ لیکن ہمگ نے اچھا نہیں کیا۔ اسے خواہ مخواہ پڑوادا۔ ہم کہتے ہیں آخر اسے یہاں لانے کی ضرورت ہی کیا تھی؟“

روشنی کچھ نہ بولی۔ رانی نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”میا تم اسے اس کے گھر بک پہنچادو گی ہمگ خود ہی لے جانا چاہتا ہے۔۔۔ لیکن ہم اسے پسند نہیں کرتے۔“

”م۔۔۔ مگر۔۔۔ یورہائی نس۔۔۔ روشنی ہکلائی۔

”کیوں؟“

”محکے پاگلوں سے خوف معلوم ہوتا ہے۔ یورہائی نس۔“

”نہیں۔ وہ خطرناک آدمی نہیں معلوم ہوتا۔“

”آپ کا حکم رآنکھوں پر۔ لیکن۔ آپ مجھے زندہ نہ پائیں گی۔“ روشنی کی آواز خوف سے کاٹ پڑی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ہارث فیل ہی تو ہو جائے گا۔

پھر باتیں ہی گئی تھی کیونکہ رانی کو کسی ضرورت کی بنا پر خواب گاہ سے باہر نکلنا پڑا تھا۔ پھر شام کو ہمگ اور لیڈی ہمگ کی گفتگو سننے کا اتفاق ہوا۔ وہ ایک الماری کے پیچے چھپ گئی تھی ورنہ تخلیہ میں کسی کا گذر کہاں؟

ہمگ کہہ رہا تھا۔ ”یہ برا خطرناک آدمی ہے۔ اب مجھے اس کی پوری ہستی معلوم ہوئی ہے اس نے بہت بڑے بڑے کارناتے اسے انجام دیتے ہیں۔ لیکن اس کے متعلق پہلے ہی سے لوگوں کا خیال تھا کہ ایک نہ ایک دن پاگل ضرور ہو جائے گا۔ صحت مندی کے زمانے میں بھی کریک ہی سمجھا جاتا تھا۔“

”مگر تم خود اسے وہاں لے جانے پر کیوں مصروف ہو۔ میں اسے پسند نہیں کرتی ڈار انگ کے تم لوگوں کی خوشیدہ میں کرتے پھر و.... تم ساجد گر کے راجح ہو ذیرست!“

”میں ڈائریکٹر جزل پر احسان جتنا چاہتا ہوں کیونکہ ایک بار اس نے میرے ساتھ بہت برا بر تاذ کیا تھا۔“

”دفتار کرے میں گھنٹی کی آواز گوئی۔ غالباً فون ہی کی گھنٹی تھی۔ روشنی نے ہمگ کی آواز سنی۔“

”بیٹو... کون.... اوہ.... کیا کہا!.... کیا بات ہے.... اچھا تھہر و.... ان سے کو کہ انتفار کریں۔“

پھر شاید اس نے رانی سے کہا تھا۔ ”ڈار انگ.... وہ خود ہی یہاں آپنچا۔ شاید اسے اب علم ہوا ہے کہ میں تمہارا شہر ہوں.... وہا.... وہا....!“

”کون؟“

”ڈی جی رحمان!“

”ارے وہ یہاں کیسے پہنچا؟“

”تم سے ملتا چاہتا ہے.... ملاقات کے کمرے میں منتظر ہے۔“

”اوہ وہ مجھ سے کیا پوچھے گا۔ میں کہتی ہوں تم نے بہت برا کیا۔ آخر اس پاگل کو یہاں کیوں لائے تھے؟“

”پاگل کی بات نہ ہو گی ڈار انگ۔“ کبڑے نے کہا۔ ”وہ دوسرا قسم تھا۔ تم جانتی ہو نا کہ میں اخلاقی قلب کا مریض ہوں۔ جب مجھ پر اس منحوس مرض کے دورے پڑتے ہیں تو میں تنہائی

تلائش کرنے لگتا ہوں۔ شہر میں کئی چھوٹے چھوٹے مکانات کرائے پر لے رکھے ہیں۔ وہیں اختلاج کے ایام تھا گذارتا ہوں ایک رات ایک آدمی میرے مکان میں زبردستی گھس آیا۔ بڑا خوفناک آدمی تھا۔ صورت دیکھو تو دہل جاؤ۔ اس کا چہرہ دو حصوں میں تقسیم نظر آتا ہے اس نے مجھے ایک ستون سے باندھ دیا پھر دو سفید فام غیر ملکی نظر آئے۔ انہوں نے کسی قسم کی ایک مشین نکالی اور اس پر کچھ بکواس کرتے رہے۔ میرا خیال ہے کہ وہ ٹرانسپریٹ ٹھاڈہ اسی طرح متواتر کئی راتیں وہاں آئے.... پھر ایک دن دیکھتا کیا ہوں کہ مسٹر رحمان بھی بندھے چلے آرہے ہیں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ ایسا کیوں ہوا تھا۔ ان لوگوں نے مسٹر رحمان کی خاصی مرمت کی تھی اور مجھے بھی مارا پہنچا تھا۔ میری تو وہ درگت بنی تھی کہ کیا تباوں۔ بیویش ہو گیا تھا۔ دوبارہ آنکھ کھلی تو چھت سے الٹا لکھا ہوا تھا اور مسٹر رحمان کے آدمی مجھ پر کوڑے برسارے تھے۔

”بس کرو۔ بس کرو....“ رانی ہانپتی ہوئی بولی۔ غصے سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

”پھر مجھے معلوم ہوا کہ مجھے پریشان کرنے والے غیر ملکی جاہسوں تھے۔ اور مجھ پر بھی شہر کیا جا رہا ہے کہ میں بھی ان ہی میں سے ہوں۔ ایسی پٹائی ہوئی تھی میری۔“

”خاموش رہو!“ رانی چھینگی۔ ”یہ رحمان یہاں سے زندہ نہیں جا سکتا۔“

”ہرگز نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ کبھی نہیں....“

”تم بزدل ہو!“

”پروادہ نہیں۔ میری سات پتوں میں کبھی کوئی شیر دل نہیں پیدا ہوا۔ رحمان کو اترنے کرو.... نہ صرف اترنے کرو.... بلکہ اس کے لڑکے کو بھی نہیں اس کے حوالے کر دو۔ البتہ اگر وہ میرے متعلق کوئی اللی سید ہی گفتگو کرے تو ضرور گرم ہو جاتا... مگر اس حد تک بھی نہیں کہ وہ اپنی توہین محسوس کرے۔“

”میں تو تھیڑ مار دوں گی۔“

”نہیں میری جان! یہ انگریزوں کا زمانہ نہیں! تمہیں قوی حکومت کے ایک معقول کا نشیل سے بھی دینا پڑے گا۔“

”تم بھی چلو میرے ساتھ....“

”احمق نہ ہوڑا لگ! مجھے دیکھ کر وہ چپ سادھ لے گا۔ میری عدم موجودگی ہی میں کھلے گا۔“

اور تم اندازہ کر سکو گی کہ وہ میرے پارے میں کیسے خیالات رکھتا ہے۔ سمجھیں؟“
”چھی بات ہے.... میں جاری ہوں!“

O

رحمان صاحب اپنے دو مسلسل باڑی گارڈز سمیت رانی ساجد گر کے مہمان خانے میں رانی کی نہ کے منتظر تھے۔

وھٹا ایک بارو دی داروغہ نے دروازے میں کھڑے ہو کر ہاک لگائی۔ ”ہوشیار! رانی صاحبہ گل بر سے روانہ ہو چکی ہیں۔“

رحمان صاحب کے باڑی گارڈ نے برا سامنہ بنا لیا.... اور پھر کچھ دیر بعد لیڈی ہمگ نے ”زور اجلال“ فرمایا۔ رحمان صاحب کے باڑی گارڈ نے فوئی انداز میں سلامی دی اور رحمان صاحب صوفے سے اٹھ گئے۔

”ترحیف رکھئے!“ بے حد نرم لمحے میں کہا گیا۔ ”کیا آپ کو صاحبزادے کی بازیابی کی اطلاع مل چکی ہے؟“

”میں نہیں سمجھا ایور ہائی نس!“

”اہ تو پھر آپ کیوں تشریف لائے ہیں؟“

”بس یونہی ملاقات کو کبھی چاہا تھا۔ گرلز کے متعلق آپ نے کیا فرمایا تھا؟“

”آپ کے صاحبزادے ہمارے پاس ہیں۔“ رانی مسکرائی۔ ”ہم نے اخبارات میں تصویر دیکھی تھی اور ہمیں بے حد قلت ہوا تھا۔ ایسا جو ان اور یوں بر باد ہو جائے۔ ہمیں آپ سے پوری پوری ہمدردی ہے۔“

”میں شکر گزار ہوں یور ہائی نس۔“

”صاحبزادے بھی آئی رہے ہوں گے۔ آپ کی آمد کی اطلاع ملئے ہی ہم نے حکم جاری کیا تھا کہ صاحبزادے کو مہمان خانے میں پہنچایا جائے۔“

”کس زبان سے شکر یہ ادا کروں.... یور ہائی نس!“

”وسرے ہی لمحے میں عمران کرے میں داخل ہوا.... لیکن رحمان صاحب پر نظر پڑتے ہی پیاری.... دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا اور دیوار سے لک کر کاپنے لگا۔“

رمان برقرار نہیں رہا۔ کیوں کیا برائی ہے اس میں اگر یہ کچھ عرصہ ہمارے ساتھ قیام کرے۔
”زورہ نوازی ہے یورہائی نس... بھلا مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔“
”شکر یہ....!“ رانی مسکرائی۔

”اجازت ہو تواب میں اصل معاملے کی طرف آؤں؟“
”ضرور.... ضرور.... ہم دیرے سے منتظر ہیں۔“

رحمان صاحب نے جیب سے کہڑے کی تصوری نکالی اور بولے۔ ”کیا یورہائی نس اس آدمی کو پہنچیں؟“

”کیوں؟“ رانی نے متبرہانہ انداز میں پلکیں جھپکائیں۔ ”کیوں نہیں! یہ میرے شوہر ہیں!“
”خدا کی پناہ۔“ رحمان صاحب مضطربانہ انداز میں ہاتھ لٹکنے لگے۔

”آخر بات کیا ہے....؟“

”میں نہیں سمجھ سکتا کہ آخر وہ اس قسم کی زندگی کیوں بسر کر رہے ہیں۔“

”آپ کیا کہہ رہے ہیں؟“

”دارالحکومت میں یہ حضرت ہمگد دی گریٹ کے نام سے مشہور ہیں.... سڑکوں پر بچے ان کے پیچے تالیاں بجائے پھرتے ہیں۔“

”تو کیا یہ جرم ہے مسٹر رحمان....؟“

”نہیں۔ جرم تو نہیں!“ رحمان صاحب اسے ٹوٹنے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے۔

”لیکن یہ تو سوچنے یورہائی نس کیا یہ آپ کے شوہر کے شایان شان ہے؟“

”اب ان کی افتاد طبع کو کیا کہا جائے۔“

”پھر ایک موقع پر وہ چند غیر ملکی جاؤسوں کے ساتھ پڑے گے تھے۔ بعض آفیسروں نے انہیں پچھا لیکن مجھے یقین نہ آسکا کہ ان حضرت کا آپ سے بھی کسی قسم کا تعلق ہو گا۔“
”ہم آپ کے بے حد مذکور ہوں گے۔ ذی۔ جی صاحب اگر آپ ان کے خلاف کسی قسم کا ٹوٹ مہیا کر سکیں۔“

”ویکھنے یورہائی نس! میں اس لیے نہیں آیا کہ آپ کو دھمکیوں سے مروع کرنے کی کو غش اول۔ مقصد صرف یہ ہے کہ آپ انہیں قابو میں رکھنے ورنہ آپ کی اسیث بدنام ہو جائے گی۔“

رحمان صاحب سر جھکا کے خاموش بیٹھے تھے رانی اٹھ کر عمران کی طرف بڑھی اور زرم لے میں اس سے پوچھنے لگی کہ وہ اتنا خائف کیوں ہے۔

”س سر کار... بچا لیجھے! خدا کے لیے مجھے اس ظالم ڈاکٹر سے بچا لیجھے۔ میں اب اس کے اپتال میں واپس نہیں جانا چاہتا۔ مجھ پر رحم کیجھے۔ تینیں روک لیجھے ورنہ مجھے خود کشی کرنی پڑے گی۔“

”اچھا تم خاموشی سے بیٹھے جاؤ!“ رانی نے اس کا شانہ تھکتے ہوئے کہا۔
”عمران بیٹھ تو گیا لیکن وہاب بھی دونوں ہاتھوں سے منہ چھپائے ہوئے تھا۔

”یہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے.... یورہائی نس....“ رحمان صاحب نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”گھر کو اپتال سمجھتا ہے اور مجھے ڈاکٹر!“

”پھر وہی فریب کی باقی۔“ عمران دونوں ہاتھ جھٹک کر چینا۔ ”میں ایسے اپتال میں نہیں رہنا چاہتا جہاں مجھ پر بار بڑتی ہو۔ میرے پیروں میں زنجیر ڈال دی جاتی ہو۔“

رحمان صاحب اس کی طرف دھیان دیئے بغیر رانی سے بولے۔ ”میں دنیا کا بد نصیب تین آدمی ہوں۔ اسے فی الحال یہاں سے ہٹواد بیجھے۔ یورہائی نس!“

رحمان صاحب کے حکم پر دو بارہ دی طازم عمران کو دہاں سے لے گئے۔ رانی اب بھی سوالہ انداز میں رحمان صاحب کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔

”ہوش مندی کے زمانے میں یہ میرے لیے اور زیادہ تکلیف دہ تھا۔ گھر میں کبھی اس کے قدم نہیں ہیج۔ کبھی کوئی ڈھنگ کا کام نہیں کیا۔ بعض پولیس آفیسر اپنے مفاد کے لیے اسے بھی مجھ سے دور رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ بلا کاطباع اور ذہین تھا بہت بڑے بڑے کیس میں اس نے دارالحکومت کی پولیس کا ہاتھ بٹایا تھا۔ نہ جانتے کہتے اسی کی بدولت کہیں کے کہیں پیچنے گئے۔“

پہلی بار جب میں نے اس کے پاگل ہو جانے کی خبر سنی تو یہی سمجھا کہ اس نے کسی قسم کا کمر بھالا ہے.... لیکن پھر جب بہت بڑے بڑے ڈاکٹروں نے اس کے مرض کی تصدیق کر دی تو میں اسے گھر لے گیا تھا۔ قصہ دراصل بھی ہے کہ اس کے سر پر گھری چوت آئی تھی اور یہ بے ہوش ہو گیا تھا۔ لیکن ہوش میں آنے پر اس نے ہوش مندی کی باقی نہیں کی تھیں۔“

”ہمارے ڈاکٹروں کی بھی یہی رائے ہے کہ شدید ترین اعصابی اختلال کی وجہ سے ڈھنی

وفتا ہمگ نے ہاتھ روک کر باورچی خانہ کے داروغہ سے کہا۔ ”کریم کی ماں!“
”جی سر کار....“ داروغہ بوکھلا گیا اور انی مسکرائی۔
”کریم کی ماں!“ ہمگ زور سے میز پر ہاتھ مار کر دھڑا کھانے سے پہلے اس نے ڈھروں
،ہسکی چڑھائی تھی۔ لہذا داروغہ کیوں نہ بوکھلاتا اکثر نشے کی حالت میں ملاز مون کی پناہی بھی کر دیتا
تھا۔

”کریم دے ماں سا کی بوٹل لاو۔“ رانی نے اس سے کہا۔ ”گراہم سے کھو وہ پہنچادے گا۔“
داروغہ تیزی سے رخصت ہو گیا۔ اور اس کی واپسی تک ہمگ بر گذی دامن پیتا رہ۔ کچھ دیر
بعد داروغہ نے سبز رنگ کی شراب پیش کی۔

”آؤ ماں.... آؤ!“ ہمگ گلاں پر دونوں ہاتھ نچاتا ہوا بڑا لایا۔ ”تم مجھے تجیر معدہ سے بچائی
ہو۔ اس لیے میں تمہارا بہت احترام کرتا ہوں۔“
کچھ دیر بعد عمران نے بھی باورچی خانہ کے داروغہ کو لکارا۔

”جی سر کار....!“

”جلیل کے ابا!“

”مم۔ میں۔ سس سر کار....!“ داروغہ ہکلایا۔

”سمجھائیے سر کار....!“ عمران نے رانی سے کہا۔

”میں.... میں کیا سمجھاؤ۔“ رانی پس پڑی۔ ”جلیل کے ابا۔ وہ کیا بات ہوئی ہے....“
”میں مسلمان ہوں!“ عمران نے ٹھنڈی سائنس لی۔ ”کریم کی ماں میرے لیے نامرم ہیں۔
لیکن جلیل کے ابا ضرور چلیں گے۔“

”وضاحت فرمائیے سر کار۔“ داروغہ بھی مسکرا یا۔

”چورن اتار دانہ....!“ عمران نے گردن اکڑا کر کہا۔

زور دار تھیہ پڑا....!

”بھلاسے پاگل کون کہے گا۔ یورہائی نس!“ صدر نے رانی کی طرف جھک کر آہستہ سے کہا۔

”وہ صرف یادداشت کھو بیٹھا ہے۔ پاگل نہیں!“ رانی نے بر اسماہہ بنایا۔

پودینہ کی شراب فرائس میں عموماً کھانے کے بعد ہاضم درست رکھنے کے لئے استعمال ہوتی ہے۔

”شکریہ مسٹر رحمان! لیکن آپ مجھے مزید تشویش میں جتنا کر رہے ہیں۔ کیا آپ ثابت
کر سکیں گے کہ ان کا تعلق غیر ملکی جاسوسوں سے ہے؟“

”جی نہیں! قطعی نہیں! میرے فرشتے بھی نہ ثابت کر سکیں گے۔“

”پھر آپ نے اس کا حوالہ دیا ہی کیوں...؟“

”لیکن آپ کو حقیقت سے آگاہ نہ کرتا!“

”ہمیں بے حد صدمہ پہنچا ہے مسٹر رحمان! ہم سن چکے ہیں کہ آپ لوگ کس بری طرح
پیش آئے تھے۔“

”ماش مجھے پہلے سے علم ہوتا کہ وہ حضرت کون ہیں۔“

”اچھا تواب نہیں۔ ہم انہیں ان کی صروفیات سے باز نہیں رکھ سکتے۔ لیکن یہ ضرور کہیں
گے کہ وہ صرف کسی قسم کا خطبہ ہے۔ وہ دوسروں کو اچانک تحریر کر دینے کے شائق ہیں۔“

”یہی بات ہو گی یورہائی نس! ایکلیف دہی کی معافی چاہتا ہوں اب اجازت دیجئے۔“

”یہ ناممکن ہے مسٹر رحمان۔ دوچار دن تو ہمیں میزبانی کا موقع دیجئے۔“

”زرہ نوازی کا شکریہ یورہائی نس! پھر بھی یہ سعادت حاصل کروں گا۔ آج کل ایک دن کے
لیے بھی آفس چھوڑنا محال ہے....!“

”خیر آپ کی مرضی! صاحبزادے تو کچھ دن ہمارے ساتھ رہیں گے۔“

”عزت افزائی کا شکریہ....!“

O

ہمگ دی گریٹ پہلی بار کھانے کی میز پر دیکھا گیا درستہ وہ کھانا ہیشہ تھا ہی کھانا تھا.... اپنی
خواب گاہ میں یا پھر بھی بھی رانی بھی اس کے ساتھ ہوتی تھی۔ لیکن سرو کرنے کے لئے کوئی
ملازم بھی نہ ہوتا۔ رانی معمولی عورتوں کی طرح اس کی میز پر کھانا لگاتی۔

لیکن آج وہ محل سرا کے ڈائینگ ہل میں کھانا کھا رہے تھے۔ ملاز مون نے پہلی بار کہبے
کو کھانا کھاتے دیکھا تھا۔ عمران بھی میز پر موجود تھا رانی بڑے مخصوصہ انداز میں اسے ڈشز پیش
کر رہی تھی۔ میز پر صدر بھی تھا۔ لیکن روشنی کو اتنی زیادہ لافت نہیں مل سکی تھی کہ وہ بھی ان کے
ساتھ نظر آتی۔

ہاتھوں ہی کی مر ہوں منت رہی ہوں... ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے دراز میں منی بھر کر جہاڑیاں ہوئی گئی ہوں ورنہ اس پتھر لیلے نیلے پر بزرے کا گذر کہاں...!

مگر کبڑے کو ان جہاڑیوں سے نیک اسر و کار... اس نے قٹیلے کے دامن ہی میں راستہ بنایا تھا۔ یہاں پہنچ کر وہ گاڑی سے اتر تھا اور ابھری ہوئی چنان کے قریب رک کر غالباً پھر کسی میکنزیم ہی کو جھیڑتھا اور چنان آواز پیدا کیے بغیر اپنی جگہ سے کھک کئی تھی۔

لیکن پھر جیسے ہی گاڑی اس خلاء میں داخل ہوئی تھی چنان پھر اصلی حالت پر نظر آنے لگی تھی۔ گاڑی سرگن ہی میں چھوڑ دی گئی... اور ہمگی یچھے اکر پیدل چلتے رہا۔ اس کے دابنے ہاتھ میں روپ اور تھا اور بائیں ہاتھ میں نارچ۔ نیلے والی سرگن سے گذر کر وہ کھلے میں آگیا...!

O

عمران کے فرشتوں کو بھی علم نہ ہو سکا کہ اسے کب کلور و فارم کے زیر اشلا یا گیا اور کب خواب گاہ سے رواگی ہوئی۔ چار آدمی اسے اٹھائے ہوئے محل سرا سے باہر آئے تھے۔ غالباً ان اطراف کے پھرداروں کو بھی خواب آور اشیاء دی گئی تھیں بدھر سے انہیں گذرا تھا۔ بہر حال عمران کو محل سرا سے نکال لانے میں کوئی دشواری پیش نہ آئی۔

پھر عمران کو ایک ایسے کمرے میں ہوش آیا تھا جس کی دیواریں منی کی تھیں۔

”ہے اب تیرا اسپتال!“ وہ دروناک لمحے میں بربادیا۔ آس پاس کوئی بھی نہ دکھائی دیا۔ سامنے ہی ایک طالپتے میں چھوٹا سا کیرہ سین لیپ روشن تھا۔ لیکن اتنے بڑے کمرے کے لیے اس کی روشنی ناقابل تھی۔

”ارے کوئی ہے؟“ اس نے پھر ہاک کیا۔

”تم کہاں سے بول رہے ہو؟“ آواز آئی تو... مگر بہت دور کی معلوم ہوتی تھی۔

”کافی ہاؤز سے!“ عمران نے چھ کر جواب دیا۔

”میں پھر کہتا ہوں مجھے رہا کر دو! ورنہ پچھتاوے گے!“ آواز دور ہی کی سکی لیکن لفظ بے لفظ عمران کی سمجھ میں آ رہا تھا۔ وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ کچھ قوت بھی صرف کی لیکن کام نہ بنا دروازہ کافی مضبوط تھا...!

کچھ دیر بعد ہمگی بالکل ہی ڈاؤن ہو گیا۔ داروغہ سنبھال نہ لیتا تو کرسی کے یچھے ہی نظر آتا... آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں ہونٹ بل رہے تھے لیکن آواز ندارد...!

چار نوکروں نے اسے اٹھا کر خواب گاہ تک پہنچایا۔ رانی ساتھ آئی تھی۔ بستر پر لانا کر اس کا لباس تبدیل کرایا... اور بالکل اسی انداز میں اس پر چادر ڈال کر تین چار ٹھکپیاں دیں جیسے کوئی اتنا تیار ہوئی مال اپنے شریر یچھے کو سلانے میں بالآخر کامیاب ہو گئی ہو۔

پھر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کرے سے باہر آئی اور دروازہ بند کر دیا۔

ہمگی کا جسم تقریباً اس منت نکل بے حس و حرکت رہا۔ پھر وہ اس طرح اٹھ بیٹھا جیسے یونہی ٹھنڈ کے طور پر آنکھیں بند کیے پڑا رہا ہو۔ نہ تو آنکھوں میں نشے کے آثار تھے اور نہ چہرے سے تھکن ظاہر ہو رہی تھی۔

اٹھ کر کرہ اندر سے مقفل کیا اور پھر تیزی سے لباس تبدیل کرنے لگا۔ میز کی دراز سے ایک ریو الور نکال کر جیب میں ڈالا... پھر بائیں جانب والی دیوار کے قریب آکھڑا ہوا... یک یہکی سی آواز ہوئی اور فرش میں تین یا چار مردیں فٹ کی خلاء نظر آئے گی۔

اس نے خلاء میں قدم رکھا اور تمہے خانے کے زینے طے کر تا چلا گیا۔ آہستہ آہستہ فرش کی خلاء بھی پر ہوتی جا رہی تھی۔ یہ ایک زمین دوز موڑ گیراج تھا۔ ایک چھوٹی سی سیاہ رنگ کی کار میں بیٹھ کر اس نے قریبی ستون پر کسی قسم کے میکنزیم کو حرکت دی۔ ہلکی سی گھر گھراہٹ کے ساتھ سامنے والی دیوار دھصوں میں تعمیم ہو کر دونوں اطراف میں ٹکستی چل گئی۔ اب سامنے اتنا کشادہ راستہ موجود تھا جس سے گاڑی بآسانی گذر سکتی تھی۔

کچھ دیر بعد گاڑی ساجد گفر کے اس دیرانے میں نظر آئی۔ جہاں سے دن کو گذرتے ہوئے بھی ہوں آتا تھا۔ بڑا گھنٹا جنگل تھا۔ لیکن کبڑے نے تو بہر حال اپنے لیے راستہ بنایا تھا۔

یہ راستہ دار محل ایک پتھر لیلے نیلے سے گذرتا تھا ورنہ اس کے علاوہ اور کہیں سے بھی اس جنگل میں داخلہ ممکن ہی نہیں تھا۔ میلوں تک کرو ندے کی کانٹے دار جہاڑیاں تھیں اسی لیے یہ کروندوں کا جنگل کہا تا تھا۔

میلانا تاوانچا بھی نہیں تھا کہ اسے ناقابل گذر کہا جا سکتا۔ اکثر جنپی شکاری نیلے پر پہنچنے تو جانے تھے لیکن اوپر پھر وہی کانٹے دار جہاڑیوں کی مصیبت۔ یہ اور بات ہے کہ اوپر کی جہاڑیاں انہیں

اکی عمارت میں ہمگ دی گریٹ ایک مشین پر جھکا ہوا پے دونوں آوازیں کن رہا تھا۔ عمران کی آواز۔ ”تمہاری آواز بڑی رسیلی ہے! تم میوزک ڈائریکٹر تو نہیں ہو؟“ ”اوہ خدا کے بندے اپنی شکل تو کھاؤ۔ میں نے کسی دن سے کسی آدمی کی شکل نہیں دیکھی۔“ دوسری آواز۔

اور پھر وہ دونوں آوازیں گھننے لگیں۔ مشین سے گھٹ گھٹ رہت بلند ہو رہی تھی اور ہمگ کی پیشانی پر سلوٹیں ابھرتی آ رہی تھیں۔ بالکل ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے اب وہ خود بھی پاگلوں کی طرح چینخا شروع کر دے گا۔ مشین کو اسی حال میں چھوڑ کر وہ کمرے سے باہر نکلا۔

کچھ عجیب سی عمارت تھی..... ہر کمرہ کسی بہت بڑے گنبد کا اندر ورنی حصہ معلوم ہوتا تھا۔ لیکن یہ گنبد بڑے عجیب تھے یعنی کچھ مٹی سے بنائے گئے تھے۔

کہڑا ایک کمرے میں داخل ہوا جہاں ایک توی یہکل آدمی بڑی پھرتی اور مستعدی سے کسی قسم کی مشینوں کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ کہڑے کو دیکھ کر وہ خود بھی کسی مشین ہی کی طرح رک گیا۔ ”یہ کیا گزر بڑا پھیلار کھی ہے تم نے؟“ کہڑاہڑا۔

توی یہکل آدمی بے حس و حرکت کھڑا رہا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اس کی روح قبض کر لی گئی ہو۔

”بُولتا کیوں نہیں؟“ کہڑا پیر ٹھکر بولا۔

”میں بہاں کسی عورت کے بغیر نہیں رہ سکتا۔“ اس نے بھرا ہوئی آواز میں کہا۔

”عورت کے بچے..... تو آوازوں میں کیوں گز بڑا کر رہا تھا۔“

”یہ میرا احتجاج تھا۔“ توی یہکل آدمی نہیں کہا۔

دفعہ عمران کی نظر بائیں جانب والے گول سوراخ پر پڑی جس کا قطر چھ انچ ضرور رہا ہو گا۔ اونچائی فرش سے تقریباً سات فٹ تھی۔ سوراخ کے عقب میں ایک دھنڈا سا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ ”عمران۔ عمران!“ سوراخ سے آواز آئی۔

”غلط سمجھے۔ پڑو یوسر ڈائریکٹر ناداں۔“ عمران نے ہاک کھائی۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی ایک آدمی کا شبہ مجھ پر کیوں ہوتا ہے۔ سب مجھے عمران ہی کہہ کر پکارتے ہیں۔ نام برا تو نہیں..... لیکن یہ نام سن کرنے جانے کیوں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی پوپلا آدمی لگڑیاں چاٹتے کی کوشش کر رہا ہو۔“

”کیوں؟ اب کیا خیال ہے۔“ ہمگ نے تلخی نہیں کے ساتھ پوچھا۔

”مم..... میں تمہیں مار ڈالوں گا۔“ توی یہکل آدمی نے جملہ کراٹھنے کی کوشش کی لیکن ہمگ تی ٹھوک رہا کہ اس کی پیشانی پر پڑی۔ وہ پھر ڈھیر ہو گیا۔

اب وہ فرش پر چلت پڑا ہے بھی سے با تھے پیر چینیک رہا تھا۔ پھر ذرا ہی سی دیر میں بے حس و حرکت ہو گیا۔ غالباً بے ہوش ہو گیا تھا۔ کہڑے نے دیوار سے لگے ہوئے سوچ بورڈ کے ایک پیش سوچ پر انگلی رکھ دی۔ تھوڑی سی دیر بعد دراز کھلا اور ایک سہا ہوا سا آدمی اندر داخل ہوا۔ ”اسے دیکھو....“ ہمگ نے بے ہوش آدمی کی طرف اشارہ کیا۔

”صحی ہاں..... دو..... دیکھتا ہوں جناب۔“ وہ ہکلایا۔

”یہ عورت کے بغیر بہاں نہیں رہ سکتا تھا۔ اب کہو تو اسے دو بازہ جنم لینے پر مجبور کر دوں۔“ آنے والا ہو نہیں پر زبان پھیر کر وہ گیا کچھ بولا نہیں۔ اس کا سینہ لوہا کی دھونکی کی طرح چل رہا تھا۔

”اب تم کنڑوں کرو گے..... ان مشینوں کو سمجھے....!“

”بب۔ بہت بہتر جناب....!“

”اے سے بہاں سے اٹھا لے جاؤ.... اصلاح نانے میں رکھو۔ اب یہ کبھی مشینوں کے قریب نہ آنے پاے۔“

”بہت بہتر جناب!“

”دیکھو!“ ہمگ نے مشینوں کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”میں چودہ اور پندرہ نمبروں کی آوازیں سننا چاہتا ہوں۔“

اور پھر وہ اس کمرے سے نکل آیا....!

O

دفعہ عمران کی نظر بائیں جانب والے گول سوراخ پر پڑی جس کا قطر چھ انچ ضرور رہا ہو گا۔ اونچائی فرش سے تقریباً سات فٹ تھی۔ سوراخ کے عقب میں ایک دھنڈا سا چہرہ نظر آ رہا تھا۔

”عمران۔ عمران!“ سوراخ سے آواز آئی۔

”غلط سمجھے۔ پڑو یوسر ڈائریکٹر ناداں۔“ عمران نے ہاک کھائی۔ لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کسی ایک آدمی کا شبہ مجھ پر کیوں ہوتا ہے۔ سب مجھے عمران ہی کہہ کر پکارتے ہیں۔ نام برا تو نہیں..... لیکن یہ نام سن کرنے جانے کیوں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی پوپلا آدمی لگڑیاں چاٹتے کی کوشش کر رہا ہو۔“

آتا کہ کسی ایک آدمی کا شبہ مجھ پر کیوں ہوتا ہے۔ سب مجھے عمران ہی کہہ کر پکارتے ہیں۔ نام برا تو نہیں..... لیکن یہ نام سن کرنے جانے کیوں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کوئی پوپلا آدمی لگڑیاں چاٹتے کی کوشش کر رہا ہو۔“

”اوه بیٹے... بیٹے!“ سوراخ سے آواز آئی۔ ”تم ابھی تک صحیح الدماغ نہیں ہو سکے۔ مگر پھر یہاں نظر آ رہے ہو۔ تمہیں یہاں کون لایا ہے؟“
 ”محظی یاد نہیں۔“ عمران نے لاپرواں سے شانوں کو جنس دی۔
 ”اچھا تو پھر.... بتاؤ۔ میں تم تک کیسے پہنچوں۔“ سوراخ سے آواز آئی۔
 ”میں نہیں جانتا تم کون ہو۔“ عمران نے جرأت سے کہا۔
 ”پہنچاں بیٹے۔ میں داور ہوں۔ ذاکر داور۔ شی کا ذیلی۔“
 ”خدا کی نیا۔ یہ لوگ خواہ خواہ بے تکلف ہونے کی کوشش کیوں کرتے ہیں۔ میں کیا جانوں
 تم کس شی کی بات کر رہے ہو۔“
 ”یادا ہم سب پر حرم کر... اچھا سنو! وہ دیکھو! تمہارے پیچے لوہے کی ایک سلاخ پڑی ہوئی
 ہے۔ اخاکر مجھے دے دو۔ میں اس سوراخ کو بڑھاؤں گا۔ شاید اسی طرح تم تک پہنچ سکوں۔ یہ
 دیواریں مٹی کی ہیں۔“

عمران نے لوہے کی سلاخ اخاکر سوراخ کی جانب بڑھا دی۔ ایک ہاتھ نکلا اور سلاخ کو کھینچتا
 ہوا پھر سوراخ میں غائب ہو گیا۔

O

کبڑا مشین پر چکا ہوا دونوں کی آوازیں سن رہا تھا اور اس کے ہوتوں پر خفیف سی مسلکاہت
 تھی۔ کچھ دری بعد ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے کسی ٹھوس چیز پر ضرب میں لگائی جا رہی ہوں۔
 اس نے قریب رکھے ہوئے فون کار سیور اٹھایا اور ایک بُٹن دبا کر ماٹھ پیس میں کھل۔ ”یہلو۔
 سکٹی سکس۔ سکٹی سکس۔ میں ہوں تمہارا باپ سور کے پیچے سوتے رہتے ہو! دیکھو اب وہ کہاں
 ہے۔ ہاں ہاں.... نہیں دکھائی دیتا۔ لیکن اس وقت اسے دکھائی دینا چاہئے۔ ہوشیار رہو!“
 ریسیور رکھ کر وہ پھر مشین کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ضربات کی آوازیں اب بھی آرہی
 تھیں۔ ساتھ ہی کوئی ہانپتا ہوا کہہ رہا تھا۔ ”پتے نہیں۔ یہ مردود کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں ہمیں
 یہاں کیوں لا پھینکا ہے.... عمران کا شتم ہوش مند ہوتے۔ میرے پیچے مجھے وہ دن آن بھی یاد
 آتے ہیں جب تم نے مجھے زبرد لینڈ والوں سے بچایا تھا۔“

”اوڑے میاں خدا کے لیے معاف رکھو!“ یہ عمران کی آواز تھی۔ ”میں بہت پریشان ہوں۔“

اس وقت ڈائیلگ سننے کے مدد میں نہیں۔ جو میں گھنٹے پر دیکھ رکھ رکھنے کیسے نہیں بن رہتا۔“

”تم یہاں آنے سے پہلے کہاں تھے؟“ ذاکر داور کی آواز۔

”دوسرے اپتال.... ارے واہ.... وہ رانی صاحبہ!“ عمران نے زور دار قہقہہ لگایا۔ ”اس

اپتال کی ایک لیڈی ذاکر صاحبہ ”ہر ہائی نس“ کہلاتی ہیں.... واہ کیا پیار اخطاب ہے۔ اوٹنی جیسی

عورت کے لیے ”ہر ہائی نس“ سے بہتر خطاب کوئی دوسرا ان ہو گا۔ اف فوہ کتنی لمبی تھی! ہر ہائی

نس.... ہااا.... اور شوہر ڈھائی پاشت کا.... ہائے کاش یہ جوڑا مجھ سے کو آپریٹ کرے.... وہ

فلم پیش کروں کہ جاپانیوں کو بھی پیسے آجائے اور فلم کامنار کھوں ”ڈیڑھ متالے“... ہااا....!“

”ہاں سے یہاں تک کیسے لائے گئے تھے؟“

”یار مت بیجا چاٹو۔“ عمران کی آواز۔ ”بال کی کھال کھینچتے ہو۔ میں نہیں جانتا کہ یہاں تک

کیسے پہنچا ہوں۔ مکن ہے یہ خواب ہی ہو۔“

یک بیک بائیں جانب والی دیوار پر ایک سوچ بورڈ کا نھا سارخ بلب روشن ہو گیا....!

کبڑا اس پر نظر پڑتے ہی اس طرح اچھا تھا جیسے کہ کسی نے کاٹ کھایا ہو۔ پھر وہ تیزی سے

مشین پر جھکا اور اس کا سوچ آف کر کے دوسرا آن کر دیا۔

مشین سے قدموں کی آوازیں آنے لگیں۔ عمران اور داور کی آوازیں غائب ہو چکی تھیں۔

قدموں کی آوازیں بھٹم گئیں۔ پھر ایک آواز آئی جیسے کوئی دروازہ چھپا ہٹ کے ساتھ کھلا ہو۔

”کیوں؟“ ایک آواز آئی۔ ”یہاں کیوں آئے؟“

”صبر کا پیانہ لبریز ہو چکا ہے۔“ دوسرا بھرائی ہوئی آواز۔

”کیوں۔ کیا ہوا....؟“

”ظاہر ہے ہوش چڑا ہے۔ اس ناظم نے بڑی بے دردی سے اس کے سر پر ٹھوکریں مل دی ہیں۔“

”کے شش! خاموش رہو۔ اس کے خلاف کہی جانے والی باتیں اس سک ضرور پہنچ جاتیں ہیں۔“

”پہنچ جائیں مجھے پرواد نہیں....!“

”بچے نہ ہو!“

”چار سال سے ہم نے آسمان نہیں دیکھا۔ ہم یہاں اپنی خوشی سے تو نہیں آئے تھے۔ راہ

چلنے پکلنے گئے تھے۔ اس قید تھائی سے موت بہتر ہے۔ ظاہر نے اس سے کہا تھا کہ وہ عورت کے

بغیر نہیں رہ سکتا۔

”پھر تم کیا کرنا چاہتے ہو؟“

”بعادت اور یہاں تہماں ہوتا ہے۔ ہم دس میں۔“

”شاید وہ اس وقت بھی نہیں موجود ہے۔ لیکن کیا تم اسے تلاش کر سکو گے۔ آج تک کوئی بھی نہیں معلوم کر سکا کہ وہ کہاں بیٹھتا ہے۔“

”اگر ہم کوش کریں تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔۔۔ کیا بڑی بات ہے آوا بھی سے اس جگہ کی تلاش شروع کر دیں، جہاں وہ آکر بیٹھتا ہے۔“

”میں پھر کہتا ہوں کہ حدود سے آگے نہ بڑھو!“

”اوہ.... تو تم ہمارا ساتھ نہیں دو گے۔“

”نہیں.... لیکن ہمارے سے کیا مراد ہے کیا تمہارے علاوہ کسی اور کے ذہن میں بھی کیزے کلبلائے ہیں....!“

”طاہر اب بھی بے ہوش ہے۔ تم غداری پر آمادہ ہو لیکن آٹھ آدمی بری طرح جلس رہے ہیں۔ اگر تم نے.... ساتھ نہ دیا تو....!“

”ٹھہرو۔ مجھے سوچنے دو!“

”نہیں اسے بھی مارڈالو۔“ کئی آوازیں۔

پھر مشین سے دھینگا مشتی اور شور کی آوازیں آتی رہیں۔

”ارے.... ارے ٹھہرو.... سنو! او.... مرا.... مرًا.... اوہ.... دیکھو.... بب چاہو۔ پچاؤخ.... خیں.... خیں.... خیں.... خرت!“

بالکل ایسا معلوم ہوا جیسے مخالفت کرنے والے کا گاہ گھونٹ دیا گیا ہو۔

کبڑے نے نچلا ہونٹ دانتوں میں دالیا۔ آنکھیں حلقوں سے الی پر رہی تھیں۔ مشین سے پھر آواز آئی۔ ”چلواب اسے تلاش کریں.... دیوبے کہو وہ کنز روں روم میں موجود رہے۔ کیونکہ وہ خبیث اپنے اٹے سے چودہ اور پندرہ نمبر کے قیدیوں کی گفتگو سن رہا ہے۔

کہیں اسے شبہ نہ ہو جائے۔“

”ٹھیک ہے.... میں دیوبے کو سمجھانے جا رہا ہوں۔“

آوازیں ختم ہو گئیں۔ کبڑے کے ہونتوں پر ایک زہر لی ہی مسکراہٹ لرز رہی تھی....!



اس عمارت کے دس باشدزوں نے یہاں آنے کے بعد سے آج تک آسمان نہیں دیکھا تھا۔ چار سال گذرے وہ ایک ایک کر کے یہاں لائے گئے تھے۔ ان میں سے زیادہ تر اعلیٰ درجہ کے انجینئر تھے۔ ان کا کام تھا پیغام رسانی۔ کسی نامعلوم جگہ سے آئے ہوئے پیغامات ہمگی تک پہنچاتے تھے اور ہمگی کے پیغامات ایک مخصوص فری کوئی نہیں پر کسی دوسرے کے لیے نظر کرتے تھے۔ ہمگی سے بری طرح خائف تھے۔ اس کی شکل دیکھتے ہی ان پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا اور یہ حقیقت تھی کہ انہوں نے کبھی اس عمارت میں وہ جگہ تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی تھی جہاں پہنچ کر کبڑا ان پر حکومت کرتا تھا۔

لیکن آج.... وہ بری طرح جلا بے ہوئے تھے۔ ان پر خون سوار تھا۔ آٹھ آدمی۔ اگر کبڑا ہاتھ لگ جاتا تو وہ اس کی بوٹیاں دانتوں سے نوچتے۔ اسے گھیٹ گھیٹ کر مارتے اس وقت تک گھیٹنے پھر تے جب تک کہ اس کا دم ہی نہ نکل جاتا۔ وہ ایک ایک دیوار ٹھوٹکتے بجائے پھر رہے تھے کہ شاید کہیں کسی ایسے چور دروازے کا میکنزیم ہاتھ لگ ہی جائے جس سے گذرا کر وہ اس خبیث تک پہنچ سکیں۔

دفعتاً انہوں نے گھر گھر اہٹتی سی سکی۔ اور اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ جہاں تھے وہیں رکنا پڑا۔ یہ ایک علامت تھی۔ کبڑا جب کوئی اعلان کرنا چاہتا تھا تو پوری عمارت اسی قسم کی آواز سے گونج اٹھتی تھی۔

”دوستوا“ کچھ دیر بعد آواز آئی۔ ”مجھے افسوس ہے کہ طاہر کو تھوڑی سی سزا دینی پڑی۔ میں نے تمہیں اکثر سمجھایا ہے کہ میری آواز پر اپنی آواز بلند کرنے کی کوشش نہ کیا کرو۔ لیکن اکثر تم میں سے کوئی نہ کوئی بہک ہی جاتا ہے۔ تمہاری مخلکات کے دن ختم ہونے والے یہیں چھ ماہ کی ٹریننگ اور باقی ہے۔ اس کے بعد تم ایک ترقی یافتہ ترین ملک کے شہری ہو گے۔ تمہیں بڑے بڑے عہدے میں گے۔ رہنے کے لیے شاندار کوٹھیاں ہوں گی اور خرچ کرنے کے لیے بیشمار دولت۔ میں نے سوچا ہے کہ اب ہم لوگ کبھی ایک ساتھ ہی رہا کریں۔ مطلب یہ کہ تم لوگ تو مل کر رہے ہی ہو میں بھی کم از کم بختے میں ایک ہی بار تم لوگوں میں مل بیٹھا کروں۔ لہذا آج

ہماری پہلی میٹنگ ہو گی۔ تم سب کمرہ نمبر تین میں میرا منتظر کرو۔“
ستانا چھا گیا۔ پھر کپڑے کی آواز سنائی دی۔

وہ سب ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہے تھے کچھ دیر بعد لیڈر نے کہا۔ ”چلو! اس سے بہتر
موقع شاید پھر کبھی با تھا نہ آئے۔ وہ غالباً نمبر تین کے آس پاس کہیں بیٹھتا ہو گا۔ ممکن ہے
ہمارے پیچے تک وہ ہیں ملے۔ ہاں دیکھو ٹھہر! افواہی حملہ نہ کر بیٹھنا بہت چالاک ہے۔ اگر اے
ریا اور نکال لینے کا موقع مل گیا تو... ایک بھی زندہ نہ پچ گا میں اسے با توں میں الجھاؤں گا پھر
جیسے ہی داہنا تھا اپنے سر پر رکھوں تم لوگ ٹوٹ پڑنا۔“

وہ کمرہ نمبر تین کے سامنے آئے۔ اس میں دروازے کی بجائے صرف ایک کھلا ہوا در پیچہ تھا
اور تین اطراف میں چھوٹے چھوٹے روشن داں بھی تھے۔ جیسے ہی وہ اندر داخل ہو پکے...
در پیچے کے اوپر سے لو ہے کی ایک موٹی سی چادر فرش تک سر ک آئی۔ وہ بو کھلا کر مڑے۔
ہمگ کا کان پھاڑ دینے والا قبیلہ کرمے میں گونج رہا تھا۔ وہ در پیچے پر چھا جانے والی چادر
پر نکلیں مارنے لگے۔ لیکن بے سود... اس نے اپنی جگہ سے جبکش بھی نہ کی۔

پھر کپڑے کی آواز سنائی دی۔ ”احمقو۔ انہوں۔ یہاں ایک ایسا مشینی نظام بھی موجود ہے جسے
صرف میں کنٹرول کرتا ہوں.... ہاں.... رائگے اب تم مجھے با توں میں الجھاؤ تاکہ یہ ساتوں
گدھے موقع پا کر حملہ کر سکیں۔ رکھو داہنا تھا سر پر... اور میری خواہش ہے کہ بیان ہاتھ کر کر
رکھ لو۔ شروع ہو جاؤ شباباں....“

یک بیک وہ سب چیختے لگے کیونکہ گیند نما کمرے کا فرش بڑی تیزی سے نیچے دھنس گا تھا۔
انہیں اتنا موقع بھی نہ مل سکا کہ روشن داں ہی کو پکڑ کر لٹک جاتے۔
کپڑے کے قبیلہ دہرا بر این رہے تھے.... اور خود بھی علی چھاڑ رہے تھے۔ کوئی گزگزارا
تھا کوئی معافی مانگ رہا تھا اور کوئی بے تحاشا گالیاں دے رہا تھا۔

فرش دھنٹا رہا۔ لحظہ بہ لحظہ ان کا خوف بڑھتا جا رہا تھا۔ کیونکہ کرمے کا قطر بذریعہ بڑھ رہا
تھا۔ فرش اور دیواروں کے درمیان ایک بڑی سی ہلالی خلاء تھکیل پارہی تھی۔
پھر دھنٹا فرش خلاء کی طرف جھکتا چلا گیا۔ گھٹی گھٹی چینیں گو نجیں... اور پانی میں گرنے
کے چھپا کے... تیزی سے بننے والے زمین دوز چشمے نے ذرا ہی سی دیر میں ان کے چھپڑے اڑا

دیتے ہوں گے۔

O

سوراخ اتایا ہو جو کا تھا کہ ڈاکٹر داور عمران تک پہنچ سکتے... عمران نے برا سامنہ بنا کر ہاتھ
اندازے... اور ڈاکٹر داور کو بے آسانی نیچے اتار لیا اور پھر بولا۔ ”یار بوڑھے ہونے کو آئے مگر
کوئی نہ پچاندے کی عادت نہ گئی... سلاما لیکم...!“

”و علیکم السلام!“ داور صاحب نے ہانپتے ہوئے سلام کا جواب دیا اور کچھ جھینپے ہوئے سے
نظر آنے لگے۔

”تو تم بھی آگو دے میرے خواہوں میں۔“ عمران نے ٹھنڈی سانس لی۔

”خدا کے لیے ہوش کی باتیں کرو بیٹے!“

”یار تم کتنے بھیں بدلت کر آؤ گے میرے سامنے۔“ عمران نے برا سامنہ بنا کر کہا۔
”پڑیو سر ڈاکٹر کیسٹر ہونے کا یہ مطلب تو نہیں کہ لوگ بھیں بدلت کر بیٹھا کہتے دوڑے آئیں
اور مر عوب کریں مجھے اپنی ایکنگ سے... سلاما لیکم...!“

داور صاحب نے شاید پھر و علیکم السلام کہنے کے لیے ہونٹ کھولے تھے کہ خیال آگیا اور
انہوں نے ختنی سے من بند کر لیا۔

دھنٹا کرے میں گھر گھر اہست سی گوئی اور آواز آئی۔ ”ڈاکٹر داور۔ اگر تم نے کل تک زبان نہ
کھولی تو وہ تمہاری زندگی کا آخری دن ہو گا۔ یہ آخری وارنگ ہے۔“

”اے باپ رے!“ عمران بو کھلا کر اچھل پڑا۔ یہ آواز کہاں سے آرہی ہے۔ بھوت....
بھوت.... چاہا.... چاہا!“

”خاموش رہو!“ گرج سنائی دی۔

”خاموش تو.... ہوں.... رر.... رر.... رر....“ عمران کا پنچا ہوا گھٹی گھٹی سی آواز
ٹھلے بولا۔ داور صاحب خاموش کھڑے خلک ہو نہیں پر زبان پھیر رہے تھے۔

”داور.... کیا تم سن نہیں رہے! میری بات کا جواب دو۔“

داور صاحب نے اور زیادہ ختنی سے ہونٹ بھینچ لی۔

”اچھی بات ہے!“ پھر آواز آئی۔ ”کل اسی وقت ڈاکٹر داور.... اپنی گھڑی اچھی طرح دیکھوا

ماحب ہی کے کمرے میں قدم رکھا تھا وہاں دیوار میں بڑا سوراخ دیکھ کر ٹھہر کا اور پھر خود بھی اسی اسٹول پر نظر آیا جو سوراخ کے پیچے رکھا ہوا تھا۔ جیسے ہی اس نے سوراخ میں جھانکا تو سری طرف سے آواز آئی۔ ”سلاماً لکیم“ اور وہ بوکھلا کر اسٹول سے کوڈ پڑا۔

”اے سلام کا جواب تو دے دیا کرو!“ دوسری طرف سے پھر آواز آئی۔ دیوبنڈ لمحے کھڑا سوچتا رہا پھر دوبارہ اسٹول پر جا چڑھا۔ کچھ دیر بعد وہ بھی انہیں کے قریب نظر آیا۔

”کیا تم لوگ باہر جانا چاہتے ہو؟“ اس نے آہستہ سے پوچھا۔

عمران کچھ نہ بولا۔ لیکن ڈاکٹر داوز نے کہا۔ ”کیوں... کیا بات ہے؟“

”میں بھی ایک قیدی ہی ہوں۔ تم یہاں کیوں لائے گئے تھے؟“

”میں نہیں جانتا کہ کوئی مجھ سے کیا چاہتا ہے؟“ ڈاکٹر داور بولے۔

”اچھا۔ اچھا! میں سمجھ گیا! تم پر ہمی کیا ہے۔ بتیرے آتے جاتے رہتے ہیں.... دیکھو! اگر تم اُنہوں میری مدد کرنے پر آمادہ ہو جاؤ تو شاید ہم یہاں سے نکل سکیں۔“

”ضرور۔ ضرور۔“ ڈاکٹر داور مفظہ پانہ انداز میں بولے۔ دیوبنے عمران کی طرف سوالیہ نظر دیں۔ دیکھا اور عمران نے احتقانہ انداز میں جلدی جلدی پلکش جھپکائیں۔

”اوہ۔ ان کی فکر نہ کرو۔“ دوسرے صاحب جلدی سے بولے۔ ”سب ٹھیک ہے۔“

وہ انہیں اس کمرے کی طرف لا یا جہاں کچھ دیر پہلے اس کے ساتھی غریب ہوئے تھے۔ مگر اس کی معلوم۔ وہ تو اس وقت انہیں لوگوں کی اسکیم کے مطابق آپریشن روم میں مشینوں سے الجھا ہوا تھا۔

”صرف یہی ایک ایسا کمرہ ہے یہاں۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”جہاں پھر کی دیواریں ہیں۔

”اُنہیں بھی پھر ہی کاہے۔ ایک بار.... شش....!“

وہ چوک کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ کسی قسم کی آواز ڈاکٹر داور نے بھی سن تھی۔

”اوہ.... طاہر....!“ دیوبنڈ بڑا یا۔

انہیں ایک بھی شخیم آدمی نظر آیا جس کا پھرہ پیسوں سے ڈھکا ہوا تھا۔

”اوہ۔“ دیوبنڈ کی طرف جھپٹا۔ ”تم کہاں اٹھ آئے تھیں آرام کی ضرورت ہے۔“

میری بات پھر کی لکیر ہوتی ہے۔ باعزت زندگی یا کتنے کی موت۔ کل تک فصلہ کراو۔ شب بیٹھ رہا۔ دوسرے صاحب کچھ دیر تک سکتے کی سی حالت میں رہے پھر چوک کر عمران کی طرف مڑے جو ایک گوشے میں منہ چھپائے اکڑوں بیٹھا بری طرح کا نبض رہا تھا۔

دوسرے صاحب نے اسے بدقت انھیا اور وہ دونوں کا نوں میں انھیاں ٹھونس کر کپکپاتی ہوئی آواز میں اذان دینے لگا....!

O

آخری آدمی دیوبنڈ کنٹرول روم میں کھڑا بڑی طرح کا نبض رہا تھا اور ہمگ کی آواز کمرے کی محدود فضائیں گونج رہی تھیں۔

”تمہارے ساتھی لمبے سفر پر روانہ ہو چکے ہیں۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ تم ہمیشہ میرے ساتھ ہی رہو۔ کیا سمجھے! طاہر غالباً اب بھی بے ہوش ہو گا۔ اس کی تمارداری کے فرائض بھی تم پر ہی آپڑیں گے خیر... کسی نہ کسی طرح تم دونوں چھ ماہ گذار ہو۔ اس کے بعد تمہیں اپنے وجود پر ہی مشکل سے یقین آئے گا۔ خواب میں بھی ایسی زندگی کا ایک لمحہ کبھی نہ نصیب ہوا ہو گا۔ اچھا شاب بیٹھر... مختن آدمیوں کی کافی قدر کرتا ہوں۔“

پھر تھنی بھی... جس کا مطلب یہ تھا کہ ہمگ اس عمارت سے باہر جا چکا ہے۔ دیوبنے مشینیں بند کر دیں اور دوڑتا ہوا اس کمرے میں آیا جہاں باغی ساتھیوں نے مینگ کی تھی... مگر وہاں کیا تھا۔

پھر وہ دیوانہ دار چاروں طرف چکراتا چھرا۔... قابل گزر حصوں میں بس صرف تین آدمی دکھائی دیئے.... ایک تھا بے ہوش طاہر اور وہ دونوں قیدی جنہیں غالباً کسی اسکیم کے تحت وہاں لایا گیا تھا۔ دیوبنڈ اس کے ساتھی مقصد سے واقع نہیں تھے۔ اس نے طاہر کو ہوش میں لانے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرنے۔ لمبے سفر کا مطلب اس کی سمجھ میں بخوبی آیا تھا۔ اس کے ساتھی... ہمیشہ کے لیے... رخصت ہو چکے تھے۔

کچھ دیر تک اس پر ہر اس طاری رہا۔ مگر یہیک یہیک جنونیوں کی سی حالت ہو گئی۔ خاموش بیٹھا کبھی دانت پیٹتا اور کبھی مکاہلاتا۔

یک بیک انھا اور ان کروں کی طرف چل پڑا جہاں دونوں قیدی رکھے گئے تھے۔ پہلے داور

پھر داور صاحب کو بھی اتنا ہوش کہاں تھا کہ وہ عمران کی اس ہوشمندانہ بات پر دھیان دے سکتے۔ دفعتاً ایک زور دار گھر گھراست سنائی دی اور عمران نے داور صاحب کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے اپنی طرف کھینچا اور دیوار کی جڑ کی طرف گھینٹا چلا گیا۔

چھت سے مٹی کا ایک بڑا ساتودہ گرا..... اندر ہیرا.... گہر اندر ہیرا.... دم گھٹ رہا تھا۔ داور ماحب بیچے تھے اور عمران ان پر اس طرح چھینا ہوا تھا کہ حتی الامکان انہیں بچا سکے۔ ڈھیر دل مٹی آس پاس گر رہی تھی لیکن وہ ابھی اس قابل تھے کہ منہ اور ناک پر رومال لگا کر کسی نہ کسی طرح سانش تو لے ہی سکتے تھے۔

ستانے اتھے تھے کہ عمران کو دیوار کی جڑ کی سوچ گئی تھی۔ ورنہ شاید....!

”ڈاکٹر صاحب!“ عمران نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”ہاں.... میں زندہ ہوں۔“

”میری یادداشت واپس آگئی ہے اس حادثہ کی وجہ سے... سلاماً لکھ!“

”وو.... وو.... واللیم.... او گدھے.... بے ہودے تم اس وقت بھی سنجیدہ نہیں ہوا یہ کیا ہو رہا ہے؟“

”ناک اور منہ پر اکھر اور مال جکڑے رہئے ورنہ دم گھٹ جائے گا....!“

”یونہی ہوں.... مرے خدااب کیا ہو گا؟“

”میرا خیال ہے کہ.... میں نے ابھی آمان کی جھلکیاں دیکھی تھیں۔“

”خدا کرے.... حق نہو!“ داور صاحب نے کہا اور کھانے لگے۔

”رومال.... رومال....“ عمران غریا۔

O

پھر پھٹ رہی تھی اور وہ پھر دل کے ڈھیر پر بیٹھے تھو تھو.... آخ تھو کر رہے تھے۔ داور صاحب کو بڑی دیر سے اوبکایاں آرہی تھیں اور وہ بھوت تو بن ہی گئے تھے۔ شاید جانور بھی انکی شکلیں دیکھ کر وحشت زدہ ہو جاتے۔

”یہ شاید کوئی بہت بڑا پھر لیا ٹیلا تھا۔“ عمران نے کہا۔ ”جسے اندر سے کھو کھلا کر کے وہ سب ٹوٹا ہا یا۔ یا ممکن ہے قدرتی طور پر کھو کھلا رہا ہو۔“

”دور رہو۔ مجھ سے دور رہو۔“ طاہر دنوں ہاتھ آگے بڑھا کر دہڑا۔۔۔ اور دیبور کی گلہ طاہر پھر بولا۔ ”میں فیصلہ کر چکا ہوں.... اب بھی ہو کر رہے گا۔ سب کچھ خاک میں ملا دوں گا۔ کیا وہ سور کا کچھ ہم سے ہر ایک کے لیے ایک عورت بھی میرا نہیں کر سکتا مجھے راہ چلتے اٹھایا گیا تھا۔ اور پھر اس مقبرے میں میری آنکھ کھلی تھی.... اسی طرح عورتیں....“

”طاہر۔ طاہر.... دیبو مضر بانہ اندان میں بولا۔“ تم سب کچھ خاک میں کیسے ملا دے گے؟“ لیکن طاہر کوئی جواب دیے بغیر ایک جانب مڑ گیا۔ وہ آپریشن روم کی طرف جا رہا تھا۔ دیبو اس کے پیچے چھپا۔ لیکن اب طاہر نے دوڑنا شروع کر دیا تھا۔

عمران بھی آگے بڑھا لیکن اتنی دیر میں وہ دنوں نظر دوں سے او جھل ہو چکے تھے۔

طاہر آپریشن روم میں چکنی کر ایک سوچ بورڈ کے قریب رک گیا۔

”مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔“ اس نے کہا اور دیبو کا سر چکرا گیا۔ عقل جواب دے رہی تھی۔

”کیا بک رہے ہو....!“

”میں اس مقبرے کو تباہ کرنے جا رہا ہوں.... مختلف بجھوں پر لگے ہوئے ڈائیا نیٹ اس کے پر نچے اڑا دیں گے۔ میں نے ہی اس کا پتہ لگایا تھا۔ کبڑا بہت چالاک ہے اسے ہم پر اعتدال نہیں ہے۔ فرض کرو ہم اس کے خلاف ہو جائیں اور اس کے تباہ ہوئے مخصوص میڑوں کے علاوہ کسی دوسرے میڑ پر پیغامات اڑانا شروع کر دیں تو....“

”ہاں ممکن ہے۔“

”لیکن ہم تباہ ہو جائیں گے۔ جیسے ہی ہم فری کوئنی یا میڑ بدیں گے۔ وہ سارے ڈائیا نیٹ پھٹ جائیں گے اور ہمارا نام و نشان تک باقی نہ رہے گا۔“

”تم ایسا نہیں کر سکتے.... ہر گز نہیں!“ دیبو حق چھاڑتا ہوا اس کی طرف چھپنا دنوں پہ پڑے.... طاہر اس کی گرفت سے آزاد ہو کر ایک ٹرانسیمیٹر کی طرف بڑھنے کی کوشش کر رہا تھا اور دنوں ہی حق چھاڑ چھاڑ کر بیچ رہے تھے۔

O

عمران اور داور مختلف کمر دل میں دوڑتے بھر رہے تھے عمران کہہ رہا تھا۔ ”وہ پاگل معلوم ہوتا ہے۔ پتہ نہیں کس سلسلے میں دھمکی دی ہو۔ کیا کر گذرے۔“

”تت۔ تو۔۔ اب تم پاگل نہیں ہو؟“

”پیدا کشی ہوں۔ کوئی نئی بات نہیں۔“ عمران نے لاپرواٹ سے کہا۔ ”لیکن ابھی کھیل ختم نہیں ہوا۔ میں پاگل ہی رہوں گا اور آپ مردہ تصور کیے جائیں گے مگر قصہ کیا تھا؟“

”میں نے ایک بے آواز مصنوعی سیارہ دریافت کیا تھا۔ اس کی تصویریں لی تھیں۔ مدار علوم کیا تھا۔ پورے ملک میں وہ سیارہ میری ہی آبزروری سے دیکھا جاسکتا۔ کہیں اور کوئی ایسی طاقتور دور بین موجود نہیں۔ جس چور ملک نے بے آواز سیارہ چھوڑا ہے اس کے انجنوں کو غالباً شہر ہو گیا تھا کہ میں اسے دیکھ چکا ہوں۔ شاید وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ میں چاند کے کڑے کی فضائی تصویریں لینے میں بھی کامیاب ہو چکا ہوں۔ پھر میں نے اس سیارے کی تصویریں کیوں نہیں ہوں گی جو زمین ہی کے گرد گردش کر رہا تھا۔“

”تصویریں کہاں ہیں اور آپ کا وہ میلیسکوپ کیسرہ کہاں ہے؟“ عمران نے مضطربان انداز میں پوچھا۔

”یہی تو وہ لوگ معلوم کرنا چاہتے تھے۔ اگر معلوم کر لیا ہوتا تو۔۔۔ شاید میں تمہیں زندہ نہ ملتا۔ تمہیں وہ لوگ غالباً اسی لیے بیہاں لائے تھے کہ میں تم ہی سے کچھ بتا دوں اور وہ چھپ کر سننے میں کامیاب ہو جائیں۔۔۔ مگر تم بہت عقل مند ہو ہیئے۔۔۔ اف فہ کیا حشر ہوتا ہمارا اگر تم مجھے دیکھ کر کھل گئے ہوتے۔ اعتراف کر لیتے کہ تم پاگل نہیں ہو۔“

”میں اب بھی پاگل ہوں۔“ عمران پھر انہانے کے لیے جھکا لیکن پھر یہک سخیہ نظر آنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”آپ نے ملڑی اٹیلی جس کو اطلاع کیوں نہیں دی ہی۔ اگر“ لوگ پہلے ہی سے چھیڑ چھلا کرتے رہے تھے۔“

”میں اس وقت تک سمجھ نہیں سکا تھا کہ یہ لوگ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟ آخری واٹھ دار نگ تو اسی وقت ملی تھی جب میں نے شی کو فون کیا تھا۔ یہ میرا بالکل غنی فون ہے لیبارٹری سے گھر تک کیبل ڈلوائے تھے اس لیے۔۔۔ اگر اس کے تار بھی اوپ ہوتے تو تینی طور پر کاٹ دیے گئے ہوتے۔۔۔ کیونکہ اس وقت میں نے اس ایک کے علاوہ سارے فون بے کار پائے تھے۔“

”اچھا تواب اٹھئے۔۔۔“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔ ”ہمیں اب کہیں چھپنے کی فکر کرنی چاہئے۔“

عمران سیریز نمبر 42

ڈریٹھ متواں

تیسرا حصہ

لگا تھا جیسے کبھی کچھ لکھا ہی نہ ہو! بیماری کی ابتدا نہ زوس بریک ڈاؤن سے ہوئی تھی۔ پھر یادداشت پر اثر پڑا اور اس کے بعد مستقل طور پر ہر دوسرے تیرے شدید قسم کے قلبی دورے پڑتے رہے! ادھر یار ان طریقت تھے کہ طرح طرح کی افواہیں پھیلارہے تھے۔ ابن صفائی پاگل ہو گیا ہے.... کاشنے دوڑتا ہے.... ابن صفائی نے پینے کی حد کر دی تھی۔ (حالانکہ میری سات پشتوں میں بھی کبھی کسی نے نہ پی ہو گی) اس لئے ایک دن زوس بریک ڈاؤن ہو گیا۔ ابن صفائی کا کسی سے عشق چل رہا تھا۔ اس نے بے وقاری کی، دل غلتہ ہو کر گوشہ نشین ہو گیا (حالانکہ گھٹیا قسم کے عشق کا تصور میرے لئے منکر خیز ہے)۔ آخری اطلاع یہ تھی کہ ابن صفائی کا انتقال ہو گیا۔ اس خبر پر بچھ اسی طرح جی بھر آیا تھا جیسے میں خود ہی ابھی ابن صفائی کو مٹی دے کر واپس آیا ہوں۔

پھر درجنوں ابن صفائی پیدا ہو گئے جواب بھی بفضلہ تعالیٰ بقید حیات ہیں اور دھڑلے سے میرے کرواروں کی مٹی پلید کر رہے ہیں۔ ان میں ایک تو ایسا ہے کہ جس نے فاشی کی حد کر دی۔ حمید اور فریدی کو بھی رغڑی بازاں کر رکھ دیا۔ سوچنے اور سرد ہٹنے۔ خدا ان سکھوں کی مغفرت فرمائے اور مجھے صبر جیل کی توفیق عطا کرے۔

پھر جب میری صحت یابی کی خبریں اخبارات میں چھپنے لگیں تو یاد لوگوں نے یہ شو شہ چھوڑا کہ میرے اور عباس حسینی صاحب کے تعلقات خراب ہو گئے ہیں اور بھارت میں میری کتابیں ان کے ادارے سے نہیں شائع ہوں گی۔

ان بے چاروں کو شاید یہ نہیں معلوم کہ ایک درجن کتابیں تو میں عباس حسینی کی مسکراہٹ پر ہی قربان کر سکتا ہوں (بشرطیکہ کسی بات پر جھینپ کر مسکرائے ہوں)۔

انتساب

جناب حکیم محمد اقبال حسین
ایم۔ اے

پروپرائزر۔ آئی ساکو (پاکستان) کراچی کے نام جن کے ہاتھوں میں نے تین سالہ طویل علاالت سے نجات پائی۔

ابن صفائی

پیش رس

کیا سمجھتے ہو جام خالی ہے
پھر چھلنے لگے سیو آؤ

آج پھر تین سال بعد آپ سے مخاطب ہوں.... اور اس پر یقین رکھتا ہوں کہ آپ کی دعاوں نے ہی دوبارہ اس قابل کیا کہ خدمت کر سکوں۔ میرا سینہ فزر سے تن جاتا ہے جب یہ سوچتا ہوں کہ میری صحت یابی کے لئے مسجدوں، کلیساوں اور گردواروں میں دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ مجھ تک میرے پڑھنے والوں کے خطوط بھی پہنچتے تھے لیکن جواب دینے سے قطعی معدوم تھا۔ بس کڑھ کر رہ جاتا تھا.... بالکل ناکارہ ہو کر رہ گیا تھا تو قع نہیں تھی کہ پھر لکھنے کے قابل ہو سکوں گا۔ ایسا بحکوم ہوئے

اب کچھ ایسی باتوں کا ذکر سنئے جو بیماری کے دران میرے لئے
مزید اذیتوں کا سبب بنی رہی تھیں۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ میں دنیا کا
مظلوم ترین مصنف ہوں۔ لاہور کے بعض بلیشوروں نے مل کر میری
ساری کتابیں چھاپ ڈالیں (میری اجازت کے بغیر) چونکہ ایک وقتوں پاٹی
کامال خاں لئے ایک ہی کتاب کو کمی کنی بلیشور نے یک وقت چھاپ کر
مادکیٹ میں ڈھیر کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس پچقدار کی کتابیں چھ چھ آنے
میں فٹ پاٹھوں پر بک گئیں۔ اکثر کتابوں کے نام بدلتے گئے اور پڑھنے
والوں کو دھوکہ دیا گیا۔ کراچی میں ایک ذات شریف نے میرے ناول
”زہریلا آدمی“ کے کرداروں کے نام تبدیل کئے اور اسے اکرم اللہ آبادی
کے نام سے چلا دیا۔ اکرم اللہ آبادی بھی خاصے مشہور لکھنے والے ہیں اس
طرح ان کی بھی توہین کی گئی۔ جس قوم میں ایسے افراد موجود ہوں کیا وہ
قوم دنیا میں کسی کو منہ و کھانے کے قابل ہو سکتی ہے۔ حشر کی بات دور کی
ہے انہیں دنیا ہی میں بھلگتا پڑے گا۔ انشاء اللہ.... مقتدر ہیں۔

رہی مختلف قسم کے ابتوں اور صفویوں کی بات تو یہ بے چارے
سارے قافیے استعمال کر چکے ہیں۔ لہذا باب مجھے کسی ”ابن خسی“ کا انتظار
ہے۔ میری دانست میں تو صرف یہی قافیہ باقی چاہے۔

کوئی صاحبہ (ایسی قافیہ والی) عرصہ سے غلط فہمی پھیلارہی ہیں کہ وہ
میری کچھ لگتی ہیں.... لیکن یقین سمجھنے کہ میرے والد صاحب بھی ان
کے جغرافیہ پر روشنی ڈالنے سے معدود ہیں.... واللہ اعلم بالشواب....!
اچھا باب اجازت دیجئے۔

والسلام

ابن صفحہ

کراچی ۲۱ اکتوبر ۱۹۶۳ء

O

نینا نے ایک طویل انگڑائی لی اور پھر کھڑکی سے سر نکال کر ملکجہ اندر ہیرے میں گھورنے لگی۔
خندی ہوا کے جھوکے اسے اپنی روح کی گہرائیوں تک محسوس ہو رہے تھے ایسا معلوم ہو رہا تھا
جیسے چاروں طرف بکھرا ہوا جنگل بھی اچانک اسی کی طرح جاگ پڑا ہو۔ پرندوں کی نیم غنوہ
آوازوں سے فضامر لعش ہونے لگی تھی۔
اس نے سختی سے دانت بھینچ لیے۔ اس بار انگڑائی جسم ہی میں مست کر رہ گئی کیونکہ وہ کھڑکی
سے ہاتھ ہٹا کر اپنا چہرہ اندر نہیں کرنا چاہتی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ بڑی بڑی.... ”پھر وہی صحیح... پھر وہی دن.... پھر وہی بوریت....“
پھر وہ ایک طویل سافنی لے کر آؤسے دھر سے کھڑکی پر جھک گئی۔ اس کے ذہن نے
بوریت کی تکرار شروع کر دی تھی۔

”بوریت....“
دور تک بکھرئے ہوئے جنگلوں کے درمیان ایک تھما عمارت کے مکین خود کو بوریت کا شکار
محسوس کریں تو حریت کی بات نہیں۔ یہ نواب صدر جگ کی کوئی تھی۔ کچار کے جنگل کا یہ
 حصہ زیادہ گھنائیں تھا پھر بھی یہاں اس دیرانے میں کوئی تھی....!

قریب ترین دیکھی علاقے بھی یہاں سے کم از کم دس میل دور ہوں گے۔ پھر یہاں کوئی ؟
لیکن جو لوگ نواب صدر جگ سے واقف تھے انہیں اس بات پر حریت نہیں تھی۔ بھلا
ایک نیم دیوانے آڈی سے توقع ہی کیا ہو سکتی ہے؟ وہ عرف عام میں کمی مشہور تھا۔ حقیقت بھی
بھی تھی۔ مارد ہاڑ کی فلموں اور امریکی ایڈو نچر کی کہانیوں نے صحیح معنوں میں اس کے ذہن پر گہرا
اثر ڈالا تھا۔ وہ خود کو امریکی کہانیوں کے کسی TOUGH BOY (خترناک آدمی) کے روپ میں

بیش کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ ویسے یہ اور بات ہے کہ ذیل ڈول کے اعتبار سے لوگ اس پر نواب مچھ جنگ کی پھیجنے پر بھی حق بجانب ہی رہے ہوں۔ چالیس پانچالیس سال کا سو کھاسا کھانا آدمی تھا کوشش کرتا تھا کہ اس کی آنکھیں دوسروں کو خوفناک نظر آئیں۔ گفتگو کے دوران نئے پھولے پھکنے لگتے تھے بس بھی معلوم ہوتا تھا کہ جیسے مخاطب کو دوچار ہاتھ ضرور جھاڑ دے گا۔ ہونٹ بھیج بھیج کر گفتگو کرتا اور زیادہ تر کاؤ بواۓ سوٹ میں نظر آنے کی کوشش کرتا تھا کہ سارا دن گھوڑے ہی پر گزرے۔

آج کل تو خاص طور پر شکار کا سائز ن تھا۔ دو مصاہین اور سات عدد ملازمن ساتھ تھے۔ اور ایک تھی بے چاری نیتا۔ اس کی پرائیوریٹ سیکرٹری۔ اگر وہ صرف پرائیوریٹ سیکرٹری ہی ہوتی تو سب تو کوئی بات نہیں تھی۔ نہایت اطمینان سے ملازماں پر لات مار کر گھر بیٹھ رہتی۔ مصیبت تو یہ تھی کہ وہ اس کے ایک پشتی ملازم کی بیٹی تھی اور خود اس کی پرورش اور تعلیم و تربیت بھی صدر جنگ ہی کے محل میں ہوتی تھی۔

وہ اکثر سوچتی کہ اگر بچپن ہی میں وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ ہی مر گئی ہوتی تو اس جہنم میں کیوں سلگنا پڑتا۔

صدر جنگ نے بچپن ہی سے اسے اسارت ہنانے کی کوشش کی تھی۔ اتنی اسارت کہ اب وہ بھی کاؤ بواۓ سوٹ میں ملوس گھوڑے کی پشت پر اس کے پہلو بہ پہلو نظر آتی کیونکہ کمر کے ہولشر میں رویا اور ہوتا اور کامنے سے ایک چھوٹی سی رانفل لگی رہتی لیکن وہ اس زندگی سے بیزار تھی۔ بعض اوقات صدر جنگ پر اس شدت سے غصہ آتا کہ اپنی ہی بویاں نوپنے لگتی۔ دل چاہتا چیخ چیخ کر کہے۔ ”باس۔۔۔ تم حقیقتاً چھر جنگ ہو۔ اپنی اوقات کونہ بھولو۔۔۔ شاید میرا ہی ایک تھپرناہ برداشت کر سکو!“

وہ ”باس“ کہلا تھا۔ مصاہین ملازمن، تھی کہ مزار عین تک پر پاندی عائد تھی کہ وہ اسے حضور کی بجائے ”باس“ کہہ کر مخاطب کیا کریں۔۔۔!

آج کل اس کی کوئی میں گیارہ افراد مقیم تھے۔ ان میں دو عدد مصاہین بھی تھے۔ مش کرامت علی اور شیخ شاء اللہ۔۔۔ لیکن بھلا صدر جنگ جیسے اسارت قسم کے کاؤ بواۓ کو یہ نام کیوں پسند آتے۔ لہذا مشی کرامت علی ”ہڑذی“ ہو گئے تھے اور شیخ شاء اللہ جو پستہ قد تھے ”شارفی“ کے نام سے نوازے گئے تھے۔۔۔ رہ گئے ملازمن تو ان میں حالانکہ کبھی نہ تو بدھو، خیراتی تھے لیکن صدر جنگ انہیں ”مڈا“، ”فریڈ“، ”ڈفٹی“، ”وغیرہ قسم کے ناموں سے پکارتا تھا۔

.... اور بے چاری نینا حقیقتاً نیم النساء خاتون تھیں۔

.... تو بے چاری نینا نے اپنا آدھا جسم کھڑکی کے اندر سمیت کر پھر ایک طویل انگڑائی لی اور پبلے سے بھی زیادہ بور ہونے لگی۔

بوریت.... یعنی آج پھر شکار کا پروگرام تھا۔ پچھلے تین دنوں تک وہ سب آرام کرتے رہے تھے۔ وجہ یہ تھی کہ صدر جنگ کو زکام ہو گیا تھا!....

صدر جنگ کو زکام کیا ہوا تا قیامت نوٹ پڑتی تھی۔ لیکن خود اسی پر دوسروں پر نہیں۔۔۔ دوسرے تو اطمینان کا سانس لیتے تھے۔ گواہا بہا سال کی حکومت دور ہوتی تھی۔

ہوتا یہ تھا کہ جب بھی صدر جنگ کو زکام ہوا تو اسے گوشہ نشین ہو جانا پڑتا یونکہ صورت ہی گپٹ کر رہ جاتی تھی۔ آنکھوں سے پانی بہہ رہا ہے اور ناک سے نزلہ۔۔۔ نئے سرخ ہونت پھر ک رہے ہیں اور ناک ہے کہ پے در پے شوں شوں کئے جا رہی ہے کبھی کبھی وہ جھلاہٹ میں ناک پر بہا تھے۔ بھی رسید کر دیتا بالکل اسی انداز میں جیسے وہ اس کے جسم سے قطعی کوئی علیحدہ چیز ہو۔ بس وہ بحالت زکام خود کو کسی کرنے میں بند کر لیتا اور محاور نا نہیں بلکہ صحیح معنوں میں کسی کو اپنی شکل دکھانا ہرگز پسند نہ کرتا۔

ہاں تو آج پھر شکار کا دن تھا۔۔۔ وہ سوچنے لگی تمام دن گھوڑے کی پشت پر بس رہو گا۔۔۔ پھر۔

ان گدھوں کی اوٹ پنگ باتیں سنو! میرے خدا کب تک یونہی برس رہو گی۔

اب فضا پر ندوں کی آوازوں سے پوری طرح گونج رہی تھی۔ مشرقی افق میں سرخ دھاریاں نظر آنے لگی تھیں۔ وہ سوچتی رہی، الجھتی رہی۔

اسی وقت صدر جنگ، مشی کرامت علی ہڑذی اور شیخ شاء اللہ شارفی بھی ذاتی روم میں داخل ہوئے۔ وہ تینوں کاؤ بواۓ سوٹ میں تھے۔۔۔

”مورنگ بس۔۔۔“ نینا نے بھراں ہوئی آواز میں کہا۔

”مورنگ بس۔۔۔“ صدر جنگ ٹھوکر سے کری کھکھاتا ہوا غریباً۔ ”آج شکار کا دن ہے اور تم ابھی تک شلوار میں ہو۔۔۔!“

”وہ۔۔۔ دیکھئے۔۔۔ میں۔۔۔ آج۔۔۔“

”نوب!“ صدر جنگ دھماز۔ ”بہانہ۔۔۔ نہیں۔۔۔ شٹ اپ!“

جو شے کے اعتبار سے اس کی آواز تحریر کن تھی۔۔۔ کوئی اجنبی سوچ بھی نہیں سکتا تھا یہ منحنی سا

آدمی اتنی گر جدار آواز رکھتا ہو گا..... بہر حال اسے غصہ آگیا اور شیخ شاء اللہ شارٹی بوکھلا کر اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ کیونکہ اس بیچارے کے پاس ڈاڑھی کے سوا اب اپنا رہ بھی کیا گیا تھا..... بڑی مشکل سے ڈاڑھی بچائی تھی..... رویا تھا..... گڑگڑایا تھا۔ صدر جنگ کے قدموں پر سر کھدیا تھا اور آنسوؤں سے منہ دھوتا ہوا بولا تھا۔ ”سر کار..... ارے توبہ..... باس..... اس پر رحم کچھے! پیغمبر اپتھے سے چلی آرہی ہے یہ گئی تو اجداد کی عزت گئی..... ہمارے گھرانے میں آج تک کسی نے ڈاڑھی نہیں منڈوائی.....“

پتہ نہیں کیوں صدر جنگ کو رحم آگیا مگر ایک شرط پر..... شرط یہ تھی کہ ڈاڑھی اسی صورت میں نہیں کسکے گی جب سر منڈوا دیا جائے..... اور کبھی نوپا نہ پہنی جائے..... مر تا کیا نہ کرتا۔ روزی کا معاملہ تھا..... بہر حال ڈاڑھی نہیں گئی سر ہر روز منڈتا رہا..... یہ فرشی کرامت علی ہارڈی کی ڈیوٹی تھی کہ ہر روز صحیح ہوتے ہی شیخ شاء اللہ شارٹی کا سر منڈنے میٹھے جائے..... کوئی نہیں جانتا تھا کہ صدر جنگ نے یہ شرط کیوں رکھی تھی اور سنگے سر رہنے پر کیوں مصر رہتا تھا۔ اس نے کبھی کسی کو اس کی وجہ نہیں بتائی تھی.....

ہاں تو اس وقت صدر جنگ کو اپنی سیکرٹری پر غصہ آگیا تھا۔

”میں کو اس نہیں سنوں گا!“ وہ بیٹھتا ہوا دھماکا۔ ”کیا تمہیں زکام ہو گیا ہے؟“

”نہ.... نہیں باس!“

”بھر.....!“

”کہ کچھ..... نہیں!“

”شارٹی۔ شارٹی.....“ صدر جنگ غرایا۔ ”ہاتھ روکو! جب تک یہ سوت نہیں پہنے گی ماش نہیں ہو گا.....“

”اوکے باس!“ دونوں نے ہاتھ روک لیے اور نینا کرنے سے جانے ہی والی تھی کہ ایک ملازم جھپٹتا ہوا اندر آیا.....

”کیوں؟.....“ صدر جنگ نے آنکھیں نکالیں۔

”باس!“ وہ بانپتا ہوا بولا۔ ”وہ فقیر.....!“

”وہ فقیر.....! دماغ خراب ہوا ہے..... اپنا حلیہ تو دیکھو!“

”ہاں باس! وہ مر نے مارنے پر آمادہ ہیں.....!“

”دو فقیر..... مر نے مارنے پر آمادہ ہیں..... ابے دماغ تو نہیں چل گیا..... کیا کہتا ہے؟“

”باس! وہ کہتے ہیں ناشتہ لاو.....“

”دفع ہو جاؤ.....!“ وہ ہاتھ ہلا کر غرایا۔ ”انہیں کھانا دو.....“

”مگر باس..... وہ انداز غری تو س مکھن مانگتے ہیں۔“ نوکرنے تاخ شکوار بجھ میں کہا۔ ”میں نے دھمکایا تو مارنے پر آمادہ ہو گئے..... ایک وہ جو لوٹا ساہے..... پاکارا ہے..... بڑھا بے چارہ تو کچھ بھی نہیں بولتا بلکہ شرمیا شرمیا ساہے..... میں نے سالوں کو دھمکایا..... آپ کا نام بتایا..... مگر.....!“

”ہاں...!“ صدر جنگ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ”شارٹی..... ہارڈی..... کم الائگ.....!“

وہ تینوں دروازے کی طرف چھپے.....!

پھر چند لمحوں کے بعد دونوں فقیروں کو کڑے تیروں سے گھور رہے تھے ان کا حلیہ محیب تھا۔ دونوں کے کپڑے جا بجا ٹکستہ اور گرد سے اٹھے ہوئے تھے۔

”بھوٹ....!“ فرشی کرامت علی ہارڈی زیر لب بڑھایا۔

”کیا بات ہے.....؟“ صدر جنگ نے آنکھیں نکالیں۔

”ناشتر.....!“ نوجوان آگے بڑھتا ہوا لکرا..... لیکن بوزھا آدمی اپنی جگہ کھڑا ہو نہیں ہی ہو نہیں میں کچھ بڑھا کر رہا گیا۔ حقیقتاً اس کے چہرے پر بخالت کے آثار تھے.....!

نینا نوجوان کو محیب نظروں سے گھور رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ ٹکستہ حال ہونے کے باوجود بھی یہ لوگ فقیر تو نہیں معلوم ہوتے.....!

”تم جھگڑا کر رہے ہے تھے؟“ صدر جنگ دھڑا۔

”کیوں نہ کریں؟“ نوجوان نے بر جتہ حواب دیا۔

”تو سوٹ کھن انٹے مرغی ہاگ رہے تھے۔“ شیخ شاء اللہ شارٹی نے لکھا کیا۔

”پھر کیا ملکیں؟“ نوجوان نے جھلا کر کہا۔ ”کدو کی بکھیا اور خیبری روٹی۔ اے شیخ صاحب میں جانتا ہوں یہ نواب صدر جنگ بہادر کی کوئی تھی ہے۔“

”ہاں.... ہاں!“ صدر جنگ خوش ہو کر سینے پر ہاتھ مارتا ہوا آگے بڑھا۔ ”ہماری تھی کوئی تھی ہے.... تو پھر.....?“

”تو پھر..... یہ کہ اتنی بڑی سر کار ہیں ہمیں انٹے مرغی کے علاوہ اور کیا ملے گا؟“

”گذ... ویری فائیں...!“ صدر جنگ بے حد خوش ہو کر دھڑا۔ ”شارٹی ہارڈی دونوں کو اندر لے چلو...!“

اور پھر کچھ دیر بعد دونوں باقاعدہ طور پر ناشتے کی میز پر آئے۔ نینا تھیر تھی... کتنی جلدی یہ سب کچھ ہوا... دوختہ حال بھکاری آئے اور نوکروں سے جھگڑ بیٹھے... صدر جنگ کو غصہ آیا اور دفعتاً فرو بھی ہو گیا اور اب وہ دونوں نہاد ہو کر اور کپڑے تبدیل کر کے معزز مہانوں کی طرح ناشتے کی میز پر براہم ان ہیں... شارٹی اور ہارڈی کے شفاف کپڑے انہیں دلوائے گئے تھے... نینا سوچ رہی تھی کہ یہ نوجوان آدمی کتنا چب زبان اور چالاک ہے جس نے صدر جنگ جیسے منہ زور گھوڑے کو اتنی جلدی رام کر لیا... اور اب وہ بوڑھے آدمی کی طرف اشارہ کر کے کہہ رہا تھا۔ ”میرے چچا... بے چارے عقل سے معدود ہیں...!“

بوڑھے آدمی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ مگر وہ کچھ بولا نہیں۔ سر جھکائے خاموشی سے ناشتہ کرتا رہا۔ ”کیا تم واقعی بھکاری ہو؟“ صدر جنگ نے پوچھا۔ ”لا حول ولا قوة...!“ نوجوان نے بر اسمانہ بنایا۔ ”پھر...?“ صدر جنگ کے لجھ میں حیرت تھی۔ ”اگر بھوکا ہونے کا مطلب بھکاری ہوتا ہے تو ہم سب رات کو لارڈ ماونٹ بیشن کی طرح سوتے ہیں اور سچ بھکاری اٹھتے ہیں۔“

”یار تم تو برقاط معلوم ہوتے ہو۔“ مٹشی کرامت علی ہارڈی نے کہا۔ نوجوان آدمی جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ صدر جنگ بول پڑا۔ ”پھر تم کیا بلا ہو...؟“ ”سر کار... ہم لوگ...!“

”سر کار نہیں! باس!“ صدر جنگ انگلی اٹھا کر بولا۔ ”ہمیں گھے پے القاب سے نفرت ہے!“ ”خیر... خیر...“ نوجوان نے سر ہلا کر کہا۔ ”ہم لوگ بالا گرے بس پر ساجد نگر جا رہے تھے... راستے میں بس الٹ گئی... ویسے ہم لوگ مسٹری ہیں بندوق باتے ہیں... اور یہ میرے چچا تو استاد ہیں۔ چچ فائز کی ٹولی بور بنایتے ہیں...“

”چچ فائز کی ٹولی بور...؟“ شارٹی مفعکانہ انداز میں بولا۔ ”ہاں چچ فائز کی!“ نوجوان نے سینے پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”کیا جھوٹ سمجھتے ہو میاں کمال تو یہ

ہے کہ نال صرف ایک ہوتی ہے....“

”واقعی کمال ہے.... بھلاوہ کیسے؟“ صدر جنگ نے پوچھا۔

”بہت آسانی سے... اس میں بھی ریو اور کی طرح چیز ہوتے ہیں، اور گردش کرتے ہیں اور ہلکی اتنی کچھ بھی لٹکائے لٹکائے گھومتا پھرے... ہم دراصل ایسی ہی ایک بندوق بڑے آدمی کے لیے بنانے جا رہے تھے....“

”بڑے آدمی کے لیے!“ صدر جنگ نفرت سے ہونٹ سکوڑ کر بولا۔ ”کون ہے وہ بڑا آدمی؟“

”بڑی عورت کہنے... رانی ساجد نگر!“ نوجوان نے کہا۔

”اوہ...“ صدر جنگ نے غرا کر ہاتھ روک لیے۔ چند لمحے نوجوان کو کڑی نظرؤں سے گھوڑا تار ہاپھر بولا۔ ”ہماری دشمن کے لیے بندوق بنانے جا رہے تھے اور ہماری ہی میز پر...“

”آپ کی دشمن۔“ نوجوان نے حیرت سے دھر لیا۔

”پشتی دشمن... یہ دشمنی شاہجہاں کے وقت سے چلی آ رہی ہے۔“

”تب تو بندوق ہرگز نہیں بن سکے گی۔“ نوجوان نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔ ”آپ اتنے اچھے آدمی ہیں... نہیں چچا جان... اب ہم وہاں ہرگز نہیں جائیں گے۔“

بوڑھے نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں الجھن کے آثار تھے۔ غالباً اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔

”آپ ڈر یے نہیں چچا جان۔“ اس نے بوڑھے سے کہا۔ ”یہ بھی بہت بڑی سر کار ہے۔ رانی ساجد نگر ہمارا کچھ نہیں بجا رکھتیں۔“

”مجاہل ہے کوئی آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے....“ صدر جنگ غریا پھر بوڑھے آدمی سے بولا۔ ”بڑے میاں تم قطعی نہ ڈرو... سمجھے... ہماری پناہ میں آیا کتے کا پلا بھی خود کو محفوظ سمجھتا ہے۔“

تم ہمارے لیے بندوق بناؤ مالا مال کر دیں گے.... مگر تم تو کچھ بولتے ہی نہیں۔“

”تھے بولنا ہی بہتر ہے۔“ نوجوان سر ہلا کر بولا۔ ”جب بھی بولیں گے کوئی بے دوقنی ہی کی بات بولیں گے۔ اس لئے خود ہی خاموش رہتے ہیں۔ اس معاملہ میں کافی سمجھدار ہیں...“

”پھر بھی وعدہ کرو کہ ہمارے لیے بندوق بناؤ گے“ صدر جنگ نے بوڑھے سے کہا۔

”بہت اچھا جناب...“ بوڑھے نے پھنسی پھنسی ہی آواز میں کہا اور بے بی سے نوجوان کی

طرف دیکھنے لگا۔

”مگر..... یہ ہے ٹیڑی ہی کھیر!“ نوجوان متکرانہ انداز میں بولا۔ ”ہم گھر واپس گئے تو رانی صاحبہ ہمیں پکڑ بلوائیں گی.... کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ ہم یہیں چھپے رہ کر آپ کا کام کرتے رہیں....“

”بڑی خوشی سے... بڑی خوشی سے!“ صدر جنگ میز پر ہاتھ مار کر دھاڑا۔ ”چین کی ضرورت نہیں۔ یہیں رہو اور علایہ گھومو پھرو۔ دیکھتا ہوں کہ وہ شترزادی تمہارا کیا باڑ لیتی ہے۔“ ”شترزادی“ پر دونوں مصاہبوں نے زور دار قہقہے لگائے اور ان میں سے ایک اس کے بالائی شوہر کی شان میں قصیدہ پڑھنے لگا۔

نہ جانے کیوں نینا اس گفتگو سے مطمئن نہیں تھی۔ نوجوان اسے پا فراز معلوم ہو رہا تھا لیکن وہ کچھ نہ بولی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ بس اتنے کی وجہ سے وہ اتنی زیادہ گرد میں کیسے اٹ گئے ہوں گے جبکہ بالا گمراہ اور ساجد گمراہ کچھ اور شفاف بڑک پھیلی ہوئی ہے اور سڑک کے دونوں جانب کی زمین بھی خخت ہے۔

تقریباً دس بجے وہ چاروں شکار کے لیے نکل گئے۔ صدر جنگ تو ان دونوں کی طرف سے مطمئن ہی نظر آ رہا تھا لیکن نینا ملاز میں کوتا کید کر کے گئی تھی کہ وہ ان پر نظر رکھیں...! تھہائی نصیب ہوتے ہی ڈاکٹر اور عمران پر برس پڑے...!

”اوٹالا نق اب یہ کس مصیبت میں پھنسا دیا۔ ارے میں کوئی لوہار ہوں کہ بندوق بنانے بیٹھوں گا۔“

”خدا کا شکر اوس کیجھ کہ اتنی جلدی سرچھانے کو جگہ بھی مل گئی ہے۔ جب تک جی چاہے ہرے سے چھپے رہیے!“

”مگر یہ بندوق...!“

”مجھ پر چھوڑیے!“

”آخر تم اس سلسلہ میں کیا کرو گے...؟“

”ارے تو وہ ایک دن میں تو بن نہ جائے گی۔“ عمران جھنجلا کر بولا۔ ”لکڑی کے ایک تنے، بندوق کے کندھے کی ڈرائیگ کر کے آپ کو دے دوں گا۔ بیٹھے ریتی سے گھسا کیجھے گا۔“

چند لمحے خاموش رہا پھر باہمیں آگھہ دبا کر بولا۔ ”اور میں تال ڈھلواتا پھر دوں گا کم از کم دل

پدرہ دن تو گزری جائیں گے۔“

”مگر ہم واپس کیوں نہ چلیں....“

”صرف میں.... آپ نہیں.... میں اسے پسند نہ کروں گا کہ وہ آپ کو گوئی مار دیں۔“

”میں فوج بلوالوں گا۔“

”جو کچھ میں کہہ رہا ہوں آپ کو وہی کرنا پڑے گا!“.... عمران نے سخت لہجے میں کہا۔

O

دفعتا کہرے کی نیند اچٹ گئی.... عجیب قسم کا ہلکا سا شور کمرے میں گونج رہا تھا وہ بترے اچھل کر فرش پر آیا اور تیزی سے ایک الماری کی طرف چھپا۔ شور کی آوازیں اسی الماری سے آرہی تھیں.... یک بیک شور قسم گیا اور ہمگ بوکھلانے ہوئے انداز میں الماری سے فون کی طرف چھپا۔

دوسرے ہی لمحے میں وہ ماڈ تھے پیس میں کسی سے کہہ رہا تھا۔ ”یہلو.... یہلو ڈیوٹی پر کون ہے.... اوفہ.... راجن کو فوراً بھیجو.... فوراً جس حال میں بھی ہو!“

اب وہ رسیور کریڈل میں ڈال کر پھر الماری کی طرف مڑا اور اسے کھول کر اس چھوٹے سے زانسیٹر کا جائزہ لینے لگا جس سے سرخ رنگ کی بکلی سی روشنی پھوٹ رہی تھی۔

”یہ تو.... ٹھیک ہے....“ وہ زیر لب بڑی بڑی۔ پھر چھپے ہٹ کر مضطربانہ انداز میں سر پر اٹھ پھیڑتا ہوا بڑی بڑی۔ ”تو کیا... سب کچھ جتابہ ہو گیا....“

چند لمحے کھڑا الماری کی طرف گھورتا رہا پھر الماری بند کر کے اس میز کی طرف آیا جس پر ایک بوٹی اور دو گلاس رکھے ہوئے تھے۔ لیکن پھر نہ جانے کیوں پینے کا ارادہ متوجی کر کے چور اڑواڑے کی طرف چھپا۔

خوڑی ہی دیر بعد وہ محل کے باہر تھا....! جنوبی افق میں آسمان تاریک نظر آ رہا تھا۔ ”اوہ.... تو کیا چھے ہے....“ وہ غریا اور مضطربانہ انداز میں ٹھہنے لگا۔ اس نے ریڈیم ڈائل

الماری دیکھی پانچ نو ہے تھے.... وہ ٹھہنارہ۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ ایک کار آکر کی اور ایک آدمی کو دکر باہر آیا۔

”راجن....“ کہڑا جلدی سے اس طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”اپکچھ جتابہ ہو گیا۔“

ہر جب وہ آگے بڑھ رہے تھے دفعہ تینہ بگ کی خوبیاگاہ کے فون کی گھنٹی بیجی....!
”میں ایک منٹ میں واپس آیا ذار لنگ...!“ بہبگ کمرے کی طرف جھپٹتا ہوا بولا۔
فون پر دوسرا ٹرف سے راجن کی آواز سنائی دی۔ جو کہہ رہا تھا۔ ”سب کچھ خاک میں مل
میباں! وہاں اب کچھ بھی نہیں ہے....!“
”بس ختم!.... اے بھول جاؤ!“ بہبگ نے کہا اور سلسلہ متقطع کر دیا۔
پھر وہ دونوں متعدد راہداریوں سے گذرتے ہوئے ایسی جگہ پہنچ جہاں رانی کو رک جانا پڑا۔
کیونکہ بہبگ اچانک تحریر انداز میں اچھل پڑا تھا۔
”کیوں؟ کیا ہوا.... وہ بوکھلا کر بولی۔“

”وہ دیکھو.... اس کمرے کا دروازہ کھلا ہوا ہے ہے میں نے اپنے ہاتھ سے مقفل کیا تھا۔“
ہبگ نے بھرائی ہوئی سی آواز میں کہا۔
”کس کا کمرہ....?“
” عمران کا...!“
”اوہ.... مگر....!“
”اوہ دیکھیں....“ بہبگ اس کمرے میں لا یا جو بالکل خالی تھا۔
”تم نے کمرے کو مقفل کیا تھا۔“ رانی نے اسے گھوڑ کر کہا۔ ”تمہیں ہوش کہاں تھا میں نے تو
تمہارے کمرے میں بھجوایا تھا.... اور تم اس وقت بے خبر سو رہے تھے۔“
”تو پھر میں نے خواب دیکھا ہو گا.... مگر....“

”ہاں۔ حیرت کی بات ہے.... کیونکہ کہہ تم نے مقفل کیا تھا۔“ رانی تشویش کن لمحے میں
بلد ”اگر واقعی نکل گیا تو بڑی بد نامی کاسامنا کرنا ہو گا۔“
”چشم میں جائے.... اچھا خاصاً مودتباہ کرو یا مردوں نے....“ بہبگ غریا۔
پھر محل میں چاروں طرف گھنیاں بننے لگیں۔ گوشہ گوشہ چھان مارا گیا۔ لیکن انکا پا گل
کھان کہنی شدلا....

”الیک۔ پی کو فون کرو....“ رانی نے بہبگ سے کہا۔
”کر دیا جائے گا.... چلو.... فی الحال اپنی خواب گاہ میں چلو۔“ بہبگ بولا۔ پھر وہ اسے خواب گاہ
ملالیا اور دروازہ بند کر کے بولا۔

”نہیں....!“ آنے والے کے لمحے میں حیرت تھی۔
”ہاں.... جاؤ دیکھو.... اور واپس آکر مجھے اطلاع دو....“
”مم.... مگر.... جتاب والا.... میں نے دھماکے کی آواز نہیں سنی.... جاگ ہی رہا تھا۔“
”دھماکہ....“ کبڑا مسکرا یا۔ ”ہمارے کام کچے نہیں ہوتے۔ وہ نظام ہی ایسا تھا کہ دھماکے
کے بغیر ہی سب کچھ تباہ ہو جائے.... اب وہاں ٹیلوں کے بجائے پھرولوں کے ڈھیر ہوں
گے.... بس ایسا ہی لگتا ہو گا جیسے زمین پھٹی او جنگل کا کچھ حصہ اس میں سما گیا۔“

”یہ تو بہت برا ہوا.... مگر کیسے....?“

”جاو....“ کبڑا ہا تھہ ہلا کر بولا۔ ”اور مجھے فون پر اطلاع دینا....!“
راجن و اپس چلا گیا۔ بہبگ پھر اپنی خواب گاہ میں واپس آگیا۔ پھر کچھ دیر بعد ایسا معلوم
ہونے لگا جیسے اس نے رات کو شب خوابی کا لباس پہنانا ہی نہ ہو۔ اب وہ کریم کلر کے سوٹ میں تھا۔
اس نے رانی کی خواب گاہ کے دروازے پر پہلے تو بلکل سی دستک دی اور پھر کچھ دیر انتظار
کرنے کے بعد گھنٹی پر انگلی رکھ دی۔ اندر سے گھنٹی کی تیز آواز آئی۔ ساتھ ہی رانی کی کراہ بھی
ٹنائی تھی۔ پھر دروازہ کھلا۔

”اوہ.... ہمی....!“ رانی کے لمحے میں حیرت تھی۔

”ہائے میرے خواب....!“ کبڑا گلتگیا۔

”ہٹو بھی! تم توڑا دیتے ہو....!“

”میں خواب میں دیکھ رہا تھا ذار لنگ.... کہ آنکھ کھل گئی....“

”اوہ اندر آؤ....!“

”نہیں بس! میں تو صرف تمہیں ایک نظر دیکھنا چاہتا تھا.... دیے کیا اس وقت تم میرے
ساتھ باغ میں ٹھہنٹا پنڈ کرو گی؟“

”اوہ.... ہوں.... کیوں نہیں! مگر آج یہ نئی بات کیوں؟“

”تم جانتی ہو کہ میری زندگی میں اگر ہر لمحہ کوئی نئی بات نہ ہوتی رہے تو میں بور ہو کر
جاوں گا۔“

”اوہ سمجھی! اچھا ٹھہر و... نہ، نہ اس تبدیل کر لوں۔“

بہبگ کمرے میں نہیں گیا باہر ہی کھڑا ہو کر انتظار کرنا ہا۔ تھوڑی دیر بعد رانی باہر آئی۔

پھر وہ سب بیٹھ گئے.... اب عمران کا مرکز نظر شاء اللہ شارٹی تھا۔
 ”تم مجھے کیوں گھور رہے ہو؟“ شارٹی فرش پر پیر مار کر غرایا۔
 ”گھورنے کی چیز ہو پیارے۔“ عمران کی آنکھوں میں شرارت ناق رہی تھی!
 ”لیا مطلب....؟“ شارٹی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔
 ”دھیرجن! دھیرجن!“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میں غلط نہیں کہہ رہا۔... امریکہ چلے جاؤ تو
 لکھ لگ جائے تم پر....“
 ”باس! وہاپنی ہتھیل پر گھونسamar کر گر جد۔“ میں نہیں برداشت کر سکتا۔
 ”مت برداشت کرو۔“ صدر جنگ نے لاپرواں سے کہا۔
 اب نینا کو عمران کی عافیت خطرے میں نظر آنے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ شخ شاء اللہ شارٹی کسی
 ارنے بھینے کی طرح مضبوط اور عقل سے خالی ہے۔
 عمران بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ اس وقت ان لوگوں سے جان چڑانا مشکل ہی ہو گا کیونکہ
 اس نے شارٹی کے اس رویہ پر صدر جنگ کی آنکھوں میں سرت آمیز چمک دیکھی تھی۔
 ”لیکن!“ عمران نے ہاتھ اٹھا کر حقارت آمیز لمحے میں کہا۔ ”یہاں جلد ناکافی ہو گی۔“
 ”لان پر نکل چلو!“ صدر جنگ بولا۔ اس کی آواز میں سرت آمیز ارتعاش تھا۔
 ”اندھیرے میں.... نینا نے ہانپتے ہوئے بات ٹالنے کی کوشش کی۔
 ”ہارڈی....!“ صدر جنگ نے منٹی کرامت علی کو خاطب کیا۔ ”چار پیڑوں میکس یا پ۔
 ”وشن کرو اور جلدی....!“
 ”لل..... لیکن باس!“ نینا بد حواس ہو کر بول پڑی۔ ”اگر یہ حضرت نوٹ پھونٹ گئے تو....
 بھرندوں....“
 ”پروادا نہیں....“ صدر جنگ ہاتھ جھٹک کر بولا۔
 ”مر گئے تو ٹوٹے پھوڑنے والے!“ عمران نے کسی شریر اور ضدی پیچے کی طرح کہا۔
 ذرا ہی سی دیر بعد لان کا برا حصہ روشن ہو گیا۔ اس ہنگامے کی اطلاع ڈاکٹر داور کو بھی ہو
 لی تھی۔ وہ بوكھلائے ہوئے دوڑے آئے اور صدر جنگ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ ان کا بھتیجا
 لیکے ہے وہ اسے معاف کر دیں۔ لیکن صدر جنگ نے گردن جھٹک دی۔
 ”ناممکن.... شارٹی پاگل ہو جائے گا اگر وہاپنی تو ہیں کابدله نہ لے سکے۔“

”اس گوشے میں کھڑی ہو جاؤ۔... اور مجھے بلڈ اگ بے پوکی طرح پکارو دارنگ....!“
 ”ہمیں.... رانی اٹھلائی۔“
 ”نہیں.... پکارو!“ ہمگ نے سکاری لی اور گھٹنوں کے مل زمین پر گر پڑا۔
 اب وہ کتوں ہی کی طرح گھٹنوں اور ہتھیلوں کے مل چل رہا تھا۔
 ”ہمیں.... اٹھو.... نہیں۔“ رانی پھر بھکی۔
 ”نہیں.... مجھ سے میری سر تیس نہ چھینو!“ ہمگ نے دردناک لمحے میں کہا۔ ”تم نہیں
 جانتیں، مجھے کتنا سکون ملتا ہے.... جب تم مجھے بے پوکہہ کر پکارتی ہو اور میں تمہارے گردناپتے
 لگتا ہوں.... پکارو.... پکارو.... خدا کے لیے پکارو۔“
 ”بے پو....!“ رانی کی سریلی آواز کرے میں گوئی اور ہمگ کسی سردی کھائے ہوئے پلے
 کی طرح چیاں چیاں کرتا ہوا اس کے قدموں میں لوٹنے لگا۔

○

رات کے کھانے پر ہر ان کا گوشت تھا۔ آج انہوں نے دو شکار کئے تھے۔ کھانے کے بعد وہ
 کافی توشی کے لیے لا ببری ی میں آئے جس کی الماریاں ایکشن سے بھر پور امریکی نادلوں سے بھری
 ہوئی تھیں۔

”اچھا.... چچا جان....!“ عمران نے ڈاکٹر داور کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ”اب تم جاؤ رہے
 رات بھر خواب میں خرگوش مارتے پھر دے گے.... کیا میں تماری پیشانی پر رخصتی بوسہ رسید کر
 دوں....“

”ویری.... گذ....!“ صدر جنگ عمران کو حسین آمیز نظروں سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”میں تم
 میں ایک اُتل درجے کا کاؤ بوانے دیکھ رہا ہوں۔ وہ بھی باپ اور چچا سے دوستوں کی طرح پیش
 آتے ہیں....“

ڈاکٹر داور بڑاتے ہوئے چلے گئے.... انہیں واقعی عمران کے اس بے لکھ تناظر پر غصہ آگیا
 تھا۔ جیسے ہی انہوں نے لا ببری سے قدم نکالا۔... وہ سب اوپنی آوازوں سے نہ پڑے۔ لیکن
 نینا خاموش رہی۔.... عمران نے اسے اس انداز میں گھور کر دیکھا جیسے اس نے تھہہ نہ لگا کر عمران
 کی شان میں گستاخی کی ہو....!“

کو شش کر رہا تھا.... اور اس کی آنکھوں سے کینہ توڑی جھلک رہی تھی۔
جشن کیا تھا اچھا خاص طوفان بد تیزی تھا.... صدر جنگ کے ملازمین باور پرچی خانے سے خالی
کنسرٹ اٹھا لائے تھے اور انہیں پیٹ پیٹ کر لائے سیدھے گیت کاربے تھے.... ایک بیجوں کے
سے انداز میں ناج بھی رہا تھا۔ پھر کچھ دیر بعد یہ ہنگامہ ختم ہوا اور کافی کادور چلنے لگا.... اسی دوران
میں عمران نے شیخ شاء اللہ شارثی کو آنکھ مار دی۔

”ابے تو کیوں میرے پیچھے پڑ گیا ہے؟“ وہ دانت پیش کر چینا۔

”کیا بات ہے؟“ صدر جنگ چونک پڑا۔

”آنکھ مارتا ہے باس....!“

صدر جنگ نے قبیلہ لگایا اور دیر تک ہنستا رہا۔ دوسرا بھی بنس رہے تھے۔
لڑکے میرے آدمیوں میں شامل ہونا پسند کرو گے۔“ کچھ دیر بعد اس نے عمران سے
پوچھا۔

”باس!“ نینا عمران کے جواب سے پہلے بھی بول پڑی۔ ”ہم نہیں جانتے یہ کون ہے؟“

”کوئی اس!“ وہ ہاتھ جھٹک کر بولا۔ ”یہ بھی نہیں جانتا کہ ہم کون ہیں؟“

”میں آپ سے متفق نہیں ہوں!“ عمران نے مایوسانہ انداز میں سر پلا کر کبھا۔

”کیا مطلب....؟“ صدر جنگ میرے ہاتھ مار کر اس کی طرف مڑا۔

”اگر میں نہ جانتا ہو تو کہ یہ کتنی بڑی سر کار ہے....!“

”چاپلوسی نہیں....!“ صدر جنگ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میں کوئی بھی نہیں جانتا۔ آج تک
کوئی سمجھ ہی نہیں سکا کہ ہم کیا ہیں....“

”لوکے بیٹے!“ نینا نے دل میں کہا اور عمران بولا۔ ”میں آپ کو سمجھنے کی کوشش کروں گا۔
 وعدہ کرتا ہوں.... باس آپ اس قابل ہیں کہ ساری دنیا میں آپ کی شہرت ہو جائے.... اور یہ
ممکن ہے....“

”وہ کس طرح....؟“ صدر جنگ نے پر اشتیاق لجھ میں پوچھا۔

”بڑی آسانی سے!“ عمران نے شیخ شاء اللہ شارثی کو گھورتے ہوئے کہا۔ پھر اس کی طرف
ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”ایسے ایسے نادر الوجود کا وہ بوانہ پال رکھے ہیں آپ نے بھلا یہ کس دن کام آئیں
گے....“

جب ڈاکٹر داور کو یقین ہو گیا کہ یہ آئی میں سکتی تو چپ چاپ دہاں سے ٹپے گئے۔ بھلا
انہیں اس طوفان بد تیزی سے کیا لوچپی ہو سکتی تھی....

جیسے ہی وہ مقابلہ ہوئے۔ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اچھا بھائی شیخ شاء اللہ شارثی اگر کوئی ہاتھ
ذر ازور سے پڑ جائے تو معاف کر دینا.... ویسے اگر تم مجھے ایک ہاتھ بھی مار سکے تو میں بھی
تمہاری طرح سر منڈوا کر ڈاڑھی رکھ لوں گا....“

شارثی اس پر شیر کی طرح دھاڑنے لگا تھا۔ نینا جس خوف سے کانپ رہی تھی کیونکہ وہ اس
سے پہلے بھی کئی بار شارثی کے ہاتھوں دوسروں کی مرمت کا نظارہ کرچکی تھی.... وہ ایک
اچھا خاص ماکا باز تھا۔

پھر مقابلہ شروع ہو گیا۔ شارثی نے پہلی کی..... یعنی عمران پر چھلانگ لگائی لیکن عمران نے
بڑی پھر تی سے ایک طرف ہٹتے ہوئے بیاں ہاتھ اس کے جیڑے پر رسید کر دیا اور پھر غرایا۔ ”نمبر
ایک....!“

شارثی بڑی طرح لڑکھڑا گیا مگر گرا نہیں کیونکہ وہ خود بھی کافی جاندار تھا۔
مقابلہ جاری رہا.... شارثی بڑی طرح پتارہ اور یہ حقیقت تھی کہ وہ ابھی تک عمران کو ایک
ہاتھ بھی نہیں مار سکتا تھا۔ نینا کی آنکھیں حیرت سے پھیلی ہوئی تھیں اور وہ بڑی طرح ہاتھ
تھی۔ آخر کار عمران نے آخری ہاتھ مقابلہ کی کنٹی پر رسید کر دیا اور وہ کسی تاوار درخت کی طرح
ڈھیر ہو گیا۔

”بریو!“ صدر جنگ ہاتھ اٹھا کر چینا اور پھر چھلانگ لگا کر گرے ہوئے شارثی پر جھک پڑا۔
اب وہ گفتگو رہا تھا۔ ”ایک.... وو.... تین.... چار۔“

لیکن شارثی ”وس“ پر بھی نہ اٹھ سکا۔ وہ بے چارہ تو بے ہوش ہو چکا تھا۔

”بریو!....“ صدر جنگ عمران کا ہاتھ اور اٹھاتا ہوا غرایا.... ”ابے تم مستری ہو؟“

”جی ہاں.... اور آدمیوں کی مرمت کا اسیٹلٹ!“ عمران نے بڑی سعادت مندی سے
جوab دیا!....

”آج رات بھر جشن ہو گا.... ہاہاہا!“ صدر جنگ نے قبیلہ لگایا۔ پھر عمران کی پیٹھ پر شوٹکا
ہوا بولا.... ”لوکے میں تمہیں بہت پسند کرنے لگا ہوں اوہ.... بوائے.... مائی بوائے۔“
اور پھر جشن میں شیخ شاء اللہ شارثی بھی شریک ہوا۔ لیکن وہ زبردستی خود کو سنجھا لے رکھنے کا

”پھر مجھ سے بولا....“ شاء اللہ شارٹی چھکاڑا۔
 ”چپ بے خاموشی سے سن....“ صدر جنگ اس پر الٹ پڑا.... چند لمحے خونخوار نظروں
 سے اسے گھورتا را پھر عمران سے بولا۔ ”بیان جاری رہے۔“
 ”پلٹشی!“ عمران متفکرانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔ ”یہ ایسم کا زمانہ ہے.... وہ زمانہ لزرا گیا
 جب شہرت لوگوں کے پیچھے دوڑتی تھی.... اب شہرت کے پیچھے دوڑنا پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر
 مس طمینجہ جان اگر فلموں میں کامنہ کرنے لگتیں تو بھلا نہیں کون جانتا۔ بس اپنے ذیرے پر ہی
 ٹھہک ٹھہک کیا کرتیں....“

”مگر ہم اپنی پلٹشی کس طرح کرائیں....“
 ”یہ رہی آپ کی پلٹشی....!“ عمران نے شاء اللہ شارٹی کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔ جو اس
 وقت ایک ہاتھ سے ڈالا گی سہلار ہاتھا اور دوسرا ہاتھ سے منڈے ہوئے سر پر چمپی کر رہا تھا۔
 ”میں تمہیں گولی مار دوں گا۔“ وہ دونوں ہاتھ بیمز پر چٹک کر بولا۔
 ”میں اس کے لیے بھی تیار ہوں.... کیوں باس.... چلیں لان پر۔“ عمران نے صدر جنگ
 سے پوچھا۔

”نہیں پہلے پلٹشی کا طریقہ بتاؤ....“
 عمران خاموشی سے کافی پیتا رہا۔ اس کے چہرے پر محنت کے آثار نہیں تھے اس وقت وہ
 ایک شوخ اور کھلنڈر الٹکا معلوم ہو رہا تھا۔

”حرمت انگریز چیزیں بہت جلد مشہور ہو جاتی ہیں۔“ وہ پکھ دیر بعد بولا۔ ”مثال کے طور پر
 ایک سڑک سے روزابہ ہزاروں آدمی گزرتے ہیں لیکن کوئی ان کی جانب متوجہ نہیں ہوتا
 اچھا فرض کیجئے آپ کی نظر سے کوئی ایسا آدمی گزرے جو بہترین سوت پہنے اور گلے میں پہنے
 پرانے جو توں کاہد لکائے سڑک سے گزرے... تو اس کا کیا حال ہو گا... بھیز لگ جائے گی نا۔“
 ”ابے کیوں میری مٹی پلید کرائے گا.... حرامزادے....!“ شارٹی اپنا سیست پیٹ کر، باز۔

”دھکے دے کر باہر نکلوادوں گا۔“ صدر جنگ غرایا۔ ”تم خاموش کیوں نہیں رہتے۔“
 نینا بے تحاشہ ہنس رہی تھی اور عمران شدت سے سمجھیدہ نظر آ رہا تھا۔
 کچھ دیر بعد جب صدر جنگ پھر جواب طلب نظروں سے اس کی طرف متوجہ ہوا تو اس نے
 بڑی عاجزی سے کہا۔ ”میں اب کچھ نہ کہوں گا۔“

”نہیں کہنا پڑے گا....“ صدر جنگ زانو پر ہاتھ مار کر غرایا۔
 ”اچھا تو سنیے! شیخ شاء اللہ شارٹی کی تصویر اخباروں میں چپنی چاہئے۔ ایسی حالت میں کہ جسم
 پکاڑوائے سوت ہو اور گردن میں ڈھوک لٹک رہی ہو۔“
 نینا پھر بے تحاشہ ہنس پڑی اور شیخ شاء اللہ شارٹی کے طلق سے ایسی ہی آوازیں نکلے گئیں
 جیسے دوستے آپس میں لڑپڑے ہوں.... غالباً اسے اس شدت سے غصہ آیا تھا کہ انہمہر خیال کے
 لیے الفاظ ہی نہیں مل رہے تھے....!
 ”کیا بات ہوئی....!“ صدر جنگ آنکھیں نکال کر غرایا۔ ”ہمارا مضمکہ اڑانا چاہتے ہو؟“
 ”سرکار....!“ عمران ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ ”پوری بات سن لیجئے جو کچھ کہہ رہا ہوں
 اس کے لیے لاکل بھی رکھتا ہوں۔“
 ”کبھی.... لیکن اگر مجھے مطمئن نہ کر سکے تو کھال کھنچوں گا....!“
 ”میری کھال کے زندگی میں نہیں سبک رو قدر ہوں گے.... لیکن خیر.... بائی تو میں
 گزارش کر رہا تھا۔ لیکن نہ ہر نیچے! پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ عجیب و غریب چیزیں جاذب توجہ
 ہوتی ہیں اور ہمیشہ ذہنوں سے چکلی رہتی ہیں.... اس ڈھوک و الی تصویر کے نیچے لکھا ہونا چاہئے
 کہ یہ نواب صدر جنگ بہادر کے ایک ایسے شکاری کی تصویر ہے جو حرمت انگریز طور پر تھا شیر کا
 شکار کرتا ہے یعنی ڈھوک بجا بجا کر خود ہی ہاٹکا کرتا ہے اور پھر شیر کو گولی بھی خود ہی مار دیتا
 ہے.... مچان پر کبھی نہیں بیٹھتا.... لیکن شیر کو مار دینے کے بعد نہ جانے کیوں کتوں کی طرح
 ہونکنے لگتا ہے.... تھہکہ بچ جائے گا ساری دنیا میں ذرا امیری تجاویز پر عمل کر کے تو دیکھئے۔“
 صدر جنگ چند لمحے سوچتا را پھر بے تحاشہ ہنسنے لگا۔
 ”بہترین تفریح....!“ وہ اپنے قبھوں پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔ ”واقعی ہم
 خوش ہوئے.... ایسا ہی ہو گا.... اودہ بواۓ.... اودہ بواۓ.... تم آج سے ہمارے عزیز ترین
 ساتھی ہو....!“
 پھر وہ خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا اس کی نگاہ نینا کے چہرے پر جم کر رہی تھی اور شارٹی قدر
 آکوں نظروں سے عمران کو گھوڑے جا رہا تھا۔
 کچھ دیر خاموشی رہی پھر دفتا صدر جنگ بولا۔ ”لیکن تم میری یکروڑی سے عشق کرنے کی
 کوشش نہیں کرو گے سمجھے.... جوان آدمی....“

”پچھے نہیں....“ عمران کی سوچ میں ڈوب گیا۔ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر سر انھا کر پوچھا۔
”آپ کا وہ میلیسکوپ کیمروہ کہاں ہے جس سے آپ نے بے آواز سیارے کی تصویریں لی تھیں؟“
”محفوظ ہے.... تم اس کی فکر نہ کرو.... وہ لوگ مجھے تہہ خانے میں قید کر دینے کے باوجود
بھی اس کے متعلق کچھ نہ اگلوں کے۔“ ڈاکٹر داور نے فخریہ لجھ میں کہا۔

”ہام....!“ عمران دانت پر دانت جما کر بولا۔ ”ایسی خلا کار مادے کی طرح محفوظ ہو گا جسے
تھریسا بیبل بی ازا لے گئی تھی....!“

”اوہ....“ ڈاکٹر داور شہلے شہلے رک گئے ان کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار تھے۔
”پھر بتاؤ.... میں کیا کروں؟“ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔
”اپنی پہلی فرست میں مجھے اس جگہ کا پتہ بتائیے جہاں آپ نے اسے چھپا لیا ہے۔“
”آبزر ویٹری ہی میں ایک جگہ....“

عمران اس طرح کراہی جیسے کیسی نے اس کے سر پر ڈنڈا ر سید کر دیا ہو۔
”کیوں کیا بات ہے....?“ ڈاکٹر داور بوكھلا گئے۔

”جو لوگ آپ کو غائب کر سکتے ہیں.... کیا وہ اسے تلاش نہ کر سکیں گے؟ ہو سکتا ہے کہ
انہوں نے اطمینان سے تلاش جاری رکھنے ہی کے لیے آپ کو دہاں سے ہٹایا ہو۔“
”وغشا کسی نے دروازے پر دستک دی۔“

”کون....?“ ڈاکٹر داور چونک پڑے۔
”دروازہ کھولو۔“ پاہر سے آواز آئی۔

عمران خود انھا اور ڈاکٹر داور کو بینھے جانے کا اشارہ کرتا ہوا دروازے کی طرف بڑھ گیا۔
باہر سے دستک دینے والا غشی کرامت علی ہارڈی تھا وہ ان دونوں کو گھورتا ہوا کمرے میں
داخل ہوا۔ یہ ایک کم خن آدمی تھا لیکن اس وقت ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی آتش فشاں ہی کی
طرح پھٹ پڑے گا۔

”تم اپنے کو کیا سمجھتے ہو؟“ وہ عمران کی طرف مکاتاں کر دہاڑا۔

”لیا بات ہے پیارے.... کیوں خفا ہو رہے ہو؟“ عمران مسکرا کر بولا۔
”میں تمہیں گولی مار دوں گا.... لفٹے ہو تم.... بد معاش.... آوارہ.... میرے باس میں
ساتھ کسی قسم کا فراڈ کرو گے۔“ تم لوگ مستری نہیں ہو.... پچھلے ایک سال سے آج تک بالا نگاہ

”ان سے عشق کروں گا....!“ عمران نے حقارت آمیز لجھ میں کہا۔ ابھی ان کی عمر ہی کیا
ہے.... ارے جناب! استر ستر سال کی بوڑھیاں پچھے لگی رہتی ہیں مگر میں کسی کو لفٹ نہیں دیتا
ویسے مجھے اپنی بکری کے علاوہ آج تک کسی اور سے عشق نہیں ہوا۔ کیونکہ وہ صبح شام ہے حالی ہے
دو دھو دیتی ہے اللہ اللہ۔“

بننا شرم اور جھلائیت کے ملے جملے اثرات کے تحت بوکھلا کر اٹھی اور تیزی سے بال سے
نکل گئی۔ یہ ہنگامہ ایک بجے رات سے زیادہ نہ رہ سکا کیونکہ صدر جنگ دن بھر کا تھا ہوا تھا۔ ویسے
عمران تو یہی سمجھا تھا کہ ”رات بھر جشن“ والی دھمکی کو عملی جامہ ضرور پہننا چاہئے گا.... اس نے
بھی اطمینان کا سانس لیا اور اس کرے میں چلا آیا جوان ”چچا سمجھے“ کوش ببری کے لیے ملا تھا۔
ڈاکٹر داور جو بے چینی سے ٹھیل رہے تھے۔ عمران کو دیکھ کر رک گئے۔ چند لمحے عمران
کو گھورتے رہے پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔ ”یہ کس جنگاں میں پھنس لیا تھا۔ اب بیہاں سے
نکلنے کی کیا صورت ہو گی مگر کیوں؟ میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ تم خود ہی یہاں الجھے رہنا چاہتے ہو۔“
”آج کل میرا دماغ قابو میں نہیں.... یہ تو آپ جانتے ہی ہیں۔“ عمران مسکرا یا۔

”مجھے یقین نہیں....“

کچھ دیر خاموشی رہی پھر عمران پلنگ پر ڈھیر ہوتا ہوا بولا۔ ”آخر آپ کیا چاہتے ہیں؟“
”ہمیں واپس چلنا چاہئے....“ ڈاکٹر داور متکفر انداز میں بولے۔ ”پھر یک بیک چونک کر
عمران سے پوچھ بیٹھے۔ ”وہاں تمہیں کون لایا تھا؟“

”کیا آپ بھی میرے اسی سوال کا جواب دے سکتے گے؟“ عمران نے پوچھا۔
”میں نہیں جانتا ایک رات سکون سے سویا ہوا تھا۔ آنکھ کھلی تو اس تہہ خانے میں تھا۔
میرے خدا.... لیکن تم کیسے ان لوگوں کے ہمچے لگے تھے؟“
”میں بھی نہیں جانتا۔ رانی ساجد نگر کے محل میں سویا گھا.... جھونپڑوں کے خواب دیکھ رہا
تھا کہ کسی نے غلطی سے اس مقبرے میں پہنچا دیا۔“

”رانی ساجد نگر کے محل میں۔“ ڈاکٹر داور نے حرمت سے کہا۔ پھر کچھ پوچھنا چاہتے تھے کہ
عمران بول پڑا۔ ”اس دوران کبھی کسی کبڑے سے بھی ملاقات ہوئی تھی مطلب یہ کہ اس تہہ
خانے میں پہنچنے سے پہلے یا بعد میں۔“

”نہیں.... کبھی.... نہیں.... کیوں؟“

”وہ کون سا کارڈ ہے پیارے مشی جی؟“
 ”ابھی ہم نے ایک خاص بات کی طرف بس کی توجہ نہیں دلائی....!“
 ”یار وہ خاص بات بھی جلدی سے بتاؤ لو....“ عمران نے مضمون انداز میں کہا۔ اور مشی
 کرامت علی ہارڈی کا غصہ انتہائی حدود پر پچھے لگا۔
 ”تم دونوں بھی ان نامعلوم آدمیوں سے تعلق رکھتے ہو جو ہم سے یہ کوئی خالی کرا
 لیناچاہتے ہیں۔ جہاں میں نے اس طرف توجہ دلائی تمہاری کھال کھنپوں جائے گی۔ سمجھے! اور
 مجھے یقین ہے کہ تم دونوں انہیں میں سے ہو۔“
 عمران نے ایک طویل سانس لی اور مشی کرامت علی نے ایک زہریلے قبیہ کے بعد کہا۔
 ”لیکن میں تم جیسے حیرت آدمیوں پر ایک احسان کرنا چاہتا ہوں!“
 ”اوہو.... تو احسان کرنے سے پہلے اس کی نوعیت بھی بتاؤ....“
 ”جاو.... جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے چلے جاؤ.... کیونکہ آج کل میں لاشیں دیکھنے
 اور انہیں دفن کرنے کے موذ میں نہیں ہوں.... تم دونوں بھیں کہیں دفن کر دیئے جاؤ گے اور
 کسی کو کافنوں کاں خبر نہ ہوگی۔“
 ”ارے باپ رے....“ عمران خوفزدہ انداز میں لرزنے لگا۔
 مشی کرامت علی ہارڈی نے پھر قبیہ لگایا۔
 ”اے مشی جی....! اے مشی جی رحم کرو ہمارے حال پر!“ عمران گزر گزایا۔ ”کان پکڑتا ہوں
 کہ اب تم دونوں سے نہیں الجھوں گا۔“
 ”اور دوسرا بات....!“ مشی کرامت علی ہارڈی لاپرواہی سے بولا۔ ”یہ بھی ممکن ہے کہ
 شارٹی تمہیں گوئی مار دے.... وہ بڑا کینہ توز آدمی ہے۔“
 ”پھر ہمیں کیا کرنا چاہتے؟“ عمران نے بڑے سعادت مندانہ انداز میں پوچھا۔
 ”بھاگ جاؤ.... جتنی جلد ممکن ہو سکے.... میں اس پوری بھیڑ میں سب سے زیادہ شریف
 آدمی ہوں....“
 ”مگر اس وقت رات کو...“
 ”صح کو سمجھی!“ کرامت علی سر ہلا کر بولا۔
 عمران کچھ کہنے والا تھا کہ اندر سے ایک جیتنی سنائی دی۔ پھر ایسا ہوا معلوم ہونے لگا جیسے کچھ

اور ساجد نگر کے درمیان شریف کا کوئی حادثہ نہیں ہوا۔“
 ”تمہیں یہ اطلاع اپنے بس کو ہی دینا چاہتے تھی۔ بھلا مجھے بتانے سے کیا فائدہ!“ عمران نے
 لاپرواہی سے شانوں کو جنبش دی۔
 ”اب وہ کسی کی کچھ نہیں سنبھلے گے.... تم پکے چالباز اور مکار ہو! وہ کہتے ہیں کچھ بھی ہو،
 میں اس نوجوان سے دلخیش ہوتا پسند نہ کروں گا....!“
 ”عقلمند آدمی ہیں۔“ عمران نے سر ہلایا۔
 ”ارے.... اوہر دیکھو!“ مشی کرامت علی ہارڈی پھر اسے گھونسہ دکھا کر بولا۔ ”اگر تم نے
 ہم لوگوں سے چھیڑ چھاڑ کی تو اچھا ہو گا۔“
 ”کیا تم لوگوں میں وہ لڑکی بھی شامل ہے۔“ عمران نے بڑی سعادت مندی سے پوچھا۔
 پہلے تو کرامت علی ہارڈی کچھ نہ سمجھا لیکن پھر جب اس طفر کا گلیا پینڈھن کے کسی گوشے
 سے نکل کر یا تو وہ بے تحاشہ عمران پر جھپٹ پڑا۔
 ”جناب۔ جناب....!“ ڈاکٹر داور و دونوں کے درمیان حائل ہوتے ہوئے گزگزارے۔
 ”تم ہٹ جاؤ بڑے میاں....!“ کرامت علی ہارڈی انہیں ہٹانے کی کوشش کرتا ہوا بولا۔
 لیکن وہ بھی بھماری جسم کے آدمی تھے۔
 ”آپ سنئے تو سہی....!“ ڈاکٹر داور نے پھر لجاجت سے کہا۔
 ”آؤ دوست....!“ دفتار عمران مشی کرامت علی ہارڈی کا ہاتھ کپڑ کر بولا۔ ”ہم کہیں الگ
 چل کر کچھ بوجھ لیں....“ پھر ڈاکٹر داور سے کہا۔ ”چچا جان آپ یہیں ٹھہریں میں ابھی وابس آ
 جاؤں گا....“
 وہ دونوں کرے سے نکل کر پورچ میں آئے.... یہاں دو ملاز میں اس وقت چوکیداری کے
 فرائض انجام دے رہے تھے۔
 ”جاو....“ کرامت علی ہارڈی ہاتھ ہلا کر ان سے بولا۔ ”ہم یہاں کچھ گفتگو کرنا چاہتے ہیں
 تم نے رکھوں کے کتے کھول دیئے ہیں یا نہیں....؟“
 دونوں چوکیدار اثبات میں جواب دے کر وہاں سے چل گئے۔
 ”سنو چالاک آدمی!“ کرامت علی ہارڈی نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”ابھی ہمارے ہاتھ میں ایک
 کارڈ باقی ہے.... ہم تمہیں جنم میں پہنچا دیں گے....!“

عمران کو خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔ دفتار نے کسی قسم کا اشارہ کیا اور اس کے دونوں معاً بولوں کے روپ اور ہوشزوں سے باہر نکل آئے۔

”اب بتاؤ!“ صدر جنگ انتہائی سرد لمحے میں بولا۔ ”تم ہر حال میں الگو گے۔“

”میں نہیں سمجھا باس!“ عمران نے تحریر انداز میں پلکیں جھپکائیں.... وہ بھی اسے کڑے نظروں سے گھور رہے تھے۔

عمران کو ان سب کے چہروں پر خونخواری نظر آئی۔ اس نے کچھ دیر قبل منشی کرامت علی ہزاری سے کچھ ایسے آدمیوں کے متعلق ساتھا کہ جو صدر جنگ سے یہ کوئی خالی کرنا چاہتے تھے ہو پچھے لگا کہ کہیں صدر جنگ کے ذہن میں بھی انہیں دونوں کے خلاف شبہات سرنہ ابھاریں کوئی نکہ وہ دونوں پراسرار حالات ہی کے تحت وہاں تک پہنچے تھے۔ ایسی صورت میں ان پر شبہ کیا جانا لازمی تھا.... لیکن ڈاکٹر داور...! عمران کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے پاروں طرف کھڑے ہوئے آدمیوں کے ہاتھوں میں روپی اور تھے اور ان کی تالیں اسی کی طرف اگھی ہوئی تھیں۔ اگر وہ اپنی جگہ سے جبنت بھی کرتا تو سارا جسم چھلنی ہو کر رہ جاتا اور منشی کرامت مل بادری کر (مودہ میں نہ ہونے کے باوجود بھی) وہاں ایک نئی قبر کھو دی پڑتی۔

”سک سر کار...!... سینے تو کسی! میرے پچا جان....“ عمران پھر خوفزدہ انداز میں ہکایا۔

”میرے آدمی اسے تلاش کر رہے ہیں۔“ صدر جنگ غرایا۔ ”تم فی الحال میرے سوالوں کا جواب دو۔“

انتہے میں نینا باہر جانے کے لیے مزدی اور جب وہ ہال سے باہر نکل گئی تو عمران نے ایک چوتھائی فتحہ لگایا۔

”کیا بے ہودگی ہے؟“ صدر جنگ دہاڑا....

”سر کار!“ عمران یک یہک سنجیدہ ہو کر بولا۔ ”اس لڑکی کی پتوں تو تذہیلی ہی کراو تجھے۔“

”کیا مطلب...؟“

”ماںکل ایسا ہی معلوم ہوتا ہے جیسے دو تربوز آپس میں لڑتے جھگڑتے چلے جا رہے“

”مصادیجن اور ملازمین ہاتھوں میں منہ دبائے ہوئے دوسرا طرف مزگئے۔ لیکن ”کھی کھی کی“ کی آوازیں تو سنی ہی جائیں تھیں....

آدمیوں نے آپس میں دھینگا مشتی شروع کر دی ہو۔

”اوہ.... تو پھر وہی....“ کرامت علی کہتا ہوا صدر دروازے کی طرف چھپا۔ نہ جانے کیوں عمران محسوس کر رہا تھا جیسے وہ تین ڈاکٹر داور کی رہی ہو.... وہ بھی کرامت علی کے پیچھے چھپا۔ اندر انہیں ہاتھ پائی کی آوازیں اب بھی آ رہی تھیں۔ دفتار کسی گوشے سے صدر جنگ کی گرجدار آواز ابھری۔

”خبردار.... گولی مار دوں گا.... جو جہاں ہے وہیں ظہرے....!“

”بہاں کیا ہو رہا ہے؟“ عمران نے ہانک لگائی۔

”آج ایک کو بھی زندہ چھوڑوں گا۔“ عمران نے پھر صدر جنگ کی گرج سنی۔

چاروں طرف انہیں تھا۔ کسی کمرے میں روشنی نہیں تھی سارے پیٹرو میکس لیپس بجھے پڑے تھے....!

شوراب بھی جاری تھا۔ کچھ دیر بعد اچانک کئی ٹارچوں کی روشنیاں انہیں میں چکرانے لگیں اور پھر شاگرد پیشے سے کچھ لاٹھیں بھی آ گئیں۔

لیکن ہنگے کی نوعیت عمران کی سمجھ میں نہ آ سکی۔ کوئی نکہ وہاں صدر جنگ کے ملازمین کے علاوہ اور کوئی نہ دکھائی دیا۔ اور شاید انہیں بھی کسی کی تلاش تھی۔ ایک ایک کرہ دیکھتے پھر رہے تھے۔ عمران اپنے کمرے کی طرف چھپا۔ لیکن وہ خالی مل۔ ڈاکٹر داور کا کہیں پتہ نہ تھا۔

”پچا جان!“ اس نے حل پھاڑ کر آواز دی... پھر بوکھلائے ہوئے انداز میں پکارتا ہی چلا گیا۔

”خاموش رہو....!“ پشت پر صدر جنگ کی دہائی سائی دی۔

”س..... سر کار.... پچا جان....“ عمران ہکلا کر رہ گیا۔

”وہ کہاں ہے....؟“

”پپ.... پتہ نہیں! میں کیا کروں؟“ عمران رو دینے والی آواز میں بولا۔

پھر ڈاکٹر داور کی تلاش شروع ہو گئی۔ کچھ لوگ باہر نکل کر بڑک کی جانب بھی دوڑتے چلے گئے لیکن ڈاکٹر داور کا سراغ نہ مل سکا۔

عمران نے ان کے کمرے میں خاصی ابتری پائی تھی.... دونوں مسہریاں اپنی جگہ سے کھکی ہوئی نظر آ رہی تھیں اور ان کے درمیان چھوٹی میز الٹی پڑی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ سب پھر ہال میں نظر آئے.... اب پوری کوئی روشن تھی۔ صدر جنگ

اب صدر جنگ اسے تحریر نظر دیں سے دیکھ رہے تھے۔ مازمین بھی سنبھل گئے لیکن ان کے چہروں پر بناوٹی سنجیدگی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے اس پھوٹش کے تصور ہی کی بنا پر دوبارہ نہ پڑیں گے۔

دفعہ صدر جنگ نے تحریر لجھے میں آہستہ سے پوچھا۔ ”لڑ کے تم خوفزدہ نہیں ہو.....؟“
”ہرگز نہیں۔“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔ ”پستول تو کیا توپ بھی مجھے ختم نہ کر سکے گی
میری موت تو صرف ایک ذریعہ سے آئتی ہے.....“

”وہ کیا.....؟“

”باس یہ ہمیں باتوں میں الجھائے رکھنا چاہتا ہے۔“ شاء اللہ شارٹی بول پڑا۔

”تم کو اس بند کرو..... ہمارا کوئی کچھ نہیں بیکار سکتا۔“ صدر جنگ جھلائیت میں دونوں ہاتھ جھلکتا ہوا غریباً۔ پھر عمران سے بولا۔ ”ہاں تو تمہاری موت کس ذریعے سے آئے گی۔ مجھے بھی پتاو.....!“

”کسی چڑی اور لڑاکی عورت سے میری شادی کروادیجھے..... انشاء اللہ پہلی بی جھڑپ میں اللہ کو پیدا ہو جاؤں گا۔“ عمران نے بڑی سعادت مندی سے کہا۔

صدر جنگ ہنسنے لگا۔

”باس.....!“ منشی کرامت علی ہارڈی نے کچھ کہنا چاہا۔

”شت اپ! میں کچھ نہیں سنتا چاہتا..... جاؤ تم سب چاروں طرف پھیل جاؤ اور بڑھے آدمی کو تلاش کرو۔“

وہ سب طوعاً و کرہاً بہاں سے چلے گئے زینا پہلے ہی جاچکی تھی۔ عمران اور صدر جنگ تمہارے گے۔ ”بیٹھ جاؤ!“ صدر جنگ نے عمران کا شاند تھپکتے ہوئے کہا۔ ”تم مجھے کسی قدر علمند بھی معلوم ہوتے ہو..... بیٹھو..... میں تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔“

عمران بیٹھ گیا۔ لیکن وہ ذاکرہ داور کے لیے زیادہ مضطرب تھا۔ اسے یقین تھا کہ وہ پھر انہی لوگوں کے ہاتھ میں جاپڑے ہیں جن سے انہیں حیرت انگیز حالات کے تحت چھکارانصیب ہوا تھا۔ ”تم کوئی بھی ہو!“ صدر جنگ کچھ دیر بعد بولا۔ ”لیکن وہ ہرگز نہیں ہو سکتے جو ہم سمجھتے ہیں۔“ ”میں نہیں جانتا کہ آپ نے ہم لوگوں کے متعلق کیا سوچا تھا.....“ عمران نے مایوسانہ اندھے میں سر ہلا کر کہا۔ ”اور اس وقت اس ہنگامے کا مقصد بھی میری سمجھ میں نہیں آسکا۔“

”میں اسی کے متعلق تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ کیونکہ تمہاری ہی وجہ سے میں معاملات کی تمہرے پیچھے کے قابل ہو سکوں گا.....“

عمران خاموش رہا۔ وہ چاہتا تھا کہ صدر جنگ گفتگو کو طول نہ دے سکے.....!
کچھ دیر خاموش رہ کر صدر جنگ خود ہی بولا۔ ”تم نے یہی کہا تھا کہ اگر تم یہاں رک گئے تو ساجد گر کی کیتا تمہیں زبردستی پکڑوالے گی.....“

”جی ہاں! میرا تو یہی خیال تھا!“ عمران خیالات میں ڈوبا ہوا بڑیا۔
”بس تو پھر یہ وہی ہے..... اسی کے آدمی یہاں ہڑبوگ چلایا کرتے ہیں۔“ صدر جنگ اٹھ کر ٹھلٹھلہ ہوا کہنے لگا۔ ”اب میں اسے دیکھ لوں گا۔“

”لیکن وہ یہاں ہڑبوگ کیوں چلتے ہیں؟“ عمران نے پوچھا۔
”یہی تو معلوم کرتا ہے..... اس وقت تمہارے چھا کے غائب ہو جانے سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ ساجد گر کے ہی آدمی ہیں۔ میں تقریباً ایک سال سے پریشان ہوں۔ ان میں سے ایک بھی آج تک ہاتھ نہیں آسکا۔ مگر سنو لڑکے! میں کس طرح یقین کر لوں کہ تم بھی انہیں میں سے نہیں ہو!“

”آپ کو یقین دلانے کی کیا صورت ہو گی؟“ عمران نے مایوسانہ انداز میں پوچھا۔
دفعہ تابہر دھا کے کی آواز آئی اور دونوں بے ساختہ اچھل پڑے۔

O

رات کے دونوں رہے تھے۔ روشنی رانی ساجد کے محل کے ایک کرے میں بے خبر سوری تھی۔ غالباً وہ کسی قسم کی آواز ہی تھی جس نے اسے جگایا تھا۔ سفری طور پر ایسا محسوس ہوا جیسے سارا جسم سن ہو کر رہ گیا ہو..... ہاتھ پیدھا نے کی سکت بھی باقی نہ رہی تھی..... وہ کچھ دیر اندر ہیرے میں گھورتی رہی پھر کسی طرح داہنی کروٹ بدلنے میں کامیاب ہوئی تھی کہ آواز دوبارہ سنائی دی کوئی خوابگاہ کا دروازہ پیٹھ رہا تھا۔

وہ تحریر رہ گئی..... یہاں اس قسم کی کوئی حرکت اس کے لیے قطعی نہ تھی۔ پہلے کبھی اس کی خوابگاہ کا دروازہ اس طرح نہیں کھلکھلایا گیا تھا۔ وہ اٹھی اور سوچ کچھ آن کرنے کے کرے میں روشنی کر دی۔ دروازہ پھر کھلکھلایا گیا۔

”کون ہے؟“ روشنی نے دلبی دلبی سی آواز میں پوچھا۔
”دنیا کا عظیم ترین آدمی۔“ باہر سے آواز آئی۔ ”دروازہ کھولو۔“
آواز روشنی کے لیے نہیں تھی.... بھلا وہ بہبگ دی گریٹ کے حکم کی تعیل بے چون و
چڑا کیوں نہ کرتی، مالک ہی تھا۔ اس نے جھپٹ کر سلپنگ گاؤن پہنا اور آگے بڑھ کر دروازے کا
بول گرا دیا۔ بہبگ جھومتا ہوا اندر داخل ہوا اور مسہری کی طرف بڑھتا چلا گیا۔
”آداب بجالاتی ہوں!... یورہائی نس۔“ روشنی نے بوکھائے ہوئے انداز میں مڑ کر کہا۔
”مجھے یورہائی نس کہہ کر مخاطب نہ کیا کرو۔“ اس نے نرم لمحے میں کہا۔ ”کیا تم نہیں جانتیں
کہ لوگ مجھے یورا یڈیو سن کر لیں کہہ کر مخاطب کرتے ہیں؟“
”میں ایسی گستاخی نہیں کر سکتی جانا!“

”اوہ گستاخی!“ کبڑے نے قہقهہ لگایا۔ ”ہمیشہ یاد رکھو میں دنیا کا عظیم ترین اور ذلیل ترین آدمی
ہوں۔ تم اس وقت مجھے عظیم نہ سمجھو.... میں اس وقت عظیم ضرور تھا جب میں نے تمہارے
دروازے پر دستک دی تھی....“

”شرفی رکھئے... یورا یڈیو سن کر لینی!“ روشنی نے کرسی پر جھک کر کہا۔
”یقیناً.... میں اسی لیے آیا ہوں۔“ کبڑا کرسی پر ڈھیر ہوتا ہوا مسکر لیا۔
روشنی ایک طرف ہاتھ باندھ کر کھڑی ہو گئی۔
”یہاں میرے قریب کری لاؤ...“ اس نے کچھ دیر بعد در دنک آواز میں کہا۔
”مم.... میں!“ روشنی ہکلائی۔

”ڈرو نہیں! میں ایک حقیر کبڑا آدمی ہوں.... ایسا کہ اگر کسی سڑک پر تم مجھے مل جاتیں اور
میں اس طرح پیش آتا تو تم مجھے خوکروں سے اڑا کر رکھ دیتیں....“
روشنی صرف ہونتوں پر زبان پھیر کر رہ گئی کچھ بولی نہیں۔ کبڑا شرات آمیز قسم کے
ساتھ اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا۔ پھر بولا۔ ”تم بہت جلاک ہو!“

روشنی کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔
دفعہ کبڑے نے قہقهہ لگایا اور کرسی سے اٹھ کر مٹھنے لگا۔ روشنی کی الجھن بڑھتی رہی۔ وہ سوچ
رہی تھی کہ اس نے عمران ہی کی ہدایت پر نہ صرف وہاں ملازمت اختیار کی تھی بلکہ ان لوگوں کی
نظر وہ میں عمران سے قطعی بے قلعی بنی رہی تھی اسی وقت کبڑے کے تیور سے اس نے بھا

محوس کیا تھا جیسے وہ ان دونوں کے متعلق سب کچھ جانتا ہو لہذا وہ حالات کا مقابلہ کرنے کے لیے
خود کو تیار کر رہی تھی کہ کبڑا پوچھ بیٹھا۔
”عمران کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟“
”جی کس کے متعلق....“ روشنی نے چونکہ کرسوں کیا۔
”عمران کے متعلق۔“ کبڑا اس کی آنکھوں میں گھور رہا تھا۔
”اوہ.... وہ پاگل!“ روشنی ہنس پڑی۔ اپنی دانست میں وہ عمران کے متعلق لا علمی ظاہر کرنے
کی بڑی اچھی اداکاری کر رہی تھی۔
”کیا وہ حقیقت پاگل ہے....؟“ کبڑے نے پوچھا اور روشنی بہت زیادہ تحریر نظر آنے لگی....!
”بھلا میں کیا تا سکوں گی سر کار....!“
کبڑا سمجھیدہ ہو گیا!....
”کیا تم اس کے ساتھ نہیں رہتی تھیں....؟“
روشنی نے ایک طویل سانس لی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ کبڑا اس کے متعلق بہت کچھ جانتا ہے۔
لہذا ب عمران سے قطعی بے قلعی ظاہر کرنا مناسب نہیں۔
”مجھے اعتراف ہے کہ میں اس کے ساتھ بہت دونوں تک رہی ہوں!“ اس نے تھوڑی دیر
بعد کہا۔ ”پھر ہماری لڑائی ہو گئی تھی عرصہ ہوا اس کے قیست کی رہائش ترک کر جگ ہوں۔“
”میں تم سے اس کے پاگل پن کے متعلق پوچھ رہا تھا....!“
”مجھے تو وہ ہمیشہ ہی سے پاگل معلوم ہوتا رہا ہے.... حقیقت وہ کیا ہے؟ میں نہیں جانتی....“
”تمہیں یہاں ملازمت کرنے کا مشورہ کس نے دیا تھا؟“
”کسی نے بھی نہیں....“ روشنی نے تحریر انداز میں کہا۔ ”بھلا مشورہ کون دیتا.... اشتہار
دیکھ کر آگئی تھی۔“
”میں کیسے مان لوں....؟“
”پھر تو....“ روشنی اٹھلاتی۔ ”اب مجھے یہ معلوم کرنا پڑے گا کہ میں یہاں کس کے
مشورے سے رکھی گئی ہوں.... میں تھا تو نہیں تھی سر کار.... بہت سی امیدوار آئی تھیں۔“
”اہمپ.... نہیک ہے....“ کبڑا کسی سوچ میں پڑ گیا پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔ ”تم نے عمران
لہذا میں ہمیں کیوں نہیں بتایا تھا کہ تم اسے پہلے سے جانتی تھیں۔“

”میر ایکرہڑی اپنا حلیہ بھی تبدیل کر سکتا ہے... میک اپ کا ماہر ہے!“
”ب تو میں وثوق کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتی۔ بہر حال میں نے موجودہ حلیہ میں اسے
عمران کے ساتھ کبھی نہیں دیکھا۔“

کبڑا پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر دفتار اٹھا کر بولا۔ ”اس روشن داں کی طرف دیکھو....“
روشی اس جانب دیکھنے لگی پھر جواب طلب نظرود کے ساتھ اس کی طرف مزی.... کبڑا
مکاریا اور بولا۔ ”میاد دیکھا؟“

”مجھے تو کچھ بھی نہیں دیکھائی دیتا....“

”وہاں ایسا آدمی موجود ہے جس کے ہاتھ میں بے آواز ریو اور بھی ہے۔“

پھر اس نے ہاتھ اٹھا کر بلند آواز میں کسی کو مخاطب کیا۔ ”سامنے والی تصویر پر فائز کرو۔“
اپاک سامنے والی دیوار پر لگے ہوئے تصویری فرمیم کا شیشه ٹکڑوں میں تبدیل ہو کر فرش پر
اگرا۔ روشنی لرز گئی۔ اس کی خوفزدہ آنکھیں استقہامیہ انداز میں کبڑے کی طرف اٹھی ہوتی تھیں۔
”ڈر نہیں....“ کبڑے نے سر گوشی کی۔ پھر زور سے پس پار۔

روشی کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔۔۔ کچھ دیر قبرستان کی سی خاموشی مسلط رہی پھر
کہے کی تیز قسم کی سر گوشی کمرے کی محدود فضائیں گونج اٹھی۔ ”یہ اندیکھا اور بے آواز ریو اور
مروف ان کے لیے ہے جو میر احکم نہیں مانتے....!“

”مم.... گھر.... میں نے تو....“ روشنی ہٹکائی۔

”آؤ....“ کبڑے نے کہا اور فرش پر اونڈھائیں گیا۔۔۔ پھر چند لمحے خاموش رہ کر تحریز دہ
ڈٹی کو مخاطب کرتا ہوا بولا۔ ”آؤ.... میرے کو ہر پر بینچ جاؤ.... اور اسی طرح آگے پچھے
نہ کرنی رہو جیسے اونٹ پر سواری کرتے ہیں۔“

روشنی بے ساختہ پس پڑی۔۔۔ لیکن دوسرا ہی لمحے کبڑا کسی کلکھنے کے کی طرح غرایا۔ ”یا
اُنے میر احکم نہیں سنایا۔۔۔“

”اوہ.... سر کار.... یعنی کہ میں....“

”کو اس بند کر دو.... ورنہ کھوپڑی میں سوراخ ہو جائے گا اور تمہاری لاش کبھیں دفن کر دی
نہ سکیں.... میرے حکم کی تعیین کرو.... چلو....“

”ٹھی کی پوزیشن بے حد منحصر خیر ہو گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرنا

”میں نے ضروری نہیں سمجھا تھا کہ کسی غیر معقول آدمی سے اپنا کسی قسم کا تعلق ظاہر کر دیں۔“
”غیر معقول کیوں؟“

”حیرت ہے کہ اس کے متعلق بہت کچھ جانتے کے باوجود بھی آپ اسے غیر معقول نہیں سمجھتے۔“
”تم کیا جانو کر میں اس کے متعلق کچھ جانتا ہوں۔“

”آپ کو میرے متعلق بھی تو بہت کچھ معلوم ہے....!“
”میں دراصل الجھن میں تھا.... وہ لڑکا مجھے بے حد پسند ہے۔ اس کی دیوالیگی میرے لیے
تکلیف دے ہے۔ میں نے چاہا تھا کہ کچھ دیر اسے یہاں رکھتا لیکن وہ پھرہ داروں کو بھی جل دے کر
نکل گیا۔ اب میری سمجھ میں نہیں آتا کہ رحمان صاحب کو کیا جواب دیا جائے گا....“

”میرا خیال ہے کہ اس کے باپ کو ذرہ برادر بھی پرواہنہ ہو گی....“ روشنی نے برا سامنہ بنا
کر کہا۔

کبڑا تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”کیا تم اسے تلاش کر سکو گی؟“
”مم.... میں.... نہیں سر کار.... میں اس نامعقول آدمی کی شکل تک نہیں دیکھنا چاہتی۔“

”آخر کیوں؟“
”اس نے مجھے تباہ کر دیا۔۔۔ بہلا پھسلا کر مجھے شاداب گفر سے لایا۔۔۔ اور پھر علیحدگی اختیار کر لی۔“

”تم اس سے شادی کرنا چاہتی تھیں....“ کبڑے نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔
”جی ہاں.... لیکن اب قریب قریب اس کی زندگی کی گاہک بن کر رہ گئی ہوں۔“

”اتنی دشمنی....“
”لیں یورائیڈ یوس کریں۔“ روشنی نے گردن اکڑا کر تیخ لجھ میں کہا۔

”صفدر کا اس سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔“
”صفدر....“ روشنی یادداشت پر زور دیئے کی سی ایکنگ کرتی ہوئی بولی۔ ”میں نے یہ تا
کبھی نہیں سنایا!“

”تم میرے سیکرڑی کو نہیں جانتیں....“
”جانتی ہوں....“

”اس کا نام صدر ہے۔“
”میں نے اسے عمران کے ساتھ کبھی نہیں دیکھا....“

چاہئے.... ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کسی پتھر لیے مجسے کی طرح ایک ہی جگہ بے حس و حرکت، کرو رہ گئی ہو....!

"مگداں پر فائر کرو....!" کبڑا سر اٹھا کر دہاڑا۔

روشنداں سے پھر بے آواز فائر ہوا اور میز پر رکھا ہوا بڑا مگداں چور چور ہو گیا۔

روشی بزدل نہیں تھی لیکن اس بجھیشن نے اسے صحیح معنوں میں دبلا کر رکھ دیا تھا اگر انہیں ہے اور بے آواز ریو اور کاخوف نہ ہوتا تو وہ شاید ہنسنے بیہوش ہو جاتی۔ بات ہی ملکھر خیز تھی.... ہزاروں پر حکومت کرنے والا زمین پر اونڈھا ہارا ہوا اس سے کہہ رہا تھا کہ وہ اس کے کوئی پریش کراس طرح ملتی رہے جیسے اونٹ پر سواری کرنے والے آگے پیچھے جھولتے ہیں۔

"آؤ...." کبڑا پھر غریباً اور روشنی جھینپی ہوئے انداز میں ہیچکاتے ہوئے قدموں سے اس کی طرف بڑھی....

"آؤ.... آؤ.... بیل بیل بیل۔" کبڑا دانت پر دانت جما کر کسی اونٹ ہی کی طلن بلبلایا.... روشنی اس کے کوبڑ پر بیٹھ کر ہنسنے لگی.... مگر اس بھی میں بیچارگی اور شرم میلے پناہ امترانج تھا۔

"جوہلو... جوہلو...." کبڑا موج میں آکر اور زیادہ بلبلانے لگا۔ روشنی بھی کے ماریے دوہری ہوئی جا رہی تھی.... اس وقت اسے ایسا ہی محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ پہلی بار کسی مرد سے مخاطب ہوئی ہو۔ ایسا مرد جو مصلحہ خیز ہونے کی بناء پر ہنسنے پر مجبور کردے اور جس سے شرم بھی آئے اسے خود اپنی مصلحہ خیز حیثیت پر بھی بھی آرہی تھی اور شرم بھی۔

"ہائے.... ہائے۔" کبڑا کرہا۔ "بس اسی طرح جھولتی رہو۔"

اس کے بعد وہ بیکار اونٹوں کی طرح بلبلانے لگا۔ تقریباً دس منٹ تک یہی کیفیت رہی۔ کبڑا کراہتارہا اور روشنی "کھی کھی کھی" کر کے ہنسنی رہی۔ وہ اتنی اسارت اور تنک مزان ہوئے۔ باوجود اس وقت خود کو ایک نسخی سی پنجی محسوس کر رہی تھی....

"بس اب اٹھ جاؤ....!" کبڑے نے مصلح اور بھرائی ہوئی سی آواز میں کہا۔ روشنی اٹھ کر اس کے پاس سے ہٹ گئی لیکن اب بھی متیرانہ انداز میں اسے گھوڑے جا تھی اور کبڑا قطعی بے حس و حرکت ہو گیا تھا۔ آنکھیں بند تھیں اور رہا تھا پیر پھولے ہوئے۔ سانس تیزی سے چل رہی تھی اور وہ اب بھی اونڈھا ہای پڑا ہوا تھا۔

روشی کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ پتہ نہیں کیوں وہ ایسی تھکن محسوس کر رہی تھی جیسے اس نے کسی اونٹ ہی کی پشت پر کوئی طویل سفر طے کیا ہو۔.... وہ اس روشنداں کی طرف دیکھنے لگی جس سے کچھ دیر پہلے دو بے آواز فائر ہوئے تھے لیکن وہاں کچھ بھی نظر نہ آیا۔ کبڑا تھوڑی دیر بعد پھر کرہا اور اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اب اس کی آنکھیں دھنڈلی تھیں اور چہرے پر تھکن کے گہرے آثار تھے۔

پھر وہ اٹھا اور لڑکھڑا تا ہوا ایک کرسی میں ڈھیر ہو گیا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر روشنی کی طرف انگلی اٹھا کر بولا۔ "تم بہت اچھی لڑکی ہو.... کیا مجھے تھوڑی سی برائی دو گی؟" "میں قطعی نہیں چلتی جناب...."

"جھوٹ نہ بولو.... اچھی لڑکی.... تمہاری آنکھیں مجھے دھوکا نہیں دے سکتیں۔" "اوہ...." روشنی نہیں کر بولی۔ "بہت پہلے کی بات ہے جب میں پیا کرتی تھی جب سے شاداب گھر چھوٹا۔ شراب بھی چھوٹ گئی۔"

"عمران بھی تو نہیں پیتا۔" کبڑے نے کہا جو براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ "پتہ نہیں.... پہلے تو نہیں پیتا تھا۔" روشنی نے لاپرواہی سے کہا۔

"اچھا لڑکا ہے.... لیکن کسی غلط فہمی میں بتلا ہو کر میرے پیچھے پڑ گیا ہے.... ارے میں تو زندگی کی یکسانیت سے اکتیا ہوا ایک غیر متوازن آدمی ہوں۔ یہاں عیش بھی کرتا ہوں اور دارالحکومت کی نسز کوں پر ٹھوکریں بھی کھاتا پھرتا ہوں.... تم مجھے بتاؤ اگر میں کسی چورا ہے پر سر کے بل کھڑا ہو جاؤں تو قانون کو اس سے کیا سروکار.... اگر دارالحکومت کے بچے میرے پیچھے تالیاں بھاتے پھر س تو کسی کو کیا.... میں زندگی کی یکسانیت سے بہت جلد آتا جاتا ہوں۔"

"مم.... گر.... یہ اونٹ...." روشنی ہلکائی۔

"اوہ.... یہ....!" کبڑا ہنسنے لگا لیکن اس بھی میں شرم دنگی کی بجائے ڈھنڈائی تھی اور اس کی آنکھوں میں کسی شریر پیچ کی آنکھوں کی سی چمک نظر آرہی تھی۔ وہ تھوڑی دیر تک ہنستا رہا پھر سنجیدگی اختیار کر تا ہوا رد تک لجھ میں بولا۔ "میں اکثر سوچتا کہ مجھے اونٹ ہی ہوتا چاہئے تھا.... نہ جانے کیوں.... دل چاہتا تھا کہ کوئی مجھے اونٹ سمجھے، مجھ پر سواری کرے.... البتہ بلڈاگ بننا مجھے پسند نہیں.... لیکن رانی مجھے یہی سمجھتی ہے.... مجبوری میں اسے کچھ کہہ تو نہیں سکتا.... کتنی محبت کرتی ہے مجھے سے...."

روشی متینہ انداز میں پلکن جپھ کاتی رہی اور پھر بولی۔ ”اچھی لڑکی کیا تم میرے گال پر تھیز رسید کرو گی.... پوری طاقت سے مارو۔“

روشی کو پھر ہنسی آگئی لیکن کبڑا یک بیک مغموم نظر آنے لگا اور پھر تھوڑی دیر بعد ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”شاید میری بے چین روح کو مرنے کے بعد بھی سکون نہ مل سکے۔“

لنجھ میں رو دینے کا سامان از تھا۔ روشنی سنجیدگی اختیار کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ کبڑا باب باقاعدہ تھکیاں لے لے کر رو رہا تھا۔ روشنی اسے خاموشی سے گھورتی رہی۔ پھر یک یک وہ اسے ایک نخاسا مخصوص پچھے معلوم ہونے لگا اور نہ جانے کیوں اس کا دل پھر آیا۔ پھر وہ اس کی پوزیشن اور اپنی حیثیت کو بھلا کر مضطربانہ انداز میں اس کے سر پر رہا تھا پھیرنے لگی۔

”تم چپ ہو جاؤ... خدا کے لیے چپ ہو جاؤ.... دیکھو میں بھی رورہی ہوں.... میں بھی رو رہی ہوں۔ عمران ہی نے مجھے یہاں بھجوایا تھا۔ تاکہ تم پر نظر کھوں.... مگر تم تو صرف ایک سر پھرے بچ ہوں۔ عمران کو سمجھا دوں گی کہ وہ تمہارا چیچا چھوڑ دے۔“

کبڑے کی گریہ زاری میں مزید اضافہ ہو گیا۔ پھر وہ اچانک دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”مجھے جانے دو۔“

اور اسی طرح رو تا اور سکیاں لیتا ہوا بہر نکل گیا۔ روشنی اب بھی روئے جا رہی تھی۔ دیر تک یہیں کیفیت رہی پھر دفتار اس کے ذہن کو جھکا سا لگا اور ایسا محسوس ہوا جیسا نہیں سے اچانک بیدار ہوئی ہو۔ وہ بے اختیار انہے دروازے کی طرف چھپی لیکن پھر رک گئی۔

”اوہ.... چوت دے گیا۔“ وہ ران پر راتھ مار کر بڑی اور پھر مسہری پر ڈھیر ہو گئی۔ اس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا.... وہ سوچ رہی تھی کہ کبڑا اسے اچھی طرح بے وقوف بنا کر عمران اور خود اس کے متعلق معلومات حاصل کر گیا ہے۔ اب کیا ہو گا۔ عمران کسی معنوی شبہ کی بنا پر اس طرح اس کے پیچے نہ لگا ہو گا۔ یقیناً کوئی خاص بات ہو گی.... پھر اسے عمران پر بھی غصہ آگیا سارے معاملات سے آگاہ کر کے اسے ہماں جھوٹا ہوتا۔ نادانستگی میں پٹ جانے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا لیکن اب اس کا کیا ہشر ہو گا۔

اب نیند کا کوسوں پتہ نہیں تھا۔ وہ بے چمنی سے کروٹیں بدل رہی تھی۔

دوسری صبح نینا اٹھی تو اسے اپنا سارا جسم پھوڑے کی طرح دکھتا محسوس ہو رہا تھا۔ تقریباً ساری رات ہنگاموں میں ہی گزری تھی۔ دھماکے کے بعد وہ سب ہی باہر کھلے میدان میں نکل گئے تھے۔ کیونکہ دھماکے عمارت کے اندر ہی کسی حصے میں ہوا تھا۔ اتنا زور دار دھماکہ تھا کہ پوری عمارت لرز کر رہ گئی تھی۔ لیکن تھوڑی دیر بعد ایسا نہ چاہا گیا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

پھر سب سے بڑی عجیب بات یہ تھی کہ عمارت کے کسی حصے کو کوئی نقصان نہیں پہنچا تھا۔ اس لیے دھماکے کی نویعت بھی کسی کی سمجھ میں نہ آسکی تھی۔ لیکن اس سخن سے مہمان نے تو اسی وقت کہہ دیا تھا کہ دھماکے کا مقصد اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہو سکتا کہ ہم فوری طور پر عمارت سے باہر نکل جائیں۔ کیوں؟ اس کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

نینا اپنے کرے سے نکل کر برآمدے میں آئی۔ یہاں فٹی کرامت علی ہارڈی، شیخ شاء اللہ شاذی کی کھوپڑی پر صابن کا جھاگ پھیلائے بڑے انہماں سے شیو کر رہا تھا۔ دونوں آہتہ آہتہ باتیں بھی کرتے جا رہے تھے۔

نینا ان کے قریب ہی رک گئی۔ نہ جانے کیوں وہ عمران کے متعلق ان کے خیالات معلوم کرنا چاہتی تھی۔ اسے اتفاق ہی کہنا چاہئے کہ اس وقت ان کا موضوع گفتگو بھی عمران ہی تھا۔

”بیلوبنیا!“ فٹی کرامت علی ہارڈی ہاتھ روک کر بولا۔ ”ہاؤڈو یو ڈوا!“

”اوے.... گو آن یور بزنس!“ نینا نے خالص کاؤبوائے اشائل میں جواب دیا۔

”بہت اچھا ہوا کہ تم ادھر ہی آگئیں۔“ شاء اللہ شاذی نے کہا۔

”کیوں.... خیریت....!“

”اس لوٹے کے متعلق تمہاری کی رائے ہے....؟“

”اوہ وہ....“ نینا بے ساختہ ہنس پڑی اور شاء اللہ شاذی نے کھنکار کر حلقت صاف کیا۔ پھر بولا۔

”میں تو اسے زندہ نہ چھوڑوں گا۔ حرامزادہ میری ڈاڑھی کا مفعکہ اڑاتا ہے....!“

”کیا ہم سب ہی مفعکہ خیر نہیں ہیں؟“ نینا نے پوچھا۔

”میری بات سنو!“ شاء اللہ شاذی غریا۔ ”اگر وہ یہاں جم گیا تو ہم سب دو کوڑی کے ہو کر رہ جائیں گے۔“

”لیکن میرا خیال ہے کہ اگر ایسا ہو تو وقت اچھا گز رے گا۔“

”شاید تمہیں معلوم نہیں کہ اس نے تمہاری پتوں پر کیسی بھتی کی تھی۔“ منی کرامت علی ہارڈی نے تنخ بجھ میں کہا۔
”میا کہا تھا...“

وہ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہٹنے لگے۔

اتھے میں ایک دروازے سے آواز آئی۔ ”بیکار ہے ... جب تک منڈی ہوئی کھوپڑی پر
سر سوں کا تسلی بھی نہ لگایا جائے قطعی بیکار ہے ...!“

وہ سب چوک کر ہڑے۔ نینا نے عمران کو ایک دروازے میں کھڑے دیکھا جس کے ہوتیں
پر شریری مسکراہٹ تھی۔ ایسی مسکراہٹ جوانیں جھلاہٹ میں جلتا کر دینے کے لیے کافی تھی۔
شارانی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن منی کرامت علی ہارڈی اسے دوبارہ بھادا ہینے کی کوشش کرنے لگا۔
”نہیں چھوڑو ...“ شارانی اس کی گرفت سے نکل جانے کی کوشش کر رہا تھا۔

”چھوڑ بھی دوپیارے۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”ایک باروں کے اجالے میں بھی سکی۔“

”تم چلے جاؤ یہاں سے۔“ کرامت علی ہارڈی نے ہانپتے ہوئے غصیلے بجھ میں کہا۔
اب کرامت علی ہارڈی نے شیخ شاء اللہ شارانی کی کرپڑی تھی عمران جہاں تھا وہیں کھڑا
چیزوں گم کچلتا اور مسکراتا تھا۔ نینا انہیں خاموشی سے دیکھتی رہی۔
شارانی عمران پر جھپٹ پڑنے کے لیے اب بھی زور لگا رہا تھا اور کرامت علی ہارڈی اسے دہاں
سے ہٹالے جانے کی کوشش کر رہا تھا۔ شارانی کو اس زور کا غصہ آیا تھا کہ جیسے کسی قسم کے پاگل پنا
کا دورہ پڑا ہو۔

”نینا سے لے جاؤ یہاں سے!“ کرامت علی ہارڈی ہانپتا ہوا دہاڑا۔ اور نینا بے بسی سے عمران
کی طرف دیکھنے لگی۔

”لے چلونا!“ عمران بڑی سعادت مندی سے سر ہلا کر بولا اور پھر تھوڑے توقف کے بعد
دوسری جانب جانے کے لیے مڑ گیا۔ نینا غیر ارادی طور پر اس کے پیچے چل رہی تھی۔
”یہ مم میرا کرہ ہے۔“ کچھ دور چل کر وہ بدقت بولی۔

عمران اس کی جانب ہڑے بغیر کرے میں داخل ہو گیا۔
کچھ دیر تک دونوں خاموش کھڑے سمجھی گی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے نینا بھی
کبھی نظریں بھی چراتی پھر عمران ہی بولا۔ ”کمرے کا فرنچیز ہنگ سے سیٹ نہیں کیا گیا۔“

”تو کیا اس میں بھی دخل ہے؟“ نینا جھینپے ہوئے انداز میں مسکرائی۔
”آل راؤ نڈر...!“ عمران نے متکرانہ انداز میں سر کو جبکش دی اور گرد و پیش کا جائزہ لیتا رہا۔
نینا نے کچھ کہنا پا چاہا۔ مگر پھر رک گئی اور صرف عمران ہی کو گھورتی رہی جو اس کی طرف
متوجہ نہیں تھا۔

”چپا تیاں پا کیتی ہو....؟“ دفعتاہ نینا کی طرف مڑ کر بولا۔
”تیچ... چپا تیاں!“ نینا بو کھلانی۔ پھر ہنس پڑی اور بولی۔ ”اچاک چپا تیاں کیوں یاد آ گئیں۔“
عمران کچھ کہنے ہی والا تھا کہ صدر جنگ کی دہائی ستائی دی۔ ”یہاں کیا ہو رہا ہے؟“ ساتھ ہی
وہ کمرے میں داخل ہوا۔

”یہ چپا تیاں نہیں پا کیتیں“ عمران نے ماہی سانہ انداز میں کہا۔
”کیا مطلب؟“ صدر جنگ اسے گھور رہا تھا۔

”چپا تیوں کا مطلب ہوتا ہے ... یوں!“ عمران نے انگلی سے خلاء میں دائرہ بناتے ہوئے
کہا۔ ”یعنی کہ گول ... پلی پلی ... جب بنائی جاتی ہے تو چوڑیاں مسلسل لکھتی رہتی ہیں۔“

”کیا ابک رہے ہو....؟“

”مگر یہ چوڑیاں کب پہنچتی ہیں کہ چپا تیاں پا کیں گی۔“

”کیا تم پر کسی قسم کا دورہ پڑا ہے۔“ صدر جنگ غریا۔

”مگر جناب میں تو کہتا ہوں کہ لعنت ہے ان چپا تیوں پر جن میں چوڑیوں کا دھوؤں بھی
 شامل ہو....؟“

”لڑ کے میں کھال کھینچ لوں گا تمہاری۔“

”مجبوری ہے“ عمران نے ماہی سے کہا اور سر جھکا لیا۔ اب وہ احمقانہ انداز میں فرش
کو گھور رہا تھا۔

”میں نے تمہیں کیا سمجھایا تھا....“ صدر جنگ آنکھیں نکال کر بولا۔

”پوچھ لجھے ان سے اگر ایک لفظ بھی محبت کا زبان سے نکلا ہو۔“ عمران نے نینا کی طرف
ہاتھ اٹھا کر مردہ ہی آواز میں کہا۔

”میا بیہودگی ہے!“ نینا پر ٹیک کر بولی اور تیزی سے دروازے کی طرف مڑ گئی۔

اس کے چلے جانے کے بعد وہ دونوں تھوڑی دیر تک ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے پھر

”اچھا تو کیا یہ ہنگامہ برپا کرنے والے آسمان سے پکتے ہیں اور زمین میں دفن ہو جاتے ہیں۔“
عمران نے بھولے پن سے کہا۔
”کیا مطلب....!“

”محضے معلوم ہوا ہے کہ کچھلی رات والا واقعہ یہاں کے لیے نیا نہ تھا۔“
”ہام.... تو پھر؟“

”میں یہی معلوم کرتا چاہتا ہوں کہ وہ کہاں سے آتے ہیں اور کہاں غائب ہو جاتے ہیں۔“
”تم معلوم کر لو گے....!“ صدر جنگ نے خاترات سے پوچھا۔

”کوشش کروں گا!“ عمران نے لاپرواہی سے کہا اور دوسرا طرف دیکھنے لگا۔
پھر کمرے کی فضا پر گہری خاموشی مسلط ہو گئی۔ صدر جنگ عمران کو گھورتا رہا لیکن عمران اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

”کیسے کوشش کرو گے۔“ پکھد دیر بعد صدر جنگ نے پوچھا۔
”umarat کب بنائی گئی تھی؟“
”وس سال پہلے کی بات ہے۔“
”تھہ خانے بھی ہیں اس میں....“
”نہیں.... کیوں....؟“

عمران نے اس ”کیوں“ کا جواب دیئے بغیر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ”کیا آپ ہی کی گمراہی میں اس کی تغیری ہوئی تھی۔“

اس سوال پر صدر جنگ نے ایک طویل قہقہہ لگایا۔۔۔ دیر تک ہستارہا پھر بولا۔ ”وہ میرے ایک ملازم کی بیوی ہے۔“

”کون....؟“ عمران اس بے شکے جواب پر بوکھلا گیا۔
”رانی ساجد نگر!“ صدر جنگ خاترات آمیز لجھ میں کہا۔
”آہا.... تو اس کبڑے....“

جملہ پورا ہونے سے پہلے ہی صدر جنگ نے پھر قہقہہ لگایا اور ہاتھ کے اشارے سے عمران کو کچھ کہنے سے روکتا ہوا بولا۔ ”وہ حقیر چیزوں نامیرا غلام تھا۔ اور اب رانی ساجد نگر اس کی بیوی ہے۔“
”سرکار میں اس عمارت کے متعلق پوچھ رہا تھا۔“ عمران نے ناخوشگوار لجھ میں کہا۔

”عمران مسکرا یا اور بولا۔“ وہ بے چاری تو مجھے موت کے منہ سے نکال کر بیان لائی تھی....“
”موت کے منہ سے....“
”ہاں.... آں.... وہ آپ کا مولانا شارٹی ہے تا۔ اس وقت پھر مجھے مارڈا لے پڑا۔“
”کیا ہوا تھا۔“ صدر جنگ بے اختیار مسکرا پڑا۔

”بات یہ ہے سر کار۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”اگر کوئی بے قاعدہ کام ہوتے دیکھ لیتا ہوں تو میرے سر میں درد ہو جاتا ہے۔ یہ شیخ صاحب سر تو منڈادیتے ہیں مگر اس پر سرسوں کا تیل ہرگز نہیں لگاتے۔ اگر کوئی اس کا مشورہ دے تو میرے مارنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں....“
صدر جنگ کی مسکراہٹ پکھے اور دسج ہو گئی۔

”ختم کرو....!“ وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔ چند لمحے خاموش رہ کر پھر کچھ کہنے لیں والا تھا کہ عمران بول پڑا۔ ”میں کیا کروں.... ہائے چچا جان.... میں انہیں کہاں تلاش کروں۔“
صدر جنگ کے ہونٹوں پر تلنگ سی مسکراہٹ نظر آئی۔ لیکن وہ کچھ بولا نہیں بس عمران کی آنکھوں میں دیکھا رہا۔
”میں سمجھتا ہوں!“ عمران تھوڑی دیر بعد تشویش کن لجھ میں بولا ”آپ ہم دونوں کو فراہ سمجھتے ہیں۔“

”پھر تم ہی بتاؤ کہ تمہیں اور کیا سمجھا جائے۔“ صدر جنگ کے لجھ میں تخترا تھا۔
”پس تو پھر مجھے چڑھا دیجئے چھانی پر....“
یک بیک عمران کے چہرے پر کسی بوڑھے اور جہاں دیدہ آدمی کی سی سنجیدگی طاری ہو گئی۔ آنکھوں میں پائی جانے والی شوخی کی جھلکیاں نہ جانے کہاں غائب ہوئی تھیں۔ یہ تدبیلی غالباً صدر جنگ نے بھی محسوس کر لی تھی اور قدرے تھیر انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔
عمران نے ایک کرسی پر بیٹھتے ہوئے طویل سانس لی۔ اب تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے دہاں صدر جنگ کی موجودگی کا علم ہی نہ ہو۔ صدر جنگ جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔
”یہ عمارت کب بنائی گئی تھی۔“ دھنعاں نے صدر جنگ سے پوچھا۔
”کیوں؟“ صدر جنگ چونک پڑا۔۔۔ پھر خود ہی ایک کرسی پر بیٹھتا ہوا غرایا۔ ”کوئی عذر کا نہ آئے گا.... تم بے تکلی کبواس مٹت کرو....“

”یہ عمارت اسی کی گرانی میں تیار ہوئی تھی۔ میں تو اس زمانے میں یورپ کی سیر کر رہا تھا۔ دو سال بعد واپسی ہوئی تھی اس وقت تک یہ عمارت تیار ہو چکی تھی۔“

”اسی کبڑے کی گرانی میں؟“

”ہاں..... وہ حیر مینڈ ک حیرت انگیز صلاحیتوں کا مالک ہے ایک عظیم آرکٹنکٹ۔“

”میں نے تو سنائے کہ وہ ایک عظیم آرکٹنکٹ بھی ہے۔“ عمران نے مایوسی سے کہا۔

”پتہ نہیں کیا کیا ہے....“

”اچھا تو اب میں اپنا کام شروع کرنے والا ہوں۔“ عمران اٹھتا ہوا بولا۔ ”مگر وہ آپ کی طازہ مت کیوں چھوڑ گیا۔“

”میں نے وہکے دلو اکر نکال دیا تھا۔“ صدر جنگ نے غصیلے لمحے میں کہا۔

”اتئے کار آمد آدمی کو وہکے دلو اکر نکال دیا؟“ عمران نے حیرت سے پوچھا۔

”اوہ..... پا سور تھا.... دیت اللہ باشر ڈ.....!“

”میں نہیں سمجھا!“

”پاگل بھی تھا.... کاشت کاروں کی مرغیاں چڑایا کرتا تھا.... اور ان کا گوشت پا کر میری بوڑھی طازہ مکھلایا کرتا تھا....“

”آہای تو اپنے ہی قبیلے کا آدمی معلوم ہوتا ہے۔“ عمران خوش ہو کر بولا۔

”کیا مطلب....؟“

”کچھ نہیں!“ عمران مٹھنڈی سافس لے کر بولا۔ ”بھین میں ہم بھی بھی ٹھفل کیا کرتے تھے۔“

”مگر تم کرو گے کیا....؟“

”تہہ خانوں کی تلاش....“

”کیا تم نے نہیں سا؟ میں نے تہہ خانے نہیں بنائے تھے....“

”اس عظیم آرکٹنکٹ کی گرانی میں سب کچھ ہو سکتا ہے.... حضور.... خیر.... مگر سر کا وہ رانی ساجد گھر سے کیسے جا نکل ریا؟“

”پتہ نہیں!“ صدر جنگ لاپرواہی سے شانوں کو جبش دیتا ہوا بولا۔ ”جہنم میں جائے۔“

”تو پھر اب آپ میرے ساتھ کیا بر تاؤ کریں گے؟“ عمران نے موضوع بدل دیا۔

”یقین نہیں آتا۔“ صدر جنگ کچھ سوچتا ہوا بڑا یا۔

”کس بات پر....!“

”بھی کہ تم بھی انہیں نامعلوم لفڑوں میں سے ہو گے!“

”مشکر یہ....!“

”لیکن پھر تم کون ہو.... کیا ہو!....“

”اب چاکی طرح میں بھی غائب ہو جاؤں گا۔ پھر سوچوں گا کہ میں کیا ہوں۔“

”خیر.... خیر.... چلو ناشتے کی میز پر....!“

ڈائیگ روم میں بارڈی، شارٹی اور نیناٹاں کے منتظر تھے۔

شارٹی نے عمران کو صدر جنگ کے ساتھ دیکھ کر بہت برا سامنہ بنا لیا۔ وہ بیٹھ گئے نیناٹے کی گھنٹی بجائی اور ایک ملازم ناشتے کی ٹرائی دھکیلتا ہوا ڈائیگ روم میں داخل ہوا۔!

کچھ دیر بعد وہ سب ناشتے میں مشغول تھے۔ ہر ایک کچھ نہ کچھ سوچ رہا تھا۔

ڈائیگ صدر جنگ سر اٹھا کر بولا۔ ”آج سرپریزم کی طرف چلیں گے۔ نہایت چھٹلوں کا امک جبند چ رہا ہے۔“

”بوریت....!“ عمران نے بڑے خلوص سے کہا۔

”کیا مطلب!“ صدر جنگ نے غرا کر رہا تھا روک لیے۔

”میں اسے بوریت ہی سمجھتا ہوں.... گے مارے پھریں شکار کے چکر میں! آپ نہیں جانتے کہ میں کس طرح اپنا یہ شوق پورا کرتا ہوں.... دو چار شریف آدمی اور چند کمرے ساتھ.... کسی جنگل میں پہنچ کر کمروں کو پہنچ بندوق سے مارا پھر ذبح کر دالا۔ اس کے بعد بھی رہا ہے شکار اور مزے کر رہے ہیں شکاری....! ہا ہا ہو۔“

”نیناٹاں پڑی لیکن صدر جنگ اور دو توں مصاہین کی بھنوں تن گئی تھیں۔“ صدر جنگ چند لمحے عمران کو گھوڑا تارا پھر غرایا۔ ”اس بکواس کا مطلب ہے۔“

”ہر طرح کے شکاری اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں.... میرے دوستوں میں ایک سید صاحب ہیں.... دونالی دنادن والی خرید رکھی ہے.... لیکن خود چلانے کا آج تک اتفاق نہیں ہوا یہے شکار پر ضرور جاتے ہیں اور چند ”باندوق“ قسم کے شکاریوں سے دوستی گاٹھ رکھی ہے.... اس طرح ہو جاتا ہے شکار.... ذمہ دوں تیسرے ہر ہفتے شکار کر لاتے ہیں! غالباً مطلب سمجھ میں آگیا ہو گا....“

ابھی تو آپ بھی مجھے مہمان ہی سمجھتے...“
اس پر صدر جنگ نے بات نہیں بڑھائی۔ پھر انچھے آدمیوں کا یہ قافلہ شکار کے لیے روانہ ہو گیا۔ شارٹی اور ہارڈی کے علاوہ صدر جنگ کا ایک منہ لگام لازم شیخو بھی ساتھ تھا۔۔۔ اس کا نام شیخ تھا۔ لیکن اس دربار میں ٹوپی کہلاتا تھا جو نکل پڑھا لکھا نہیں تھا اس لیے ابھی تک صدر جنگ اسے ڈھب پر نہیں لاسکا تھا۔ ہر چند وہ شیخ شاء اللہ شارٹی اور منشی کرامت علی ہارڈی کی نقل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔۔۔ مگر وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی۔ وہ دونوں بقول صدر جنگ مجھے ہوئے کاؤ بوائز تھے۔ اس کی تو زبان بھی تھیک نہیں تھی آدمی اردو اور آدمی پوربی بولتا تھا۔
اس وقت راہ میں وہی چہلکتار ہاتھا اور سب خاموش تھے۔ نینا کی پیشانی پر سلوٹیں تھیں اور ہونٹ اس طرح سکوڑر کے تھے جیسے کوئی بہت ہی ناخوٹگوار فرض انجام دینا پڑا ہو۔۔۔!

یہ بڑی تناسب الاعضاء لڑکی تھی۔ صورتِ شکل کی بھی بری نہیں تھی شاید فطر ناشر مسلی بھی تھی۔ تبی وجہ تھی کہ عرف عام میں ”سارٹ“ ہونے کے باوجود بھی اس میں نسوانیت کی جھلکیاں لمبی تھیں۔۔۔

گھوڑے تیز فتادی سے گھنے جگنوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ نینا کو کوشش کر رہی تھی کہ صدر جنگ کے ساتھ ہی ساتھ رہے۔ وفعنا شیخو المعرف ٹوپی کا گھوڑا ایک بار بھڑکا اور دوسرا سمت پکھ دوڑا کر اڑیلیں پن دکھانے لگا۔

سمنوں کو راسیں کھینچ لینی پڑیں اور صدر جنگ دہاڑا۔ ”اوہ رحمی یہ کیا کر رہا ہے۔۔۔؟“
”ہم کا جانی باس یوسر و حرماں پن کرنا مانگنا۔۔۔!“ ٹوپی نے ہانپتے ہوئے جواب دیا۔

”شارٹی۔۔۔ ہارڈی۔۔۔ دیکھو!“ صدر جنگ چیخا۔
دونوں دھاد ہم گھوڑے سے کو دپڑے۔ ٹوپی کا گھوڑا اب ایک ہی جگہ پر اچھنے کو دنے لگا تھا۔
وہ راس کھینچتا تو پچھلی ناگنوں پر کھڑا ہو کر اسے الٹ دینے کی کوشش کرنے لگا۔

شیخ شاء اللہ شارٹی اور کرامت علی ہارڈی نے اسے قابو میں لانے کی بجدوجہد شروع کر دی۔
جو شیخ میں آکر صدر جنگ بھی ان کی طرف چھٹا تھا۔ لیکن عمران جہاں رکا تھا وہیں اپنا گھوڑا روکے رہا۔ نینا قریب ہی تھی۔

عمران اس کی طرف مڑک رکھتے سے بولا۔ ”گھوڑے پر بیٹھنے سے پہلے وودھ ضرور بخشواليتا چاہئے۔۔۔“

صدر جنگ فوراً اور ناہیف پلیٹ پر ٹھیک کر کھڑا ہو گیا اور چیخ کر بولا۔ ”کھینچ کر لے چلو اے میں دکھاؤں گا کہ شکار کیسے کھیلتا ہوں۔۔۔ کیمپنگ بھی ہو گی۔۔۔ چھوڑو ناشتہ۔۔۔ سامان لداوا۔۔۔!
شارٹی اور ہارڈی بھی ناشتہ چھوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ البتہ نینا بر اسامنہ بنائے ہوئے دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔۔۔

”میرا یہ مطلب نہیں تھا۔۔۔ سرکار کہ آپ۔۔۔“ عمران نے کچھ کہنا چاہا لیکن صدر جنگ کے طبق سے بیک وقت کئی قسم کی آوازیں تکلیں اور وہ ہاتھ اٹھا کر دہاڑا۔ ”نہیں میں تمہیں دکھاؤں گا کہ شکار کیسے کھیلتا ہوں۔“

”میرے سرکار مجھے یقین ہے کہ آپ ایک انجمنے شکاری ہیں۔“ عمران کھھاڑیا۔ وہ دراصل اب کسی نئی حماقت میں بیٹلا ہو کر وقت نہیں گوانا چاہتا تھا۔ مگر چلنے کی طرح چلنے والی زبان کو کیا کرتا جو کسی حال میں رکنا جانتی ہی نہیں تھی۔ وہ اب دراصل ڈاکٹر داور کی تلاش کے سلسلہ میں ٹک ڈو کرنے کا رادہ رکھتا تھا۔

”نہیں۔۔۔!“ صدر جنگ میز پر ہاتھ مار کر چیخا۔ ”تمہیں چلنا ہی پڑے گا۔“

”ہائے!“ عمران سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ اور نینا پھر نہ پڑی۔
بہر حال پھر کسی نے ناشتے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا۔ ٹھوڑی دیر بعد ایک بڑے ڈرک

پر چھولدا ریاں بارکی جانے لگیں۔۔۔ انہیں تو گھوڑوں پر ہی سفر کرنا تھا۔ ڈرک پہلے روانہ ہو گیا۔۔۔ کوئی پر صرف دو ملازم چوکیداری کے لئے چھوڑ دیتے گئے تھے۔ چار ڈرک پر گئے تھے۔

عمران سوچ رہا تھا کہ اس مصیبت سے کیسے گلو خلاصی ہو۔ اس نے محض ڈاکٹر داور کی وجہ سے چھپ کر کام کرنا چاہا تھا لیکن اب ان کے غائب ہو جانے کے بعد کسی قسم کی پرده داری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔۔۔ جو لوگ انہیں کوئی سے لے گئے ہوں گے انہوں نے اسے بھی دہاں دیکھا ہو گا۔ پھر اب چھپ کر کام کرنے سے کیا فائدہ۔۔۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کہیے کے خلاف ثبوت بھی پہنچانے میں دانتوں پسینہ آ جائے گا۔ وہ بہر حال ایک اوپنی حیثیت رکھنے والی عورت کا شوہر تھا۔

ٹھوڑی دیر بعد گھوڑے تیار ہو کر آگئے لیکن عمران نے کاؤ بوائے سوٹ پینے سے صاف انکار کرتے ہوئے کہا۔ ”نہیں سرکار۔۔۔ ابھی نہیں۔۔۔ جب آپ کی ملاز مت میں آ جاؤں تب۔۔۔“

جھنگے کے ساتھ سوار ہو گیا!... پھر دوسرے ہی لمحے میں اس کا گھوڑا مغزور گھوڑے کے پیچے بھاگ رہا تھا۔

” یہ بھی لکلا جارہا ہے باس....!“ شارٹی چینا۔

” اوہ....!“ صدر جنگ چونکہ پڑا۔ پھر چینا۔ ” یچھا کرو۔“
گھوڑے دوڑنے لگے۔

شناور معروف بہ ٹوپی جواب ” پیدل“ ہو گیا تھا.... کچھ دور تک پیدل ہی دوڑا پھر چیخ چیخ کر کہنے لگا۔ ” ہم رہے جائیت ہے باس.... ہائے پچون.... ایہہ کی مہاری کا....!“
نیا الگ جھلائی ہوئی تھی۔ سرپٹ تم کے گھوڑوڑا سے پسند نہیں تھی مگر اس وقت سب پر بہوت سوار تھا۔

غیرمت یہی تھا کہ مغزور گھوڑا سڑک پر دوڑ رہا تھا۔ ادھر ادھر جنگلوں میں نہیں مڑ گیا تھا۔
ورنہ شامت ہی آ جاتی سکھوں کی۔ کیونکہ ان اطراف میں زیادہ تر کائنے دار جھاڑیاں تھیں....
جن کے درمیان سے پگڈنڈیوں کے طویل سلسلے گنے جنگلوں کی طرف بڑھتے چلے گئے تھے۔
نیا دل میں عمران کو برا بھلا کہہ رہی تھی.... نہ وہ بیچ میں ناگ اڑانا اور نہ اس طرح کی اپتری پھیلتی۔ گھوڑا تو کسی نہ کسی طرح قابو میں آئی جاتا۔ اس کا گھوڑا صدر جنگ کیسا تھا ہی تھا۔
” میں اس خبطی کو دیکھوں گا....“ صدر جنگ غریا۔

” شرات شارٹی اور ہارڈی کی تھی باس۔“ نینا بولی۔
” کیوں؟“

” آپ نے دیکھا نہیں کہ اس کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی انہوں نے لگام چھوڑ دی تھی
میرا نیال ہے کہ ہم آہستہ چلیں۔ وہ گھوڑے کے پیچے جاہی رہا تھا مجھے یقین ہے کہ ضرور پکڑ لے گا۔“

” میں اس کے متعلق الجھن میں ہوں بے بی۔“ ... صدر جنگ نے کہا اور چیخ کر سا تھیوں کو ہدایت دی کہ وہ گھوڑوں کی رفتارست کر دیں۔

O

موسم برا اچھا تھا.... صبح سے دھوپ نہیں دکھائی دی تھی.... آسمان باد لوں سے ڈھکا ہوا تھا لیکن ہوا کے رخ کی بناء پر بارش کے امکانات نہیں تھے۔

” تم شاید اسی طرح بیٹھے ہو گے!“ نینا نے مسکرا کر کہا۔
عمران کچھ نہ بولا۔ وہ پوری توجہ سے گھوڑے کی بد مستیاں دیکھ رہا تھا۔ ایک بار موقع پا کر ٹوپی گھوڑے سے ہی کوڈ پڑا۔ پھر تو گھوڑے کو قابو میں رکھنا محال ہی نظر آنے لگا۔ شارٹی ہارڈی نے دونوں طرف سے لگام پکڑ رکھی تھی اور گھوڑے کو قابو میں رکھنے کے لیے جھوے جا رہے تھے۔
دفعہ عمران اپنے گھوڑے سے اترتا ہوا نینا سے بولا۔ ” تم ذرا اس کی باغ تھاموں میں دیکھتا ہوں۔“
نینا نے اس کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور وہ دونوں کی طرف بڑھا۔ صدر شارٹی اور ہارڈی کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔

” مر نے ذرع کیا کرو تم لوگ۔“ عمران نے ان دونوں کو مناطب کرتے ہوئے کہا۔ ” چھوڑو ہٹو! میں دیکھوں گا کہ کتنا دم دار ہے۔“

” چپ.... رہو.... سالے.... ورنہ.... گردن توڑوں گا....!“ شارٹی ہانپتا ہوا بولا۔ فٹی کرامت علی ہارڈی چپ ہی رہا۔ گھوڑے کی سمنہ زوریاں بدستور جاری رہیں اور وہ دونوں بھی اس کے ساتھ اچھتے کو دتے رہے اور صدر جنگ انہیں انگریزی اور اردو میں گالیاں دیتا رہا۔ پھر عمران پرالٹ پڑا۔ ” غصہ ہو جاؤ مجھے غصہ نہ دلاو۔“

” غفا ہونے کی ضرورت نہیں سر کار.... مجھے ڈر ہے کہ کہیں شکار یہیں نہ ہو جائے۔“
عمران نے مسکی صوت سنا کر کہا۔

” کیا مطلب....!“ صدر جنگ نے آنکھیں نکالیں۔

” یہ عشوہ طراز گھوڑا....!“

” کیا کرو گے تم....!“

” ان سے کہتے کہ لگام میرے ہاتھ میں دے کر اس کے پاس سے ہٹ جائیں!“

صدر جنگ چند لمحے عمران کو گھوڑا پر بھر دنوں کی طرف مڑ کر بولا۔ ” گھوڑا چھوڑو۔“
عمران تیزی کے ساتھ گھوڑے کی طرف پکا۔ لیکن شاید وہ دونوں اسے ڈل کرنے ہی پر تھے ہوئے تھے اس لیے انہوں نے اس کے قریب پہنچنے سے قبل ہی گھوڑے کی لگام چھوڑ دی۔

گھوڑے نے چھلانگ لگائی اور ایک طرف کو ہولیا۔
اب وہ سرپٹ دوڑا جا رہا تھا اور وہ سب ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔ دفعہ عمران اپنے گھوڑے کی طرف دوڑا اور نینا کے ہاتھ سے اس کی باغ چینتا ہوا کاب میں پاؤں رکھ کر ایک

”یہ یورائیٹ یو سکری...!“
 ”اس ایڈیٹ میں بالکل نہیں ہے....!“ کبڑا صدر کے چہرے کے قریب انگلی لے جا کر بولا۔
 دفتار ایک آدمی دوڑتا ہوا آیا... کبڑے کو جھک کر سلام کیا اور پھر سید حاکم را ہو کر اس طرح ہائپنگ کیجیے کچھ کہنے سے قبل سانسوں پر قابو پانا چاہتا ہو...
 کبڑا سے تیکھے پن سے دیکھا رہا... صدر اور روشنی بھی متوجہ ہو گئے تھے۔
 ”بکو جلدی سے...!“ کبڑا میز پر ہاتھ مار کر غریباً۔
 ”ہم نے اس کو پکڑ لیا ہے سر کار...!“
 ”کس کو....؟“
 ”ای پاگل کو....؟“
 ”اوہ... کہاں...؟“
 ”یکمپ کے قریب.... وہ ایک خالی گھوڑے کا یچھا کرتا ہوا وہاں آیا تھا۔“
 ”بہت اچھے...!“ کبڑے کے چہرے پر سمرت کے آثار نظر آنے لگے.... اس نے اپنے ہی خالی گلاس میں شراب اٹھیل کر آنے والے کی طرف بڑھا دی۔
 ”پیو... خوشخبری کے صلے میں...!“
 آنے والے نے ایک گھنٹا میں پر ٹیک کر گلاس اس کے ہاتھ سے لے لیا۔
 ”بیٹھ جاؤ...!“ کبڑے نے خالی لام چیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”تم بہت اچھی خبر لائے ہو... اب میں اس شرمندگی سے نج سکوں گا جو مسٹر رحمان سے ہوتی۔“
 پھر روشنی سے بولا۔ ”یہ عمران کی بادیاں کی خبر لایا ہے... کیا تم خوش نہیں ہوئیں؟“
 ”مم.... مجھے کوئی دلچسپی نہیں...!“ روشنی نے برا سامنہ بنا کر کہا۔
 ”اچھی ادا کارہ ہو۔!“ کبڑا اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکریا۔ پھر صدر کی طرف مزکر بولا۔ ”یکرٹری۔ تم اس آدمی کے ساتھ یکمپ تک جاؤ... اور اسے اپنی گفرانی میں رکھو...!“
 روشنی الجھن میں پڑ گئی.... سورج رہی تھی کہ اب عمران شاید ہی نجی سکے کیونکہ کبڑا اس کے پاگل پن کی اصلاحیت سے واقف ہو چکا تھا اور اس کی معلومات کا ذریعہ بھی خود روشنی ہی بنی تھی۔
 روشنی نے جی کڑا کر کے پوچھا۔ ”اب اس کا کیا حشر ہو گا یا یورائیٹ یو سکری...!“

کبڑا اس وقت بڑی موج میں تھا۔ لان پر ہی بلا نوشی کے لوازمات مگوا لیے تھے اور صبح سے بیٹھا پر رہا تھا۔ روشنی اور صدر بھی ساتھ ہی تھے۔ رانی ساجد غمرا ہی میں موقع پر ساتھ نہیں دیتی تھی۔ ہو سکتا ہے اسے اس کے پینے پلانے سے دلچسپی نہ رہی ہو۔ ویسے کھانے کی میز پر تو اس معاملہ میں بھی اس کا ساتھ دینا ہی پڑتا تھا۔

اس وقت صدر اس کے لیے اٹھا اور روشنی مینڈولین مباری تھی۔ مینڈولین اس کا پسندیدہ ساز تھا اور وہ اس پر کئی مختلف زبانوں کے نغمے بجا سکتی تھی۔ اس وقت وہ ایک اپنی سیرے نیڈ بجارتی تھی.... دھنکا کبڑے نے اس کی طرف انگلی اٹھائی اور جوم کر بولا۔ ”کچھ گاؤ بھی نا... آج سے تم رانی کی نہیں میری سیکرٹری ہو!“

”یہ ایک اپنی گیت ہے یورائیٹ یو سکری... ایک سیرے نیڈ...“
 ”بے وقت کی شہنائی... بے موقع... بے تکا... یہ تو مجھے گانا چاہئے... تمہاری کھڑکی کے نیچے... کیا تم مجھے نزاگاڑی ہی سمجھتی ہو... کوئی حسین سا گیت سناو...!“
 اور پھر خود ہی گانے لگا... جوش کی ایک رومانی نظم۔

جب نوجوانی تھی اپنی بھی پیارے نہیں جھولنے کے وہ کافر نثارے
 پھر نظم اوہ سوری ہی چھوڑ کر بولا۔ ”ایسی حسین نظمیں لکھی ہیں، اس ظالم نے کہ بعض اوقات ورڈس ور تھہ کو بھی جھکائی دے گیا ہے... وہ کیا نظم تھی ”آواز کی سیرھیاں“ گمراہ آج کل عقل و دلش کے پھر چبار ہے... کیوں تمہارا کیا خیال ہے...؟“
 وہ خاموش ہو کر صدر کی آنکھوں میں دلکھنے لگا۔

”میں کیا عرض کروں سر کار.... شاعری وائزی میری لائن کی چیز نہیں! مجھے تو ان لوگوں کے ہاتھ پہچانا آتا ہے جو اس صفائی سے چاول مراتے ہیں کہ پہلے ہی حصکلے میں آنسیں باہر آ جائیں....“ صدر نے جواب دیا۔

”مجھے ایسے لوگ پسند نہیں جن میں جمالیاتی حس بالکل ہی نہ پائی جاتی ہو!“
 ”میں بھی نہیں جانتا کہ جمالیاتی حس کے کہتے ہیں۔“
 ”تم جانتی ہو....“ کبڑے نے روشنی سے پوچھا۔
 ”انگلش میں کہئے یورائیٹ یو سکری...!... اتنی گاڑھی اردو میری سمجھ میں نہیں آتی۔“
 ”ایستھیک سن... سمجھتی ہو!“

”م..... مگر.... رانی صاحب.....!“
 ”وہ میرے معاملات میں داخل نہیں دیتی.... امیں تمہیں اس سے مانگ چکا ہوں....“
 ”پھر بھی.... یہاں نہیں.... روشنی تھی۔
 ”خیر.... چلو تو اندر چلیں۔“ کہڑا اٹھ گیا۔

O

گھنے جگل کے درمیان تھوڑی سی مسٹھ اور صاف زمین تھی جس پر متعدد چھولداریاں نصب تھیں۔ قریب ہی تین چار گھوڑے چر رہے تھے۔ چھولداریوں سے گاہے گاہے قیقبہ بلند ہوتے اور کبھی کبھی کوئی بے ہنگام آواز میں گانے لگتا۔

ایک طرف دو بانسوں کے سہارے ایک بورڈ لک رہا تھا جس پر تحریر تھا ”رانی صاحب ساجد نگر کا شکاری کمپ....“ یہاں رانی ساجد نگر کے کچھ شکاری ہمیشہ مقیم رہتے تھے۔ جن کا کام تھا کہ محل میں روزانہ شکار پہنچایا کریں۔

صفدر اور اس کا ہمراہی ایک چھولداری میں داخل ہوئے۔ سامنے ہی عمران رسیوں سے بکڑا پڑا تھا اور دو شکاری ہاتھوں میں رائفل لیے اس کی گمراہی کر رہے تھے۔!

”ہم نے غلطی تو نہیں کی....“ ہمراہی نے مزکر صدر سے پوچھا۔

”نہیں.... وہی ہے!“ صدر نے بھراہی ہوئی آواز میں جواب دیا۔ عمران پلکیں جھکائے بغیر چھولداری کی چھت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ان کی آوازیں سن کر بھی اس نے اپنے سر کو جبکش نہیں دی۔

صفدر چند لمحے خاموش کھڑا رہا پھر ہمراہی اور شکاریوں سے بولا ”تم لوگ جاسکتے ہو۔ میں خود نگراہی کروں گا.... مگر ظہر ہو.... یہ ہاتھ کیسے گا؟“

شکاریوں میں سے ایک نے کھکار کر طلق صاف کیا پھر بولا۔ ”یہ ایک ایسے گھوڑے کا تعاقب کرتا ہو اور ہر نکل آیا تھا جس کی زین خالی تھی.... ہم نے گھیرنا چاہا تو مرنے مارنے پر آمادہ ہو گیا۔ دو شکاری زخمی ہو گئے کسی طرح قابو میں نہیں آتا تھا۔ آخر چھپ کر جال پھینکا گیا۔... تدبیر کامیاب رہی۔ جال میں الجھ کر گرا۔... اور دبوچ لیا گیا۔...“

”بہت اچھے!“ صدر مسکرایا۔ ”تم لوگ واقعی بہت چالاک ہو!“

”حضر....!“ کہڑے نے قیقبہ لگایا۔ پھر بولا۔ ”پہلے سے بھی زیادہ محبت کروں گا اس سے اس کی بچوں کی سی خوش فہمیاں مجھے بہت اچھی لگتی ہیں بڑا پیدا لڑکا ہے۔“

”باس!“ روشنی اٹھا لی۔ ”آپ کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔“

”اوہ تو کیا تم سمجھتی ہو کہ میں اسے سزادوں گا....“

روشنی نے اثبات میں سر ہلا دیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔

”تم غلط سمجھتی ہو.... مگر نہیں! میں اسے سزا ضرور دوں گا۔“

”میں حق کہتی ہوں وہ بہت مقصود ہے۔ کسی نے آپ کے خلاف اسکا کر آپ کے پیچے لگایا ہو گا۔ کیا کسی پولیس آفیسر سے آپ کا جھگڑا ہوا تھا....?“

”پولیس۔“ کہڑے نے حیرت سے کہا۔ ”ارے پولیس والے تو میرے نور نظر اور لخت جگر ہیں بھلان سے کیوں جھگڑا ہونے لگا میرا....?“

”پھر میں نہیں سمجھ سکتی کہ وہ آپ کے پیچے کیوں پہنچا ہے.... بہر حال اسے معاف کر دیجئے۔“

”ایک شرط پر!“ کہڑا اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرایا۔

”شرط... میں نہیں سمجھی....“

”میں اسے یونہی بلا معاوضہ معاف کرنے سے تو رہا....!“

” بتائیے.... آپ کیا جاہت ہے ہیں!“

”ایک بار پھر اوٹ پر نیٹھو“ کہڑا دانت پر دانت جما کر طلق کے بل بولا۔ ایک دوسرے پر مضبوطی سے جیے ہوئے دانتوں سے سکاریاں سی نکل رہی تھیں۔ روشنی یوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگی اور کہڑا آگے جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا آہستہ سے بولا۔ ”بولو تیار ہو....!“

”یہاں.... لان پر....!“ روشنی خلک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔ سوکھتے ہوئے حلز میں تھوک بھی اٹکنے لگا تھا۔

”ہاں.... کیا حرج ہے....?“

”م..... مگر....!“

”کسی کو بھی اس پر حیرت نہ ہوگی.... سب مجھے اچھی طرح جانتے ہیں.... کسی کو اتنی بہت نہیں کہ رک کر ہماری طرف دیکھ بھی سکے.... سب کچھ حسب معمول رہے گا....“

”شکریہ جناب....!

”اب تم لوگ جا سکتے ہو! ہمگ دی گریٹ کے آنے تک میں خود اس کی نگرانی کروں گا!“
وہ سب باہر نکل گئے اور صدر کیواں کے ایک فولڈگ اسول پر بیٹھ گیا تھوڑی دیر تک اسی طرح خاموش بیٹھا رہا۔ پھر انھوں کر چھولداری کے درستک آیا اور ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ آس پاس کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ وہ پھر پلانا اور سید حامران کی طرف چلا آیا۔

”بھید کھل گیا سر کار۔“ اس نے جھک کر آہستہ سے کہا۔

”میا مطلب....؟“ عمران نے اپنی پوزیشن میں تبدیلی کئے بغیر چھت ہی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”اس نے روشنی کو نہ جانے کس طرح پھسلا کر سب کچھ معلوم کر لیا۔ روشنی اعتراف کر چکی ہے کہ آپ پاگل نہیں اور اس نے آپ ہی کے ایما پر اپنی ساجد نگر کی ملازمت کی ہے۔“
عمران نے ایک طویل سانس لی اور اس طرح منہ چلانے لگا جیسے گلے میں پہلے ہی سے چبوٹ ڈبائے رہا ہو۔

”اب اپنی فکر کیجھ....!“ صدر نے کچھ دیر بعد کہا۔

”پرواہ نہیں.... میں نے اب اسکیم بدلتا ہے....!“ عمران نے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔ قریب کی چھولداری میں پھر کوئی بے ہنگم سی آواز میں گانے لگا۔

O

صدر جنگ اور نینا کے گھوڑے برابر سے دوڑ رہے تھے.... لیکن اب وہ سڑک پر نہیں تھے۔ درودیہ گھنی جہازیوں کے درمیان ایک کچا راستہ تھا۔ اتنا تھا کہ بمشکل دو گھوڑے ایک ساتھ پل سکتے تھے۔ ان کے گھوڑوں کی رفتار زیادہ تیز نہیں تھی۔

”اب بتاؤ....“ صدر جنگ غرایا۔ ”آخر وہی ہوانہ جس کا ذر تھا۔ گھوڑا جنگل میں مڑ گیا... اور وہ بھی ہاتھ سے گیا۔“

”شارٹی اور ہارڈی کی حرامزدگی....“ نینا نے جواب دیا۔ ”ان کتوں نے اسے نیچا دکھانے کے لیے وہ حرکت کی تھی۔ مجھے یقین ہے، باس کہ وہ نہ آدمی نہیں....!“

”تم اس کی طرفداری کر رہی ہو!“ صدر جنگ نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”ہر شریف آدمی کو دوسرا شریف آدمی کی طرفداری کرنی ہی چاہئے۔“

”شریف.... میسر ڈے.... بکواس... لڑکیاں ہر خوبصورت آدمی کو شریف سمجھ لیتی ہیں۔“
نینا نے براسامنہ بنالیا لیکن کچھ بولی نہیں۔ ان کے گھوڑے آگے بڑھتے رہے۔ شیخ شاء اللہ شارٹی اور غشی کرامت علی ہارڈی ان سے تقریباً پچاس گز کے فاصلے پر تھے۔ ان دونوں نے بھی اپنے گھوڑوں کو مہیز کی اور ان کے قریب پہنچنے لگے۔

”وکیجے لیا... باس.... گھوڑا بھی لے گیا...!“ شارٹی نے شکل لہجے میں کہا۔

”تم ڈفر ہو....!“ نینا بول پڑی۔

”مجھ سے نہ الجھنا....!“ شارٹی غرایا۔

”چپ بے.... ورنہ ڈاڑھی سے بھی محروم کر دوں گا!“ صدر جنگ نے غصیلے لہجے میں کہا۔
”بھنوں تک منڈوادی جائیں گی۔“

”اے نہیں دیکھتے باس....!“

”وہ ٹھیک کہتی ہے۔ تم دونوں نے اس کے قریب پہنچنے سے پہلے ہی لگام کیوں چھوڑ دی تھی؟“

”یہ جھوٹ ہے!“

”مجھے جھوٹا بناتا ہے حرامزادے....!“ صدر جنگ نے گھوڑا روک لیا.... وہ سمجھی رک گئے
صدر جنگ نے شارٹی کی جانب گھوڑے کا رخ موڑا۔ اور اسے خونخوار نظروں سے گھوڑے لگا۔

”بب.... باس....!“ شارٹی خوفزدہ لہجے میں ہٹکایا۔

”ہارڈی پانچ عدد....!“ صدر جنگ نے ہارڈی کی طرف مڑے بغیر اور شارٹی کو بدستور گھوڑتے ہوئے کہا پھر سختی سے ہونٹ بھینچ لیے۔

”بب.... باس....!“

”شت آپ.... ہارڈی!....“

ہارڈی گھوڑے سے کو ڈالا اور اپنے دابنے پیر کا جوتا اتارنے لگا۔ شارٹی چپ چاپ گھوڑے سے اتر آیا تھا۔ پھر غشی کرامت علی ہارڈی نے شیخ شاء اللہ شارٹی کے منڈے ہوئے سر پر گن کر پانچ جو گتے لگائے۔

یہ سب کچھ انہائی سنجیدگی سے ہوا۔ کسی کے ہونٹ پر خیف سی مسکراہست بھی نہیں تھی۔

شارٹی اپنی کھوپڑی مٹلتا ہوا پھر گھوڑے پر سوار ہو گیا.... پھر وہ بائیں کھینچنے ہی والے تھے

کہ اسکے موڑ پر گھوڑے کی ناپیں گونجئے لگیں۔ پھر ایک گھوڑ سوار دکھائی دیا جس نے ایک خالی گھوڑے کی لگام بھی پکڑ رکھی تھی۔

ان لوگوں پر نظر پڑتے ہی اس نے اپنا گھوڑا روک لیا... اور صدر جنگ پر نظر پڑتے ہی بڑے ادب سے سلام کیا۔ “یہ گھوڑے سرکاری کے فارم کے معلوم ہوتے ہیں...!”

”تم کون ہو...؟“ صدر جنگ نے گونجی آواز میں پوچھا۔

”میں رانی ساجد گر کاشکاری ہوں.... جو شخص آپ کے گھوڑے لے جا گا تھا سے ہم نے پکڑ لیا ہے.... اب میں یہ گھوڑے سرکاری کی طرف لے جا رہا تھا۔“

”وہ ہمارا آدمی ہے.... چور نہیں ہے۔“ صدر جنگ نے سخت لمحہ میں کہا۔

”پتہ نہیں سرکار.... ہمارے میر شکاری نے تو اس کو باندھ رکھا ہے.... ہم نے جال ڈال کر بڑی مشکل سے اسے قابو میں کیا تھا۔“

”نینا اپنا نچلا ہونٹ چبانے لگی۔

”باندھ رکھا ہے...؟“ صدر جنگ دھڑا۔ اس کی بھنوں تن گی تھیں اور سرخ سرخ آنکھیں حلقوں سے نکل پڑی تھیں۔

شارٹی اور ہارڈی نے ریوالروں کے وستوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے اور شکاری کو خونخوار نظروں سے گھور رہے تھے۔

”کیوں باندھ رکھا ہے؟“ صدر جنگ پھر گرجا۔

”مم.... میں.... کیا عرض کروں گا سرکار.... یہ تو میر شکاری ہی جانے۔“

”لکھر ہے تمہارا یکمپ....؟“

شکاری نے ایک طرف ہاتھ اٹھادیا۔

”چلو...!“ صدر جنگ نے رخ موزتے ہوئے گھوڑے کو ایڑ لگائی.... اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ اس شکاری کو بہت پیچھے چھوڑ گئے۔ خالی گھوڑے کی لگام اب بھی اس کے ہاتھ میں تھی۔

O

کبڑا عمران کے قریب ایک فوٹا گک اسٹول پر بیٹھا سے گھور رہا تھا۔ صدر اس کے پیچے کھڑا تھا۔ عمران بڑی دیر سے پلکیں جھپکائے بغیر چھت کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔ اس کا جسم اب بھر

رسیوں سے جکڑا ہوا تھا....!

”تو تم نہیں بولو گے....!“ کبڑے نے جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”ازادہ تو نہیں تھا!“ عمران نے بھرا تی ہوئی آواز میں کہا۔ ”لیکن اب بولنا ہی پڑے گا.... تباہ کیا چاہتے ہو۔!“

”سید ہی طرح راہ پر آ جاؤ....!“

”چلو آگیا.... پھر....!“

”تم میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو....؟“

”تار الوجود ہو پیارے!....“ عمران آنکھ مار کر مسکر لیا۔ ”رانی ساجد گر کیوں لٹھو ہو رہی ہے

تم پر.... میں دراصل تمہیں اپنے الہم میں چکانا چاہتا ہوں۔“

”تو تم پاگل نہیں ہو....!“

”قلعی نہیں....“

”پھر ڈھونگ رچانے کی کیا ضرورت تھی؟“

”میرا خیال ہے کہ تم بھی زندگی کی یکسانیت سے بہت جلد اکتا جاتے ہو۔“ عمران نے جواب دیا۔

”تو پھر....؟“

”میرا بھی یہی حال ہے....!“

دفتہ باہر سے شور کی آواز آئی.... اور وہ چونک پڑے۔ کبڑے نے ہاتھ ہلا کر صدر سے کہا۔

”دیکھو....!“

صدر باہر چلا گیا۔ لیکن عمران تو اس شور میں صدر جنگ کی آواز پہلے ہی پیچاں چکا تھا۔ اس

نے پھر کبڑے کو آنکھ ماری اور لفٹگوں کے سے انداز میں مسکرا نے لگا۔

اس نے میں صدر واپس آگیا....

”کیا بات ہے....؟“ کبڑے نے پوچھا۔

”چار سوار ہیں.... یوراڈیو سکریسی جو اپنے کسی آدمی کا مطالبہ کر رہے ہیں۔“

”کون ہیں....؟“ کبڑا اٹھ کر دروازے کی طرف چھپا لیکن پھر اس طرح رک گیا جیسے

ایکٹر شاک لگا ہو....

”اوہ.... تم ہو.... حرامزادے....!“ عمران نے صدر جنگ کی آواز صاف پیچانی۔

”کیوں سیکھ رہی...!“ کبڑا صدر کی طرف مڑا۔
”جی ہاں... یہ ڈائریکٹر جزل رحمان صاحب کے صاحزادے ہیں۔“ صدر نے بڑے ادب
سے کہا۔

”بکواس نہیں سنوں گا۔“ صدر جنگ نے کہا پھر شارٹ اور ہارڈی کی طرف مڑ کر کچھ اشارہ
کیا۔ وہ دونوں باہر چلے گئے۔ چند لمحے خاموشی رہی پھر یہ کبڑا صدر جنگ نے ویسٹ ہول سے
ریو اور کھیچ لیا اور صدر اور ہمگ کو کوکر کرتا ہوا نینا سے بولا۔ ”عمران کی رسیاں کھول دو۔“
شارٹ اور ہارڈی کو شاید اسی لئے باہر بھیجا تھا کہ وہ رانی کے شکاریوں کو سنبھالے رکھیں۔
”آپ بہت بر اکر رہے ہیں یورہائی نس...!“ کبڑے نے دونوں ہاتھ اور اٹھاتے ہوئے کہا۔
”خاموش لوٹھی کے بچے...! تیری بھی یہ جرات ہوئی کہ ہم سے آنکھیں چار کر سکے!“
کبڑا کچھ نہ بولا۔ صدر نے بھی ہاتھ اٹھادیئے تھے اور اس طرح پلکیں جھپکار ہاتھا میں پھوٹش
کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔... نینا دوز انو بیٹھی عمران کی رسیاں کھولتی رہی۔
عمران ہو لے ہو لے کراہتا ہوا کہتا چار ہاتھا۔ ”بڑا درد ہو رہا ہے بدن میں... ان لوگوں نے
جھپ پر جھاں پھینکنا تھا۔“

”آپ رانی صاحبہ کو غصہ دلانے کا سلام کر رہے ہیں یورہائی نس۔“ کبڑے نے کچھ دیر بعد کہا۔
”وہ کیا لگاڑ لے گی میرا... صدوں سے ہم لوگ ایک دوسرے کے خلاف صفائی رہا ہے۔“
”انگریزوں کا زمانہ لد گیا سر کار...! نب اگر خون خراب ہو تو قوی حکومت کا ایک معمولی سا
قہانیہ اور بھی لال پلی آنکھیں دکھاتا ہوا چڑھ دوزے گا۔“

”صدر جنگ نے آج تک کسی کی بھی پرواہ نہیں کی.... سمجھے.... تم اب اپنی زبان بذر کھو
گندے سور...! ورنہ ٹھوکروں سے اڑا کر رکھ دوں گا....!“

نینا عمران کو کھوں چکی تھی اور وہ سامنے کھڑا مل کھا کھا کر انگریزیاں لے رہا تھا۔
پھر اس نے اوپر اور زد کیجئے کہ صدر کو آنکھ ماری.... کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہیں
تھا۔ دوسرے ہی لمحے صدر نے کھکار کر کبڑے کو مخاطب کیا۔

”اجازت ہے! یورائیٹیو سکریسی...!“

”نہیں!“ کبڑے نے سخت لبجھ میں کہا۔ ”میں جھگڑا نہیں پسند کرتا۔“
”یورائیٹیو سکریسی!“ صدر جنگ نہیں پڑا۔ ”مخاطب شاندار ہے....!“

”ارے.... یورہائی نس...!“ کبڑا غلط مسکرا یا۔ ”زہے نصیب تشریف لا یے۔“
پھر وہ اٹھے پاؤں پیچے ہٹ گیا۔

صدر جنگ اور اس کے تیوں ساتھی چھوڑ داریوں میں گھس آئے۔
”اوہ....!“ صدر جنگ عمران کی طرف دیکھ کر غرایا۔ پھر کبڑے کی طرف خونخوار نظروں
سے دیکھتا ہوا بولا۔ ”تم نے جرات کیے کی.... کیا اس نے میراہم نہیں لیا تھا۔“

”میں نہیں سمجھا! یورہائی نس....!“
”اے فوراً ہملاوں دو۔ ورنہ خون خراب ہو گا۔“ صدر جنگ نے عمران کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا۔
”میں وجہ ضرور پوچھوں گا! یورہائی نس۔“ کبڑے نے بڑے ادب سے کہا۔
”یہ ہمارا آدمی ہے....!“

”میں نہیں سمجھ سکتا۔“ کبڑے نے کہا۔ ”کیونکہ پرسوں تک یہ رانی صاحبہ کا مہماں تھا اور
سرکار کی اطلاع کے لیے عرض کر دوں کہ یہ پاگل بھی ہے۔ رات کو جب سب سور ہے تھے یہ کسی
طرح محل سے بھاگ نکلا تھا۔“

”اب تو میں اس کے چھاپا بھی مطالیہ کروں گا....! اسے بھی فوراً اپس کرو۔ ورنہ ساجد نگر
کو جہنم بنا دیا جائے گا....! مجھے عرصہ سے کسی بہانے کی تلاش تھی۔ سمجھے کو زہ پشت نمک
حرام....!“
کبڑا مسکرا تاہا۔ صدر جنگ کی گالیاں اس کی پیشانی پر شکن بیک نہ لاسکیں البتہ آنکھوں سے
تمناخ ضرور جھلک رہا تھا۔

”میں نہیں جانتا کہ آپ کس چھاپا تذکرہ کر رہے ہیں....! لیکن اس کے باپ کو ضرور جانتا
ہوں.... آپ بھی نام سے واقع ہی ہوں گے۔“

”کس کے نام....!“
”اس کے باپ کے....!“
”میا بکواس ہے....!“

”جع عرض کر رہا ہوں سرکار...! یہ اٹھلی جنس یوریو کے ڈائریکٹر جزل مسٹر رحمان کا لڑکا ہے۔“
نینا نے عمران کی طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھا اور پھر حیرت سے پلکیں جھپکانے لگی۔
”تم جھوٹے ہو....!“

”آپ کی مرضی.... مالک ہی ہیں۔“
 ”چلو....!“ صدر جنگ عمران کی طرف مڑا۔
 ”یہ نا ممکن ہے.... کبڑا بولا۔“
 ”روک کر دیکھ.... جہنم کا دہانہ کھول دوں گا۔“
 کبڑا تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ پھر لمبی سانس لے کر بولا۔ ”اچھی بات ہے.... لیکن میرا
 ذرض ہے کہ رحمان صاحب کو مطلع کر دوں۔“
 صدر جنگ نے ریوالور ہو لشٹر میں رکھ لیا۔ کبڑے اور صدر نے ہاتھ گردائے۔
 ”مگر چچا جان کے بغیر تو بندوق ہرگز نہ بن سکے گی۔“ عمران نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا۔
 ”تم چلو.... میں سب دیکھ لوں گا۔“
 صدر نے کبڑے کو دکھانے کے لیے صدر جنگ پر جھپٹنا چاہا۔۔۔ لیکن کبڑا اس کا بازو پکڑتا
 ہوا بولا۔ ”نہیں یہ بہت بڑے آدمی ہیں.... نہیں کیا۔ رانی صاحب خود ہی سمجھ بوجھ لیں گی...!“
 ”اس سے کہتا.... کبڑوں کی پوری فوج لے کر آئے میرے مقابلہ پر!“ صدر جنگ نے
 قتھہ لگایا۔
 ”وہ باہر نکلے.... شارٹی اور ہارڈی رانی کے شکاریوں کو کور کیے ہوئے کھڑے تھے۔
 دفتار کبڑا چیخ کر بولا۔ ”کوئی کچھ نہ بولے.... نہیں جانے دو....!“
 صدر جنگ نے شارٹی اور ہارڈی کو اشارہ کیا۔۔۔ انہوں نے بھی اپنے ریوالور ہو لشٹروں میں
 رکھ لیے۔
 وہ شکاری بھی کمپ میں پہنچ چکا تھا جس کے پاس صدر جنگ کے دونوں گھوڑے تھے۔
 کبڑے نے بڑے ادب سے انہیں صدر جنگ کی خدمت میں پیش کر دیا۔
 کچھ دیر صدر جنگ اور اس کے ساتھی مع عمران اپنے یکپ کی طرف جا رہے تھے....!

O

رانی ساجد گفر فون پر ”لائن کلیئر“ ملنے کی منتظر تھی اور کبڑا قریب ہی کھڑا، ہسکی کی چسکیاں
 لے رہا تھا۔ رانی کے چہرے پر شدید ترین غصے کے آثار تھے.... کبھی وہ تھر آلو نظروں سے فون
 کو گھوڑتی اور کبھی کبڑے کو....

”میں پھر یہی کہوں گا کہ یہ محل کا مہمان ہے۔“ کبڑے نے کہا۔ ”ڈائریکٹر جزل رحمان
 صاحب کبھی پسند نہ کریں گے کہ ان کا لڑکا آوارگی کرتا پھرے.... یہ اپنی یادداشت کھو بیٹھا ہے۔
 رانی صاحب نے تبدیلی آب و ہوا کی غرض سے روک لیا تھا....!
 ”کیوں...؟ تم اب ڈائریکٹر جزل رحمان صاحب کے لڑکے ہو؟“ صدر جنگ نے عمران سے پوچھا۔
 ”نہیں باس! میں تو ایک معقولی سامنتری زادہ ہوں....!“
 ”تم ان لوگوں سے بندوق بنانا چاہتے ہو!“ صدر جنگ نے کبڑے سے پوچھا
 ”بندوق!“ کبڑے نے حیرت سے کہا۔ ”کن لوگوں سے؟“
 ”اس کا چچا کہاں ہے....؟“
 ”کون چچا.... میں نہیں سمجھا۔ یہ محل میں تھا ہی آیا تھا....!
 صدر جنگ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”میری شکاری اقامت گاہ تمہاری ہی گرفتاری میں
 تغیر ہوئی تھی؟“
 ”جی ہاں.... مجھے یاد ہے!“ کبڑے نے خندہ پیشانی سے جواب دیا۔
 ”تم نے اس میں تہہ خانے بھی بنائے تھے؟“
 ”مجھے تو یاد نہیں پڑتا.... میں نے ہی پلانگ کی تھی.... لیکن تہہ خانے.... نہیں یورہائی
 نس.... اس میں تہہ خانے نہیں ہیں۔“
 ”ہیں۔“ صدر جنگ آنکھیں نکال کر دھاڑا۔ ”اور آئے دن وہاں جو ہنگے ہوتے رہتے ہیں
 ان کے بھی ذمہ دار تم ہی ہو....!“
 کبڑے نے عمران کی طرف دیکھ کر پلکیں جھپکائیں.... اور پھر صدر جنگ کو مخاطب کر کے
 بولا۔ ”میں کچھ نہیں سمجھا یورہائی نس....!“
 ”تم لوگ مجھ سے وہ کوٹھی خالی کروانا چاہتے ہو....!“
 ”آپ کی ساری باتیں حیرت انگیز ہوتی ہیں۔“ کبڑا مسکرا۔ ”آپ ہر معاملے میں چونکا
 دینے کے عادی ہو گئے ہیں یورہائی نس....!“
 ”وہاں تہہ خانے موجود ہیں....!“
 ”تو پھر تلاش کیجئے۔“ کبڑے نے لاپرواہی سے جواب دیا۔
 ”میں سارے فرش کھداواؤں گا۔“

”کیا مطلب....؟“
کبڑا جواب دیئے بغیر کپ بورڈ کی طرف مزگیا۔ بوئل انھا کر گلاس میں اندھیلی اور سوڈا
واٹر ملائے بغیر ہی پینے لگا۔

”تمہارا اول چھلنی ہو کر رہ جائے گا.... اب سوڈا بھی نہیں ملاتے۔“ رانی نے کہا۔
”کب نہیں تھا۔ یہ دل تو بچپن ہی سے چھلنی ہے....“

”فضول با تیس نہ کرو۔ بہت زیادہ پینے لگے ہو....!“
”اتی بڑی رانی سا جد گنگرا کا شہر اب اتنی بھی نہ پے....!“

”بکواس نہ کرو.... اگر تم بھی مر گئے تو میں کیا کروں گی....؟“
”ہاں.... یہ بات واقعی قابل غور ہے۔“ کبڑے نے سنجیدگی سے کہا اور پھر سنجیدگی ہی سے
کچھ سوچنے بھی لگا۔

پھر کرے کی فضا پر خاموشی مسلط ہو گئی۔ رانی کے خدو خال کا تیکھا پن غائب ہو گیا تھا۔ اس
کی جگہ چہرے پر ایک غم الود سی نرمابہث پھیل گئی تھی۔

اس نے اپنی مغموم آنکھیں اٹھائیں اور آہستہ سے بولی۔ ”تم اتنے بے درد کیوں ہو؟“
”میں.... میں!“ کبڑا چھل پڑا۔ ”نیں تو.... ارتے میں بے چارہ.... ایک حقیر سا کوہ
پشت.... ابھی صدر جنگ سے گالیاں کھا کر آرہا ہوں.... اتنی عزت افرادی مٹت کرو....!“
”میں صدر جنگ کی لاش سڑکوں پر گھسنے کی پھر وہی!“ دفعتاً رانی کو پھر غصہ آگیا۔ چند
لحے وہ خاموش رہی پھر بولی۔ ”تم دیکھ لینا.... اب یہی ہو گا.... بہت دن صبر کر چکی۔“

”ہرگز نہیں....“ کبڑے نے نرم لمحہ میں کہا۔ ”اگر وہ کمینہ ہے تو ہم بھی کیوں اپنی سطھ سے
گر جائیں.... آدمیت بڑی چیز ہے ڈارنگ... اگر یہ ضائع ہوئی تو پھر آدمی کو کھاکل ہی سمجھو...
اب مجھے دیکھو.... میں اپنی آدمیت برقرار رکھنے کے لیے ہر طرف سے جوتے کھاتا پھر تا ہوں...
وہ مجھے ذلیل کرتے ہیں... اور میں خوش ہوتا ہوں کہ میں نے پلت کر انہیں کچھ نہیں کہا۔“
”تم گدھے ہو!“ رانی نے دانت پیس کر کہا۔

”اس سے بھی کوئی زیادہ اوپنچی چیز....“ کبڑا سنجیدگی سے سر بلاؤ کر بولا۔
وہ دونوں خاموشی سے پھر کچھ سوچنے لگے۔ کبڑا خالص و ہسکی کی چسکیاں لیتا رہا۔
کچھ دیر بعد رانی نے کہا۔ ”ہمی....“

دفعتہ فون کی گھنٹی بجی اور رانی نے رسیور اٹھا لی۔ دوسری طرف آپریٹر کی آواز آئی۔
”ہیلو.... لاں کلیکر یورہائی نس.... آپ دار الحکومت سے رابطہ قائم کر سکتی ہیں....!“
”ٹھیکن۔“ رانی نے کہا۔

پھر دوسرے ہی لمحے میں وہ.... سترل انٹیل جنس یوریو کے ڈائریکٹر جزل مسٹر رحمان کو
خاطب کر رہی تھی۔

”لیں.... یورہائی نس....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”ہمیں افسوس ہے مسٹر رحمان کہ صاحزوادے یہاں سے چلے گئے۔“
”کہاں چلا گیا....“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

رات کو کسی طرح پھر داروں کو بجل دے کر نکل گئے.... اور اب نواب صدر جنگ کے
ساتھ ہیں۔

”یہ تو بہت برقی بات ہے۔ صدر جنگ مجھے پسند نہیں۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔
”اب نہ وہ اس کے پاس سے آنے پر رضامند ہیں اور نہ صدر جنگ ہی انہیں چھوڑ رہا ہے
.....“

”اوہ.... خیر آپ فکر نہ کیجئے۔ میں دیکھ لوں گا....“ دوسری طرف سے آواز آئی۔
پھر رانی نے سلسلہ منقطع کر دیا اور کبڑے کو گھوڑے نے گلی۔ جواب بھی وہیں کھڑا، ہسکی کی
چسکیاں لے رہا تھا۔

”ہمی! میں تم سے بے حد خفا ہوں!“ اس نے کہا۔
”میرا قصور.... ڈارنگ....!“ کبڑے نے نظریں ملائے بغیر پوچھا۔

”وہ صرف تمی تھے.... اگر تم شکاری کتے ہی چھوڑ دیتے تو ان کی بوئیاں بھی نہ ملتیں۔“
”میں بہت امن پسند آدمی ہوں ڈارنگ....“

”میں تمہاری ساری حرکتیں برداشت کر لیتی ہوں۔ لیکن تمہاری امن پسندی نے مجھے بے
حد تکلیف پہنچائی ہے۔“

”دنیا دار اگھن ہے ڈارنگ....“ کبڑا غمناک لمحہ میں بولا۔ ”اور ہر ایک کے غم الگ
ہیں.... تمہارے لیے میری امن پسندی باعث غم ہے.... اور مجھے اس بات کا غم ہے کہ تمہارا
غضہ بڑی جلدی اتر جاتا ہے۔“

”نہیں۔“ کبڑا تھا اخاکر بولا۔ ”تم مجھے بے پوئی کہا کرو....!“
”کیا تم سبیگی سے کہہ رہے ہو....!“
”تمہیں کب یقین آئے گا دار لگ۔“ کبڑے نے بڑے بیار سے کہا۔
”بے پو....!“ رانی چانے کے سے انداز میں مسکرائی۔

کبڑے نے گلاں کپ بورڈ پر رکھ دیا اور بالکل کتوں کے سے انداز میں رانی کے گرد گھومتا
کرائے سو گھنٹا شروع کر دیا ساتھ ہی ”چوں چوں“ بھی کرتا جا رہا تھا۔

رانی نہتی اور اس طرح دوہری ہو، ہو جاتی تھی جیسے کوئی گد گدیاں کر رہا ہو۔

”همیں... بس....!“ وہ نہتی ہوئی اٹھلائی۔ ”اب نہیں پہنچا جاتا....!“

”همیں نہیں! بے پو....!“ کبڑا اسی طرح ناجٹا ہو ادانت پر دانت جما کر بولا۔

”اچھا... بے پو....! اب بس.... ہائے اللہ....!“ وہ نہتی ہوئی دوسرا سے کمرے کے دروازے کی طرف بھاگی... اور کبڑا دانت پر دانت جمائے ہوئے اسی طرح ”چوں چوں“ کرنا اس کے پیچھے دوڑتا چلا گیا۔

O

صدر جنگ کے یکپ میں جشن برپا تھا۔ یکپ کئے ہوئے آج تیرزادوں تھا۔ اس دوران میں اس کے چند احباب بھی بغرض شکار دار الحکومت سے آگئے تھے۔ آج کل وہ انہیں ہی انترٹین کر رہا تھا۔ ان میں دو شاعر بھی تھے۔

عمران شدت سے بور ہو رہا تھا۔ اسے ڈاکٹر داور کی فکر تھی۔ وہ تو اب یہ بھی سوچ رہا تھا کہ کیوں نہ کھل کر مقابلہ کیا جائے.... کیونکہ صدر کے بیان کے مطابق کبڑے نے روٹی سے کچھ نہ کچھ تو اگلوہ ہی لیا تھا۔ ایسی صورت حال پیدا ہو جانے کے بعد پر دوہ داری کی ضرورت ہی کیا تھی.... اور پھر وہ مقصد تو کبھی کا حاصل ہو چکا تھا جس کے لیے عمران نے پاگل پن کا ڈھونگ رچانے کی ضرورت محسوس کی تھی.... اب تو اسے کھل کر سامنے آ جانا چاہئے تھا۔ دینے کبڑے کے خلاف ثبوت بہم پہنچاینا یوں بھی مشکل ہوتا۔ کوئی بھی عدالت اسے تسلیم کرنے پر تیار نہ ہوتی کہ ”کبڑے ہی کی وساطت سے ان تھے خانوں میں پہنچا ہو گا جہاں ڈاکٹر داور سے ملاقات ہوئی تھی۔“

خود ڈاکٹر داور نے کسی کبڑے کے وجود سے لا علی ظاہر کی تھی پھر خود رحمان صاحب نے کمی دنوں تک اسے بند کرائے رکھا تھا اور اذیت رسانوں کی حد کر دی تھی... مگر.. کیا اس سے کچھ

اگوائیں میں وہ کامیاب بھی ہوئے تھے؟... وہ تو کسی کچھے ہی کی طرح سخت جان اور حمفوظ تھا۔ عمران صدر جنگ سے اس کے متعلق اور بھی معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن ابھی تک موقع نہیں مل سکا تھا۔ دن بھر خکار ہوتا اور رات کو محفل گرم ہو جاتی۔ شراب اور کافی کے دور چلتے نئے میں بہک کر کبھی کبھی کوئی شکاری ناچنے لگتا اور اس کے ساتھ سب ہی اٹھ کھڑے ہوتے لیکن صدر جنگ نئے کی حالت میں اپنا وقار برقرار رکھتا۔ اس پوری بھیڑ میں عمران اور نینایی تھے جنہیں شراب سے دلچسپی نہیں تھیں۔

آج پھر حسب معمول سورج غروب ہوتے ہی وہ تلیں کھلنے لگیں تھیں.... صدر جنگ نے دونوں شعرائے کرام سے کچھ سانے کی فرمائش کی تھی.... جیسے ہی ایک صاحب پیاض کھول کر سنبھل کر بیٹھے عمران ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

”سر کار!“ اس نے بڑی عاجزی سے پوچھا۔ ”شہر والی تو نہ ہو گی....!“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“ شاعر نے بڑی عاجزی سے جرأت ظاہر کی۔

”شہر کا تذکرہ سنتے سنتے کان پک گئے ہیں.... غزل میں کم از کم ایک شعر ایسا ضرور پایا جاتا ہے جس میں لفظ شہر موجود ہو۔“

شاعر صاحب نے غیر ارادی طور پر پیاض کے صفحے پر نظر دوڑائی.... پھر مسکرائے اور بولے۔ ”جی پاں...! اتفاق سے ایک شعر موجود ہے جس میں شہر کا تذکرہ ملے گا.... مگر وہ شہر آرزو ہے....!“

”وہ تو اور تریادہ بور کرتا ہے؟“ عمران نے زیادہ عاجزی سے کہا۔ ”مکاؤں دکاؤں اور سڑکوں والے شہر سے جی نہیں گھبراتا.... البتہ جو یہ نئے نئے شہر آپ لوگوں نے پیدا کر لیے ہیں مجھے بوکھلا کر رکھ دیتے ہیں۔“

”بیٹھ جاؤ.... بیٹھ جاؤ....!“ صدر جنگ نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

عمران تفکر انداز میں سر ہلاتا ہوا بیٹھ گیا۔ اس شاعر نے غزل سنائی.... اور خوب داد امول کی کیونکہ کبھی نئے میں تھے.... حتیٰ کہ میاں شنوار المعرفہ بے ٹوپی نے بھی یعنی پر دو ہمدرد لارک فرمایا تھا۔ ”ہائے پیون، میں نیک گاوت ہوں۔!“

”دوسرے شاعر نے غزل سنانے سے پہلے عمران سے کہا۔ ”آپ تو بہت بڑے نقاد معلوم ہائے بابر سے.... اتنا چاہا گاتے ہو۔“

ہوتے ہیں.... ذرایہ غزل بھی ملاحظہ فرمائے گا۔

عمران نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے سر جھکا کر کہا۔ ”بُرُوْ جَشْ...!“
یہ صاحب اپنے ساتھی سے بھی زیادہ ”مِرْفَمْ“ ثابت ہوئے.... شیخو تو ایک شعر پر اچھل
کر باقاعدہ ناپنے لگا تھا....

غزل فتحم کر کے ان شاعر صاحب نے فتحیہ انداز میں عمران کی طرف دیکھا.... پھر بڑے
داؤزہ انداز میں سکرانے.... مجمع بے ہنگام پر اچھتی سی نظر ڈالی اور پھر بولے۔ ”فرمائے جناب غزل کیسی
رہی.... اس میں تو شہر نہیں آیا....“

”ضرور فرماؤں گا۔ ہر چند کہ اس میں لفظ شہر نہیں آیا.... اللہ کالا کھلا کھا احسان ہے مجھ پر
لیکن....!“ عمران نے کہا اور سجادگی سے ایسا پوزہ نہیا جیسے کہ اہم مسئلہ پر غور کر رہا ہو....!
”لیکن کیا....؟“ شاعر صاحب اسے گھور کر بولے۔

”یار پتہ نہیں کیوں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے تم سب کسی ایک ہی استاد سے غزل کھلوالاتے
ہو.... مشاعروں میں سنتا ہوں.... رسالوں میں پڑھتا ہوں.... سکھوں کا ایک ہی رنگ نظر آتا
ہے.... خدا بھلا کرے فیض صاحب کا کہ انہوں نے اپنے بعد پھر کوئی اور بھجنل شاعر پیدا ہی نہیں
ہونے دیا.... صرف وہ، تین اس بھیڑ سے الگ معلوم ہوتے ہیں.... جیسے جیل الدین عالی....
اور جعفر طاہر وغیرہ.... آگے رہے نام اللہ کا....!“

”اچھا....!“ شاعر صاحب نے جلا کر کہا۔ ”سردار جعفری کے متعلق کیا خیال ہے؟“

”پھر تو ہوتے ہیں....!“

”واہ.... وا.... سجان اللہ۔“ صدر جنگ ہاتھ اٹھا کر داد دینے کے سے انداز میں شور مچانے
لگا۔ ”جواب نہیں ہے اس تقدیک کا....“ پھر سجادگی اختیار کر کے اسے گھورتا ہوا بولا۔ ”اے تم
مستری ہو.... بندوق بناتے ہو۔“

”ہاں سر کار....!“

”لواسی بات پر....“ صدر جنگ نے اپنا ہی گلاس اس کی طرف بڑھا دیا۔

”شکریہ....! آپ جانتے ہیں کہ میں نہیں پیتا....!“

”پینی پڑے گی....“ صدر جنگ آنکھیں نکال کر غریا۔ ”یہاں سب پی رہے ہیں۔“

”آپ کی سیکرٹری کہاں پر رہی ہے....!“

”وہ عورت ہے۔“

”تو مجھے عورت سے بھی کترین سمجھ کر بخش دیجئے.... ورنہ میرے دادا مولی فضل الہی
بنت مکانی خواب میں ڈنڈالے کر دوڑے آئیں گے....!“

”اے تم کا ایسی کیتھ نہیں آؤت؟“ شیخو عرف ٹوٹی نے عمران کے شانے پر ہاتھ مار کر کہا۔
عمران سعادتمندانہ انداز میں صرف مسکرا لیا۔

”تو تم نہیں پیٹو گے....“ صدر جنگ عمران کو خونوار آنکھوں سے گھورتا ہوا بولا۔
”نہیں سر کار....!“

”اچھا شہر جاؤ.... تھوڑی دیر بعد بتاؤں گا۔“ صدر جنگ سر ہلا کر بولا۔ پھر ان لوگوں پر
گزرنے لگا جو ابھی تک مسلم ہر نوں کو نہیں بھون سکے تھے....!

یہ سب اس وقت چھولدار یوں کے باہر کھلے میں رنگ رلیاں منار ہے تھے۔ ایک جانب قطار
میں پانچ جگہ بڑے بڑے الاؤرڈو شن تھے جن میں مسلم ہر نوں بھونے جا رہے تھے اور جن کی اشتہا
اکیز خوشبو فضائیں بکھری ہوئی تھی.... کئی بڑے بڑے پیڑو میکس لیپ درختوں کی شاخوں
سے لٹکے ہوئے تھے جن کی روشنی دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔

شراب پانی کی طرح صرف ہورہی تھی اور اب تو شاید ہی کوئی ایسا ہو جس نے بہکنا نہ شروع
کر دیا ہو.... ادفعتا شیخو عرف ٹوٹی نے برے کی تان ماری! اور اٹھ کر ناپنے لگا....!

صدر جنگ شاید کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا اور عمران انہیں ایسی تشویش کن نظروں سے دیکھ
باہم جیسے کوئی باپ یہ سوچ رہا ہو کہ آخر ان نام معمول بچوں کا مستقبل کیا ہو گا....
اور نینا عمران کو متواتر دیکھے جا رہی تھی۔

دفعتا سارے پیڑو میکس لیپوں کے شیشے بیک وقت ٹوٹ گئے.... اور چاروں طرف
اندر ہمرا پھیل گیا۔ اس اچاک تبدیلی کا ساتھ آلاؤں کی روشنی بھی نہ دے سکی اور وہ بھی ایک پل
کے لیے انداز ہیرے میں ڈوب گئے۔

اور پھر رانکھوں کی گولیاں فضاوں میں سننانے لگیں۔ بھگد ڈیچ گئی۔ لوگ ایک دوسرے پر
پڑا ہے تھے۔ صدر جنگ چیچ چیچ کر کہہ رہا تھا کہ وہ اپنے حواس برقرار رکھیں لیکن کون سنتا ہے!۔
ہر جوں کے توں آلاؤں پر لٹکے رہے کیونکہ کھانے والوں کا ناشہ ہر نہ ہو چکا تھا۔ اور جدھر
لہجس کے سینگ سائے تھے بھاگ نکلا تھا۔ عمران تو اسی وقت بڑی بھرتی سے زمین پر لیت گیا

تھا جو... برو میکس لیپوں کے شیئے تھے۔!
وہ تیزی کے ساتھ ایک جانب گھسکتا رہا۔ ساتھ ہی وہ خود کو بچاتا بھی جا رہا تھا۔ انہی
بھیزوں کی طرح بجا گئے والے ”کاؤ بوائز“ اس کے قریب ہی سے گزر رہے تھے گولیاں برابر جل
رہی تھیں... ایک آدھِ جنگ بھی فضائی گونجی تھی... پھر ایک بڑی سی جنگ عمران کے قریب
اچھری اور کوئی دھب سے اس پر آ رہا۔

عمران اسے اپنے اوپر سے کھکا کر ایک طرف ہٹ گیا... یہ نینا تھی...!

”میا ہوا...؟“ عمران نے اسے جھبھوڑ کر پوچھا۔

”مگ... گولی... لگ... ہوف... اوه... مری... بازو میں آگ...“

”اچھا... اچھا... گھبراؤ نہیں... حملہ آور دوریں... ابھی قریب نہیں آئے... اگر

پڑے پڑے ریگ سکو تور ٹھیک رہو... یہ لو... میرا تھہ پکڑ لو...“

”ہات... پک... کڑ... ہوں... ہوں...“

اور پھر شاید وہ بے ہوش ہو گئی...
عمران کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرتا چاہئے۔ وہ دونوں آلاووں کی روشنی کے

احاطے میں تھے۔ نینا بے ہوش ہو چکی تھی اور وہ اٹھ کر اسے پینچھے پر نہیں لا د سکتا تھا کیونکہ گولیاں
زمیں کی سطح سے صرف ایک یا ڈیڑھ گز اونچی گز رہی تھیں... صدر جنگ کے دوسرا
سامنے تھیوں کا کہیں پہ نہیں تھا۔ حملہ آوروں نے شاید اسے چاروں طرف سے گھیرنے کی کوشش
کی تھی۔ مختلف ستون سے آنے والی آوازیں یہی بتاری تھیں۔

آخر کار عمران نے لیئے لیئے بے ہوش نینا کو اپنی پشت پر ڈالا اور زمین پر کھیاں لیکے ہو۔

آہستہ آہستہ ایک جانب گھسکنے لگا... کبھی کبھی رک کر نینا کو کو بھی سنبھالنا پڑتا تھا۔

وہ چاہتا تھا کہ جلد از جلد آلاووں کی روشنی کی حدود سے باہر نکل جائے۔ گولیاں اب

چل رہی تھیں۔ لیکن کسی آدمی کی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔ اور اب تو گولیوں کی آوازیں قریب

تر ہوتی جا رہی تھیں۔ شاید حملہ آور آہستہ آہستہ اپنا گھیر انک کر رہے تھے...!

O

صدر محل کے ایک تاریک گوشے میں کھڑا کسی کی آہستہ کی طرف کان لگائے ہوئے تھے
دنعتاً پچھے سے کمر پر کسی کی لات پڑی اور وہ اچھل کر روشنی میں جا پڑا۔ لات اتنی زور دار نہیں

کہ اسے اتنے فاسطے تک دھکیل لے جاتی۔ وجہ یہ ہوئی کہ اول تو وہ بے غیر تھا اور دوسرا مصیبت
یہ کہ وہ زینوں کے سرے پر کھڑا تھا۔ اس لیے نہایت آسانی سے سات یا آٹھ لڑکنیاں کھاتے
کے بعد صحن میں چٹ ہو گیا...! پھر اسے کبڑے کی جھلک دکھائی دی جو زینوں سے اتر کر نیچے آ
رہا تھا۔ غالباً یہ لات اسی کی جوانانی طبع کا نتیجہ تھی۔
صدر نے اسے دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔

کبڑا نیچے اتر کر صدر پر جھک گیا۔ بغور اسے دیکھتا رہا۔ صدر نے کراہ کر کروٹ بدلتی...! اور
پھر چوک کر اسی طرح اٹھ بیٹھا ہیسے یو نہیں اندازہ دنڈ کی طرف بھاگ نکلتے کا را درکھتا ہو...!
اچانک کبڑے نے اس کے شانے پر تھکی دی اور صدر نے یو کھلائے ہوئے انداز میں منہ
اوپر اٹھا دیا۔ پھر اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

”اوہ آپ تھے...!“ صدر نے کھیانی بلی کے ساتھ کہا۔

”اور آپ یہاں کیا فرمائے ہے تھے...!“

”میں اورہ!“ صدر اپنی پیشانی رکھتا ہوا بولا۔ ”میں اب آپ کو بھی بتادیں چاہتا ہوں۔ کہیں
بہر چلتے... یورائیڈ یو نکری میں...!“

”یہی کافی الگ تھلگ جگہ ہے!“

”میں آپ کی... لیڈی سکرٹری روشنی کی گمراہی کر رہا تھا۔“

”کیوں؟“ کبڑے نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”میں اسی دن سے اس کی ٹوہ میں ہوں جب آپ اس پاگل کو یہاں لائے تھے۔“

”اوہ.... جلدی سے اس کی وجہ بھی بتاؤ! میرے پاس وقت نہیں ہے۔“

”اس نے اس سے اشاروں میں کچھ کہا تھا۔ لیکن دوسروں کے لیے ایسی بن رہی تھی جیسے وہ
اک کے لیے قطعی اجنبی ہو...!“

”چلومن لیا... پھر تمہیں کیا؟“

”یورائیڈ یو نکری کیا یہ سبھو لیے کہ میں آپ کا سکرٹری ہوں اور بذات خود کوئی اچھا آدمی نہیں۔“

”میں عمران کو یہاں کیوں لایا تھا؟“

”میں نہیں جانتا...!“

”پھر روشنی کی گمراہی کی ضرورت کیوں پیش آئی؟“

”وہ ایک ایسے آدمی کو اشارے کر رہی تھی جو اس کے لیے اجنبی تھا...“ صدر جھنگلا گیا۔

”تو اس سے کیا ہوتا ہے...؟“

صدر نے اسے غصیل نظر دیں سے دیکھا اور مزید کچھ کہنے کی بجائے اپنا نچلا ہونٹ چباتے لگا!

”تم میری سیکرٹری پر ذورے ڈالنے کی قلر میں ہو!“ کبڑا سے گھوڑتا ہوا آہستہ سے گراہا۔

صدر پہنچنے لگا... پھر باہمیں آنکھ دبا کر بولا۔ ”یورائیٹو سکریسی... آپ کو اپنے متعلق ایک بات بتانا بھول گیا تھا۔ اب سن لجھے۔ وہ یہ کہ عورت کے معاملے میں مجھ پر وہی اعتماد کر سکتیں گے جو پرے سرے کے گاؤڈی ہوں!“

”کیا مطلب...؟“

”یہی کہ اپنی سیکرٹری کو ڈینہ میں بند کر کے رکھئے۔“

”ہوں...!“ کبڑے نے اسے نیچے سے اوپر تک گھوڑا۔ پھر بولا۔ ”اچھا میرے ساتھ آؤ۔“

وہ دونوں ایک ایسے کرے میں آئے جس میں فرنپچھ نہیں تھا۔ البتہ فرش پر میش قیمت قالین نظر آرہے تھے.... محل کا یہ حصہ حال ہی میں تعمیر ہوا تھا اور اس کی تکمیل اتنے فکارانہ انداز میں ہوئی تھی کہ یہ اصل عمارت میں بعد کا اضافہ نہیں معلوم ہوتا تھا...“

صدر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

کبڑے نے فرش کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”بیٹھ جاؤ...!“

پھر وہ دونوں آمنے سامنے اس انداز میں بیٹھ گئے جیسے شترنخ کھیلنے والے بیٹھے ہوں۔

”تم بہت دن مفت خوری کر چکے۔“ کبڑا بولا۔ ”اب کچھ کام بھی کرو۔“

”شکریہ...“ صدر بچوں کے سے انداز میں خوش ہو کر بولا۔ ”میں ذر رہا تھا کہ کہیں بے کاری مجھے نہیں۔ بی میں نہ بتا کر دے۔“

”ہوں...!“ کبڑا اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا لیا۔ عجیب بچگانہ سی مسکراہٹ تھی۔ بچوں کی آنکھوں کی سی چمک پیدا ہو جاتی ہے.... حالانکہ محل میں عورتوں کی کمی نہیں تھی۔ پھر بھی اس کا یہ عالم تھا...“

”تم کیا سوچنے لے؟“ کبڑے نے پوچھا۔

”آپ کے جغرافیہ پر غور کر رہا تھا۔“

کبڑا ہنس پڑا... پھر سنجیدگی اختیار کر کے بولا۔ ”اس چکر میں نہ پڑو...“ تم مجھے نہیں سمجھ

سکو گے۔“

”خیر... امیں تھیر ہوں کہ آپ نے صدر جنگ کو کیوں معاف کر دیا۔“

”بھر کیا کرتا...!“

”میں تو سمجھا تھا کہ آپ مجھے اس کے کیمپ پر شخون مارنے کا حکم دیں گے۔“
”ہرگز نہیں...!“ کبڑے نے سخت لہجے میں کہا۔ ”ایسی باتیں ہرگز نہ سوچا کرو...“ مجھے کشت دخون سے بڑی نفرت ہے... میں تو پیدا کے میٹھے گیتوں کا پیارا ہوں.... کیا ہو اگر اس نے مجھے گالیاں سنائیں۔ سچ کہتا ہوں اس کے خلاف میرے دل میں ذرہ برابر بھی برائی نہیں ہے... اگر وہ دوسروں پر اپنی برتری جتا کر خوش رہ سکتا ہے تو کسی کو اس سے اس کا یہ حق چھین لینے کا حق نہیں پہنچتا... ختم کرو... اس کا قصہ... مجھ سے تو تم چوزوں کی باتیں کرو... ہائے۔“

وہ دانت پر دانت جاتے۔ ”ماںک زدہ“ کتوں کی طرح چوں چوں کرنے لگا... صدر کبھی مسکراتا اور کبھی سنجیدہ ہو جاتا اس کی سمجھیں نہیں آرہا تھا کہ اس کاروباری کیا ہونا چاہئے!
بمشکل تمام اس کی ”چوں چوں“ ختم ہوئی اور قطعی خاموش ہو گیا۔ اب وہ کسی گھری سوچ میں معلوم ہوتا تھا۔

ٹھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر بولا۔ ”میں تمہیں ایک ضروری کام سے بیباں لایا ہوں!“
”اوہ بتائیے بھی نا...!“ صدر نے مضطرباً انداز میں کہا۔ وہ دراصل چاہتا تھا کہ کسی طرح عمران سے دوبارہ ملنے کا بہانہ ہاتھ آئے کیونکہ وہ اس سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا تھا...“

”روشی سے بے تکلف ہونے کی کوشش کرو۔“

”لاحول ولا قوۃ...!“ صدر نے جھلا کر اپنی پیشانی پر دھمکو رسید کیا۔

”آخر تم لوگ میری باتوں کو بھی میں اڑانے کی کوشش کیوں کرتے ہو؟“ کبڑے کو بھی غصہ آگیا۔

”نن... نہیں تو... میں سوچ رہا تھا صدر جنگ...“

”اسے جنم میں جھوکلو...“ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اس نے میری توہین کی تھی۔ تمہیں کیوں پریشانی ہے...!“

”خیر مجھے کیا...!“ صدر نے لاپرواں سے شانوں کو جبش دی۔ ”میں تو...!“

”نہیں بس... خاموش رہو۔ میں صدر جنگ کے متعلق ایک لفظ بھی نہیں سننا چاہتا...!“

نے ایک نہ چلے دی۔

نینا کی حالت زیادہ خراب نہیں تھی۔ گولی بائیں بازو کو چھوٹی ہوئی گزرنگی تھی۔ وقتی طور پر حاصا خون بہا تھا۔ لیکن پھر زخم پر کھرند جنے لگی۔... ویسے اتنی تکلیف تو تھی ہی کہ چہرہ ست کر رہا جاتا۔... وہ کچھ نقاہت بھی محسوس کر رہی تھی لیکن جان کا خوف بہر حال ادھر سے اوہر دڑائے پھر رہا تھا۔

اس وقت وہ دونوں ایک جگہ بیٹھے سوچ رہے تھے کہ پیٹ کی آگ کس طرح بچھائی جائے۔ پہلے انہوں نے جہاں ڈیر اڑالا تھا۔ وہاں کچھ جنگلی پھل مل گئے تھے لیکن یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔...

ان کے پاس رائفیں بھی نہیں تھیں کہ شکار ہی پر قباعت کرتے۔... عمران تو خیر شروع ہی سے غیر مسلسل رہا تھا۔ نینا بھی جشن کے وقت کا ڈا بواۓ سوت میں نہیں تھی ورنہ اس کے ہولشوں میں کم از کم دو عدد روپی الورتی ہوتے۔...

نہتے اور کسپرسی کے عالم میں یہ دونوں جنگلوں میں بھکتے پھر رہے تھے اور انہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ چند نامعلوم آدمی ان کی تاک میں ہیں اور کسی وقت بھی ان سے مبھیڑ ہو سکتی ہے۔... لہذا وہ بہت احتیاط برداشت رہے تھے۔

نینا سوچ رہی تھی کہ اگر گولی نہ لگی تو بھوکوں ہی مر جانا پڑے گا۔ بہر حال اسے توقع نہیں تھی کہ دوبارہ مہذب آدمیوں کے درمیان پیچھے کے گی۔

دفعتا عمران نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”اب یہ بات سمجھ میں آئی ہے کہ پاجامہ واقعی بڑی عظیم چیز ہے۔“

”خدا کے لیے چپ رہو!“ نینا مضھل سی آواز میں بولی۔ ”اب ہنسنے کی بھی سکت نہیں رہ گئی۔“

”نہیں! ہنسنے کی بات نہیں۔“ عمران نے سمجھ دی۔ ”میرے دا جان مر جوں فرمایا کرتے تھے کہ پتلون کو پاجامے کی جگہ دے کر اچھا نہیں کیا گیا۔... میں سچ کہتا ہوں کہ اگر جشن کے وقت پاجامہ پہننے ہوتا تو آج بھوکوں نہ مرنا پڑتا۔“

نینا کچھ نہ بولی اس کے چہرے پر بیزاری کے آثار بھی نہیں تھے۔ آئکھیں بر قم کے تاثرات سے خالی تھیں۔

”اوہ.... اچھا.... میں سمجھ گیا....!“
”لیکا سمجھ گئے....!“

”آپ اسی بھیاںک آدمی پٹلوزرو دا....!“
”اے بھی جہنم میں جھوکو....!“ کمزرا تھہ ہلا کر بولا۔

”ہائے وہ بھی نہیں....!“ صدر چڑانے والے انداز میں کراہ۔
”سبحیدگی اختیار کرو.... ورنہ تھپڑ مار دوں گا۔“ کمزے کو زیادہ ذور سے غصہ آگیا۔
صدر نے فوراً اپنے چہرے پر سنجیدگی طاری کر لی۔

پھر کمزرا کچھ سوچنے لگا۔... صدر اس کے چہرے پر ذہنی کٹکش کے آثار دیکھ رہا تھا۔
کچھ دیر بعد وہ سر اٹھا کر بولا۔ ”روشی سے اتنی بے تکلفی پیدا کرو کہ اس سے اپنی باتیں منا سکو....!“

”چلے ہو جائے گا.... پھر....!“
کمزرا پھر خاموشی سے کچھ سوچنے لگا۔ صدر کی ابھن بڑھتی جا رہی تھی۔...!
”سنو!“ اس نے کچھ دیر بعد صدر کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”اور جب تم اس سے اپنی باتیں منا لینے کے قابل ہو جاؤ تو اس سے کہو.... کہ جب بھی ہر ایڈی پو سکری ہمگ دی گریث اسے تھائی میں چھیڑے تو وہ اسے بے تھاشہ مارنا شروع کر دے.... تھپڑوں گھو نسوں اور لا توں سے.... زمین پر گرا کر چڑھ بیٹھے.... اور بے تھاشہ چیٹی رہے!“

صدر رہنے لگا۔... بے تھاشہ بھس رہا تھا۔
”خاموش....!“ کمزرا ذور سے گر جا۔... اور قہر آکوڈ نظر وہ سے صدر کو گھورتا رہا پھر اٹھا اور اس کی طرف دیکھے بغیر دروازے کی جانب بڑھتا ہوا بولا۔ ”جو کچھ میں نے کہا ہے میں ہوں چاہئے.... ورنہ تمہاری کھال کھنچوں جائے گی....“

وہ جا پکا تھا۔... اور صدر قائم پر اکڑوں بیٹھا اس طرح سر سہلارہ تھا جیسے دلاغ پر گرمی چڑھ گئی ہو....!

O

وہ دونوں تمیں دن سے گھنے جنگلوں میں بھک رہے تھے.... ان تین دنوں میں کئی بار ہمعلوم بندوقیوں نے انہیں گھرنے کی کوشش کی لیکن عمران کی بروقت سوچنے والی تدبیر وہ

پھر عمران ہی بڑھاتا رہا۔ ”پاجامے سے کمر بند کھینچ کر گوپھن (فلاغن) بناتا۔۔۔ اور کہتا پرندوں کا شکار۔۔۔ کیوں کیسی رہی۔۔۔؟“
”ہوں۔۔۔ اوں۔۔۔ نینا بے دلی سے یوں۔۔۔

”بھوک بری بلا ہے۔۔۔ کیوں؟“ عمران اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا یا۔
”میں نہیں۔۔۔ جانتی۔۔۔ کچھ دیر خاموش رہو۔۔۔!“
”اگر میں خاموش اختیار کروں گا تو آنتیں بولنا شروع کر دیں گی۔ اس لیے خاموش رہنے سے کیا فائدہ۔۔۔!“

”میں سونا چاہتی ہوں۔۔۔!“

”ہوں۔۔۔ ضرور۔۔۔ اگر خواب میں رویاں نظر آئیں تو مجھے بھی بالایتا۔“
نینا پھنکی سی خشی کے ساتھ قریب ہی لیٹ گئی۔

کچھ دیر بعد عمران پھر بڑھانے لگا۔ ”فرغ کرو کچھ پرندے ہاتھ بھی آجائیں تو کیا ہم انہیں کچا چا جائیں گے۔۔۔ تم اتنی واہیات لڑکی ہو کہ سگریٹ بھی نہیں پہنچیں۔۔۔ بیتی ہوئیں تو دیا سلا یاں یا سگریٹ لاکٹر ضرور رکھتیں۔ لاحول ولا قوت۔۔۔“

”تم کیوں نہیں پیتے سگریٹ۔۔۔!“ نینا نے سر اٹھا کر جملائے ہوئے لبھ میں کہا۔

”نہایت فرمانبردار لڑکا ہوں۔“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔ ”بچپن میں ایک بار ماں بی نے سمجھایا تھا کہ سگریٹ پینے سے قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔۔۔ اس لیے آج تک نہیں پی۔۔۔ انہیں پیسوں کا گھنی دودھ کھاتا پیتا ہوں۔“

نینا کچھ نہ بولی۔۔۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اسے دنیا اور اس کی باتوں سے دلچسپی نہ رہ گئی ہو۔
کچھ دیر بعد عمران نے پھر چھیڑا۔ ”چیل کے کچے انٹے پیوں گی۔۔۔ اتار لاوں کسی درخت سے۔۔۔!“

”مت بولو مجھ سے۔۔۔“ نینا پھر جھنجھلا گئی۔
”پھر کس سے بولوں۔۔۔ نہ مولا ناشارٹی ساتھ آئے ہیں اور میاں شیخوٹوںی سلمہ۔ پتہ نہیں زندہ بھی ہیں یہ لوگ یا عالم بالا میں گھوڑے دوڑا رہے ہیں۔۔۔“
”نینا جھلا کر انٹھ پیٹھی۔۔۔ کچھ دیر عمران کو گھورتی رہی پھر بولی۔ ”کیا تم بھوکے نہیں ہو۔؟“

”اتما زیادہ کہ اجازت دو تو تمہیں ہی کھا جاؤں گا۔“

”پھر بکواس کیوں کر رہے ہو۔۔۔؟“

”تم کیسی کاڈ گرل ہو۔۔۔ ایک ہی فاقہ نے تمہیں دنیا سے بیزار کر دیا۔“

”میں لعنت بھیتی ہوں اس زندگی پر۔۔۔ خدا کرے صدر جنگ کے بھی گولی لگ گئی ہو!“

”تم اس کی ملازم ہو کر ایسی۔۔۔“

”میں اس کی ملازم نہیں ہوں۔۔۔!“ نینا نے عمران کو جملہ پورا نہیں کرنے دیا۔ چند لمحے سوچتی رہی پھر بولی۔ ”ملازمت پر تولات ماری جاسکتی ہے۔۔۔ لیکن کچھ بندھن ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں تو زنا بے حد مشکل ہوتا ہے۔۔۔!“

”میں سمجھ گیا۔“ عمران سر ہلا کر تشویش کن لبھ میں بولا۔

”تم کچھ بھی نہیں سمجھے۔۔۔! غلط سمجھے ہو! اس سے میرا کوئی ایسا رشتہ نہیں جس پر مجھے شرمندگی ہو۔۔۔ میں اس کی پروردہ ہوں۔۔۔ میری پرورش اس کی لڑکوں کے ساتھ ہوئی ہے۔۔۔ میرا باب اس کا ملازم ہے۔۔۔ میرے تین بھائی بھی اسی کے لکھوں پر بلی رہے ہیں۔۔۔ میری ماں بچپن ہی میں مر گئی تھی۔۔۔ صدر جنگ نے مجھے محل کی نرسوں کے سپرد کر دیا تھا۔۔۔ اور پھر ہم لوگ دیے بھی اس کے پشتی نمک خوار ہیں۔۔۔ کوئی بھی شریف انسان آدمی ایسے بندھوں کو نہیں توڑ سکتا۔۔۔ یا توڑ سکتا ہے؟“

”ہوں۔۔۔ اوں۔۔۔ پتہ نہیں۔۔۔!“

”نہیں توڑ سکتا۔۔۔ میں نے کئی بار سوچا۔۔۔ لیکن جب اس کے احسانات یاد آئے تو سارا جوش مٹھندا پڑ گیا۔۔۔!“

”میرا بھی خیال ہی ہے کہ تم اس سے یوچھا نہیں چھڑا سکتیں۔ بہت سمجھدار اور نیک لڑکی ہو۔۔۔ بہت سمجھدار اور نیک لڑکیاں عموماً بر باد ہو جایا کرتی ہیں۔“

”کیا مطلب۔۔۔؟“

”مطلب ہی تو کچھ میں نہیں آتا۔“ عمران نے مغموم لبھ میں کہا۔ ”مطلب کچھ میں آتا ہوتا تو میزرنگ میں پانچ سال تک فل ہوتے رہنے کی بعد پڑھنا کیوں چھوڑ دیتا۔۔۔ وہ امتحان میں پوچھتے تھے کہ عاداً عظم مشترک کے کہتے ہیں اور میں سکندر عظم کی سرال کے حالات لکھ دیا کرتا تھا۔۔۔!“

نینا نہ پڑی۔ پھر سنجل کر اس طرح بورنے لگی جیسے اسے نہ ہنسنا چاہئے تھا۔

کچھ دیر وہ خاموش رہے عمران اس طرح چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ جیسے کسی چیز کی
تلاش ہو....!

دفتانہ نیا بولی۔ ”یہ بلا محض تمہاری وجہ سے نازل ہوئی ورنہ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا....“
”تو تم یہ سمجھتی ہو کہ وہ رانی ساجد گفر کے آدمی تھے۔“

”پھر اور کیا سمجھوں!“

”یہ کبڑا صدر جنگ کے پاس کب سے ملازم تھا؟“

”میں نے ہوش سنجالنے پر اسے باس ہی کے ملازم کی حیثیت سے دیکھا تھا۔ پہلے کی بابت
نہیں کہہ سکتی۔“

”کس بنا پر ساتھ چھوڑ گیا؟“

”مرغیاں چرایا کرتا تھا.... سنا ہے اور بھی عجیب حرکتیں کرتا تھا.... بوڑھی عورتوں کو
چھیڑتا تھا اور وہ جوتیاں اتار کر پل پڑتی تھیں سر راہ عورتوں کے ہاتھوں کی جوتیاں کھلایا کرتا
تھا۔ پھر باس نے ننگ آکر اسے نکال دیا۔ اب وہ رانی ساجد گفر کا شوہر ہے کتنا محکمہ خیز جوڑا
ہے۔ ”نینا نہیں پڑتی پھر بولی۔ ”وہ اونٹی ہے اور یہ شوٹو.... ان کے لیے تو ”وہ دونوں“ کہنے کی
بجائے ”ڈر ڈھوں“ کیوں نہ کہا جائے۔ اوه! مگر تم اپنی کہو.... حق تباہ تم کون ہو....؟“

”میں لاکیوں کے والدین کی جوتیاں کھاتا ہوں!“

”فضول کو اس مت کرو بتاؤ تم کون ہو جو کچھ ظاہر کرتے ہو حقیقت معلوم نہیں
ہوتے تمہارے بچپا بھی مستری تو نہیں معلوم ہوتے تھے!“

”کبڑے کا اصل نام کیا ہے?“

”پتہ نہیں میں نہیں جانتی باس اسے ٹھنی کہہ کر مخاطب کرتے تھے میں بچپن
پوچھ رہی ہوں وہ بتاؤ!“

”تمہیں یقین نہیں آئے گا کیونکہ وہ کچھے کاچھے ڈائریکٹر جزل والا شوشه چھوڑ گیا ہے۔“

”تو اس نے غلط کہا تھا....?“

”پتہ نہیں مجھے خود بھی نہیں معلوم کہ میں کون ہوں؟“

”تم بتانا نہیں چاہتے! ”نینا جھنجھلانی۔

”آہستہ بولو ورنہ کہنیں کوئی گولی چھید کر ہی نہ رکھ دے۔“

نینا سہم کر چاروں طرف دیکھنے لگی دفتانہ تھیک اسی وقت قریبی جهاڑیوں میں سرسر اہٹ
ہوئی اور عمران نے نینا کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف گھیٹ لیا۔ اب وہ سختی جهاڑیوں کے درمیان تھے۔
انہوں نے قدموں کی آواز سنی۔ اور پھر تین آدمی دکھائی دیئے دو کے ہاتھوں میں
راکفلسی تھیں۔ تیرے کے ہاتھ اس کی پشت پر بند ہے ہوئے تھے۔

عمران نے اسے صاف پہچانا وہ شیخو ٹوٹی تھا.... نینا نے تحریرانہ انداز میں پلکیں
جھپکائیں۔ پھر اس کے ہونٹ ہلے ہی تھے کہ عمران نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

”تم یہیں ٹھہر دو!“ عمران نے سر گوشی کی اور آہستگی جهاڑیوں سے باہر نکل آیا۔
اب وہ کسی چیتے کی طرح زمین پر سینہ لیکے بڑی پھر تی سے ان لوگوں کا تعاقب کر رہا تھا۔ نینا
نے جهاڑیوں سے جھاک کر دیکھا اور بے حد مضطرب نظر آنے لگی۔ وہ اب اسے آواز بھی نہیں
دے سکتی تھی وہ کیا کرتا چاہتا ہے وہ سوچ رہی تھی۔ نہتا ہے کی دن کا بھوکا بھی وہ
دو ہیں پوری طرح مسلسل اور چاق و چوبیند کہنیں وہ بھی نہ پکڑا جائے پھر کیا ہو گا
اوہ واقعی احمق خود ہی جہنم میں چھلانگ لگانے جا رہا ہے میرے خدا کیا کیا جائے
پر اس کے منہ سے چیخ نکل گئی کیونکہ عمران نے کسی چیتے ہی کی طرح ان دونوں پر چھلانگ
لگائی تھی اور وہ دونوں کو ساتھ لیتا ہوا خود بھی ڈھیر ہو گیا تھا.... وہ دونوں بے خبری کی وجہ سے
خود کو سنجھاں نہ پائے تھے اور عمران کو شش کر رہا تھا کہ وہ اب اٹھنے نہ پائیں شیخو ٹوٹی
قریب ہی کھڑا چھل اچھل کر کہہ رہا تھا۔ ”بہ با بہ بھیا رگڑ دیو سروں کا ڈیم بلاڈی
باشر والا“

اب نینا کو کچھ عقل آئی اور وہ بھی ان کی طرف دوڑ پڑی۔ سب سے پہلے اس نے ایک
ایک کر کے دونوں کے ہاتھوں سے راکفلسی چھینیں اور پھر ہولشیں بھی ٹوٹنے لگی وہ
دونوں اب اور زیادہ زور لگا رہے تھے کہ عمران کو اپنے اوپر سے اچھال پھیکیں نینا نے ان کی
انکھیوں پر پھر مار مار کر راکفلسی چھینیں تھیں اس نے راکفلسیں تو ایک طرق ڈال دیں اور
دونوں ہاتھوں میں روپا اور سنجھاں کر کھڑی ہو گئی۔ روپا اور بھرے ہوئے تھے۔

”اب انہیں چھوڑ کر ہٹ جاؤ!“ اس نے عمران سے کہا۔

”جو حکم سر کار“ عمران کہتا ہوا ان پر سے اٹھ آیا۔

”خبردار! ایسے ہی پڑے رہو“ نینا نے مغلوبوں کو مخاطب کیا۔

”ہاں ہاں.... دوسروں کو لوٹ لوٹ کر کھاؤ.... اور اللہ کا شکر کرو۔“ عمران سر ہلاکر بولا۔ پھر دونوں نے جی بھر کے کھلایا اور بقیہ ایک طرف رکھتے ہوئے عمران نے ایک لکنری پینک کر ٹوپی کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ پھر اشارے سے اسے نیچے آنے کو کہا وہ بھی شاید بھوکا ہی تھا۔ بری طرح ٹوٹ پڑا....

اب عمران درخت پر چڑھا گرد و پیش کا جائزہ لے رہا تھا۔...!

ٹوپی بڑے بڑے نواں لے کر منہ چلاتا ہوا بولا۔ ”نینا.... بیٹا.... یوسردن ہم کا بہت مارن ہیں.... کھانے کے ہم ان کی ٹھکانی جرور کر بے!“

نینا کچھ نہیں بولی۔ اب وہ پہلے سے بھی زیادہ مضمضل ہو گئی تھی۔ بے اختیار ہی بھی جی چاہ رہا تھا کہ آنکھیں بند کر کے لیئے اور گھری نیند سو جائے۔

پھر جب کچھ دیر بعد عمران درخت سے اتراتوہجے چچ گھری نیند سورہی تھی۔ ٹوپی کو پھر اس نے درخت پر چڑھا دیا۔ ابھی تک اس نے مغلوبوں سے پوچھ گچھ نہیں کی تھی....!

”کہو دوستو....!“ اس نے انہیں مخاطب کیا۔ ”میں تمہیں خل کر کھاؤں یا ابال کر...!“

”ہم کچھ بھی نہیں جانتے!“ ان میں سے ایک نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”کیا نہیں جانتے....!“

”سہی کہ ہم کس کے لیے کام کر رہے ہیں۔“

”بہت پرانی کہانی ہے!“ عمران سر ہلاکر بولا۔ ”اب کوئی نیا پلاٹ چاہئے۔“

”مت یقین کزو۔“ اس نے گردن جھٹک کر کہا۔

”ہم میں سے کتنے آدمی مارے گئے.... کتنے زخمی ہوئے؟“ عمران نے پوچھا۔

”ہم لوگ کچھ بھی نہیں جانتے....!“

”تمہارے کرتا دھرتا سے ایک غلطی ہو گئی!“ عمران سر ہلاکر بولا۔ ”اسے چاہئے تھا کہ تم لوگوں کے لیے پولیس کی دردیاں فراہم کرتا.... اور تم ہی ڈاکوؤں کو جن چن کامار لیتے اس طرح اس پاس کے گاؤں والے بھی تمہاری مدد کرتے.... کیوں ہو گئی تا غلطی....!“

عمران نے قہقهہ لگایا.... پھر یہ بیک گھری سنجیدگی اختیار کر کے بولا۔ ”یہ نہ بھولو کہ تم لوگوں نے اندھیرے میں ہم پر بڑی بے دردی سے گولیاں چلانی تھیں.... کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تمہیں زندہ چھوڑ دوں گا.... تم اپنے سر غنہ کا نام بتاؤ یا نہ بتاؤ.... انجام بہر حال وہی ہوتا ہے جو

وہ چپ چاپ اونڈھے پڑے رہے۔

شیخوٹوںی اچھل اچھل کر کہہ رہا تھا۔ ”دیکھو سردن! ہم کہت رہن کہ کون ہمار منی دیکھ لہس تو تمہارا کچور نکال دے اسی.... باہ.... بیٹا.... باہ.... باہ بھیا بھا!“

نینا ان دونوں کو کور کئے رہی اور عمران نے شیخوٹ کے ہاتھ کھول دیئے۔ چھوٹے ہی وہ مغلوبوں کی طرف چھٹا۔

”نہیں....!“ عمران ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اس رسی کے دو ٹکڑے کرو.... اور ان دونوں کے ہاتھ اسی طرح باندھ دو جیسے انہوں نے تمہارے باندھ رکھے تھے۔“

”ہم کا اپنے جی کی بھڑاں نکال لے دیو.... ہم تو ناماب مر بے جو ذر سردن کا.... ہمروپائی بھے رہے....!“

”نہیں....!“ نینا نے سخت لمحے میں کہا۔ ”جو کچھ کہا جا رہا ہے وہی کرو....!“

”کہہ مرانے لیکیت ہے.... مدا....!“

”نہیں کچھ نہیں....!“

شیخوٹوںی نے ان کے ہاتھ پشت پر لے جا کر باندھنا شروع کر دیا۔ ساتھ ہی وہ انہیں گالیاں بھی دیئے جا رہا تھا....

پھر عمران انہیں ان جھاڑیوں میں لا یا جہاں خود پناہ گزیں تھا۔ ٹوپی کو اس نے رائفل دے کر ایک گھنے اور اونچے درخت پر چڑھا دیا.... پھر دونوں مغلوبوں کے شکاری تھیلے ٹوٹنے لگا۔ نینا دور بیٹھی ان دونوں کو گھور رہی تھی....!

وفقاً عمران نے بچوں کی طرح مقامی مار کر قہقهہ لگایا....

”کھانا ضرور ملے گا جاہے جہاں چلے جاؤ....!“ اس نے نینا کو مخاطب کر کے کہا۔

”کیوں کیا بات ہے؟“ نینا نے پاشتیاق لمحے میں پوچھا اور اٹھ کر اس کی طرف جھی۔

عمران اب مغلوبوں کے شکاری تھیلوں سے ڈبل روٹیاں اور گوشت کے تسلی ہوئے پار پے نکال رہا تھا....

وہ دونوں خاموش بیٹھے انہیں گھورتے رہے.... کچھ بولے نہیں.... ویسے ان کے چہروں پر عمر اسیگی کے آثار تھے....!

”اللہ تیرا شکر ہے....!“ نینا نے بڑے خلوص سے کہا۔

وہ ایک طرف ہاتھ اخاکر ہانپتا ہوا بولا۔ ”اوکیت سے سات آٹھ منی آوت ہیں!“
عمران نے جھپٹ کر نینا کو جگا دیا۔ دراکفل اور دور بیو اور کافی میگزین سمیت پہلے ہی ہاتھ
چلتے... اس لیے عمران غیر مطمئن نہیں دکھائی دیتا تھا۔
اپاٹک دنوں مغلوبوں نے چینخا شروع کر دیا...
عمران اور شخوٹونی ان کے منہ دبائے رکھنے کی کوشش کرنے لگے...!

O

آج صدر نے کسی نہ کسی طرح موقع پیدا کر کے ساجد گر ٹیلیفون ایکچن کے ذریعہ ایکس ٹو
(بلکہ زیر) سے رابطہ قائم کیا اور عمران کی گشادگی کی اطلاع دی۔
” محل ہی سے غائب ہوا تھا؟“ دوسری طرف سے پوچھا گیا۔
” جی ہاں...! میرا خیال ہے کہ آپ بھروسہ کو یہاں بھیجے...!
” تم خود نامزد کرو...!“

صدر نے سوچا کہ جو لیا کار آمد ثابت ہو گی... اسے یقین تھا کہ عمران کی گشادگی
میں کبڑے کا ہاتھ تھا یہ اور بات ہے کہ پھر کسی طرح نواب صدر جنگ کے ہاتھ جانا گا ہو۔
پھر اس نے پلٹوز دو کے متعلق بھی بلکہ زیر دو کو بتاتے ہوئے کہا۔ ” وہ بھی کوئی اہم آدمی
معلوم ہوتا ہے۔“

” بہت زیادہ!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ” اتنا ہم کہ مسٹر رحمان کا مکملہ اس کے لیے
دن کا جیلن اور راتوں کی نیند کھو بیٹھا ہے...“
” پھر جو لیا آئے گی تا...!“

” کل تک پہنچ جائے گی... لیکن کہاں؟“

” اسے یا یوں کے ہوٹل ہیرا اڈز میں قیام کرنا چاہئے... میں رابطہ قائم کروں گا۔“
” دوسری طرف سے سلسہ منقطع ہو گیا۔

وہ بڑی الجھن میں تھا سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ عمران سے کس طرح رابطہ قائم کرے پہلے
اُن نے کوشش کی تھی کہ صدر جنگ سے چھیڑ چھاڑ کے لیے کبڑے سے اجازت حاصل کر
اوہ سے سات آٹھ آدمی آرہے ہیں۔

” میرے بعض ساتھیوں کا ہوا ہو گا۔“
” ہم نے کبھی کس پر اندر ہیرے میں گولی نہیں چلائی... یہ کب کی بات ہے...؟“
” چار دن پہلے کی بات ہے...!“
” ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے... لیکن ہم اپنے سراغنہ کا نام ضرور بتائیں
گے... خیسو کا نام سناتے ہے...؟“
” اوہ... وہ... ڈاکو...!“

” ہاں... وہی... ہم اس کے گردہ سے تعلق رکھتے ہیں... کسی نے اس سے کہا تھا کہ“
” تم لوگوں کو جنگل میں تلاش کر کے پکڑے...!“
” میا خیسو سے جانتا ہے...؟“
” پتہ نہیں...!“
” خیسو کہاں ہے؟“ عمران نے پوچھا اور وہ دنوں ہنسنے لگے پھر بولے۔ ” تم معلوم کرو مگر
ہم سے...؟“

” کیوں کیا نہ بتاؤ گے؟“ عمران نے متیر انہ لبجھ میں پوچھا۔
” کو شش کر کے دیکھ لو۔“ ایک نے مفعکہ اڑانے والے انداز میں کہا۔
” فضول باتیں نہ کرو۔ ہم جانتے ہی کب میں کہ خیسو کس وقت کہاں ہو گا...؟“
” تم لوگوں نے اب تک ہمارے کتنے آدمی پکڑے ہیں؟“ عمران نے پوچھا۔
” یہ پہلا ہاتھ آیا تھا...!“
” کہاں لے جا رہے تھے...؟“
” اپنے اڑے پر...!“
” مجھے خیسو سے ملا ڈا مجھ سے مل کر وہ فائدے میں رہے گا۔“ عمران نے کہا۔
” ہم نہ ملا سکیں گے کیونکہ جانتے ہی نہیں کہ وہ کہاں ملے گا۔“
” اگر تمہیں کوئی ضروری پیغام اس تک پہنچانا پڑے تو کیا کرو گے؟“
” ہمارے پاس نامہ بر کوترا ہیں۔ وہ ہمارے پیغام اس تک لے جاتے ہیں۔“
” دفاتر شخود صم سے زمین پر کودا۔ وہ اتنی جلدی میں تھا کہ تنے سے گزر کر اترنے کی بجائے
پلی شانگ ہی پر سے کوڈ پڑا تھا...!“

لے.... لیکن وہ اس معاملہ میں بے حد محنتے خون والا ثابت ہوا۔ اجات مل جاتی تو عمر ان عکس رسمی بھی ممکن ہوتی.... وہ حالات کو سمجھنا چاہتا تھا۔ آخر اتنے پاپر کیوں اور کس لیے بیلے کے تھے۔ وہ سوچتا اور مزید اچھوں میں مبتلا ہو جاتا۔... پھر اس نے سوچنا ہی چھوڑ دیا۔... کیونکہ ایک نو سے بھی کسی قسم کے واضح احکامات نہیں ملے تھے۔

بہر حال یہ دن بھی خاصی تفہیمات میں گزر رہے تھے.... کبڑا تو مختلف النوع دیپیوں کا خرازہ تھا.... اس کی ہدایت کے مطابق اس نے روشنی سے گفت و شنید شروع کی۔

”ایسا آدمی آج تک میری نظر سے نہیں گزرا....“ روشنی نے جھینپے ہوئے انداز میں کہا۔

”کیوں کیا بات ہے؟“

”کیا تاؤں... شرم آتی ہے۔“ وہ شر میلے انداز میں ہٹکی۔

”شرم.... تمہیں.... تم جیسی اسلامت حورت کو....!“ صدر نے حیرت سے کہا۔

”بات ہی اسکی ہے....!“ وہ پھر نہیں پڑی۔

”بناوٹا آخر... کیا بات ہے....!“

”تم ہنو گے.... اور مجھے الو سمجھو گے....!“

” وعدہ کرتا ہوں نہیں سمجھوں گا.... نہیں ہنوں گا۔“ صدر کا اشتیاق بڑھ رہا تھا۔

”میں اس پر سواری کرتی ہوں!“ روشنی نے کہا اور کہتے وقت ہنسی کی وجہ سے اس کے ملنے سے ”قیاؤں قیاؤں“ قسم کی آوازیں نکلی تھیں....

”سواری کرتی ہو....!“

”ہاں وہ زمین پر اونڈھا لیٹ جاتا ہے۔ مجھ سے کہتا ہے کہ اس کے کوبڑ پر بیٹھ جاؤں اور اسی طرح آگے پچھے جھولتی رہوں جیسے اونٹ پر بیٹھنے والے جھولتے ہیں۔“

” صدر نہیں پڑا.... لیکن انداز میں بے یقینی تھی۔

”اب تم دوسرا فرماش کر رہے ہو....“ روشنی نے نہ کہا۔ ”اچھی بات ہے میں اسے پیٹ پیٹ کر ادھ موادر دوں گی لیکن تم اسے نہ بتانا کہ اونٹ والی بات تمہیں معلوم ہو چکی ہے۔“

” صدر کچھ نہ بولا.... پھر وہ کسی سوچ میں گم ہو گیا تھا....

O

کبڑا بے پاؤں روشنی کے کمرے میں داخل ہوا۔ روشنی کی پشت دروازے کی جانب تھی اور

ایک با تصویر سینگزین میں کھوئی ہوئی تھی۔ اس لیے کبڑے کی آمد سے لا علم رہی۔.... وہ پچھے سے آہستہ آہستہ اس کے کان کے قریب منہ لے جا کر زور سے چینا اور روشنی اچھل کر فرش پر جا گری.... اس کے ملنے سے بھی چینی نکل گئی تھی.... پھر وہ اٹھی اور جملے ہوئے انداز میں کبڑے کو گھورنے لگی.... اس وقت تجھے اس کا یہی جی چاہتا تھا کہ دونوں ہاتھوں میں سینڈ لیں سنجا لے اور آنکھیں بند کر کے پل پڑے....!

”آپ نے توڑا دیا.... یور ایڈ یو نکر لگی....!“ اس نے زبردستی اپنی آواز میں نری پیدا کر کے شکایت آمیز لمحے میں کہا۔

کبڑا چکنڈ انداز میں ہٹنے لگا۔

”آج میں بڑے اچھے موڑ میں ہوں؟“ اس نے کچھ دیر بعد کہا اور شرارۃ آمیز نظروں سے اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

”ترشیف رکھئے!“ روشنی نے کرسی کی طرف اشارہ کیا۔

”نہیں.... میں فرش ہی پر بیٹھوں گا.... تم دروازہ بند کرو وو....!“

”کھ... کھ... کیوں....?“

”کچھ نہیں.... بس موقع ہے قلندر کی....!“

”م..... مگر.....!“

”میادا ہے آواز فائز بھول گئیں....!“ کبڑا سمجھہ ہو گیا۔

”مگر کیوں؟....“ روشنی ٹھکنی....!

”کچھ بھی نہیں بس باتمن کریں گے....“

”آپ کو اور کوئی کام نہیں رہتا....?“

” دروازہ بند کرو وو....!“ پھر سخت لمحے میں کہا گیا۔

روشنی طعماء کر لیا.... دروازے کی طرف بڑھی۔ اس کے لیے اسے کبڑے کے قریب سے گذرنا پڑا.... اور پھر تجھے بے اختیاری میں اس کا ہاتھ گھوم ہی گیا۔ جو خاصی آواز کے ساتھ کبڑے کے گال پر پڑا تھا۔

اس نے حرکت ہی ایسی کی تھی....!

وہ بُش رہا تھا اور روشنی غصہ سے پاگل ہوئی جا رہی تھی۔ وہ اس وقت قلعی بھول گئی تھی کہ وہ کس پوزیشن کا آدمی ہے اور فطرت نکیا ہے....

”مزہ آگیا....“ کبڑے نے پھر قبھہ لگایا اور روشنی کسی بھوکی شیرنی کی طرح اس پر نوٹ

لو.... تم مجھے چھوڑ کر کہیں نہیں جائیں....!

روشی جرت سے آنکھیں چھاڑے اسے دیکھتی رہی.... اب کبڑے کی آنکھیں ویرانی
نظر آنے لگی تھیں۔ پلکیں جھپکائے بغیر وہ ایک سمت خلائیں گھوڑے جارہا تھا۔

یک بیک اس کے حق سے پھر بھرا تھی آواز نکلی اور وہ کہنے لگا۔ ”تم پہلی ہستی ہوئے
میں پوری سنجیدگی سے اپنی کہانی سنانے جا رہا ہوں.... میں نہیں جانتا کہ میں کون ہوں میرا نام کیا
ہے؟ میرے ماں باپ کوں تھے! کہاں تھے! میری پیدائش....!“ اس نے ایک طویل سلسلہ لی
اور اتنی سختی سے دانت بھینچ کر جزوں کی دریدیں ابھر آئیں.... چند لمحے اسی کیفیت میں
گذرے پھر بولا۔ ”میری پیدائش غالباً اسی طرح ہوئی ہو گی جیسے سڑتی ہوئی لاشوں میں کہڑے
پیدا ہو جاتے ہیں.... انسانیت کی سڑتی ہوئی لاش نے مجھے جنم دیا تھا۔“

وہ یک بیک خاموش ہو گیا.... قہقہہ لگایا.... دیر تک بنتا رہا.... پھر بولا۔ ”میں انسانیت
کی سڑتی ہوئی لاش کو اس طرح چاٹ جاؤں گا جیسے.... وہ کہڑے.... اوہ! تمہیں شاید گھن آرہی
ہے.... میں گھناؤتا ہوں.... مجھ سے خوشنگوار باتوں کی توقع نہ رکھو.... لیکن تم نے آج میری
وہ آرزو پوری کر دی ہے.... وہ.... آرزو....!“

اس نے اپنی ہتھیں کو ایک طویل اور پر شور بوسہ دیا۔

”میں نے تمہیں اس لیے غصہ دلایا تھا کہ تم مجھے مار بیٹھو.... میں جانتا تھا کہ تم کس ناٹک کی
عورت ہو.... مجھے یقین تھا کہ تم مجھ پر جھپٹ پڑو گی.... سنو! جن لوگوں نے میری پرورش کی
تھی بہت نیک لوگ تھے.... انہوں نے مجھے ایک شاہراہ پر پاپیا تھا۔ وہ اپنے بچوں کو معمولی قسم
کی شرارتوں پر پیٹ دیا کرتے تھے.... لیکن مجھے کبھی نہیں مارا.... خواہ میں کچھ کرتا پھر دوں....
وہ مجھ پر ترس کھاتے تھے.... تم خود سوچو ایک نہماں کبریا.... قابلِ رحم.... میرا جی چاہتا تھا کہ
وہ عورت مجھے میں مال کہتا تھا.... کبھی کبھی مجھے بھی آنکھیں دکھایا کرے۔ مجھے بھی جھڑ کا
کرے.... مجھے بھی مارا کرے۔ جیسے اپنے بچوں کو مارتی تھی.... لیکن اس نے کبھی غصیل بجھ میں
مجھے مخاطب نہیں کیا.... بڑی نیک عورت تھی....! جب میں کچھ بڑا ہوا تو سونپنے لگا کاش کوئی
دوسری ہی عورت مجھے دوچار ہاتھ جھاڑ دیتی.... گمراہی بھی نہ ہو سکا۔ میں اسی توقع پر کہ شاید یہ
آرزو پوری ہوئی جائے۔ محلے بھر میں شرارتمیں کرتا پھرتا لیکن کوئی بھی مجھے نہ مارتا کیونکہ جن
لوگوں نے میری پرورش کی تھی۔ ذی اثر اور متوال لوگ تھے.... اگر ان کے پاس میری شکا تھیں
پہنچتیں تو وہ صرف نیچتوں کا دفتر لے بیٹھتے....! اب تم بڑے معنی خیز انداز میں مسکرا رہی ہو
روشی....!“

پڑی....

تھپڑے.... لات.... گھونے.... پھر تو سبھی چل رہے تھے.... لیکن کبڑے کے قہقہوں
میں کوئی فرق نہ آیا۔ روٹی کا غصہ تیز ہوتا رہا.... اور وہ بڑے بے دردی سے اسے بیٹھی رہی۔

اب تو وہ اسے باقاعدہ زمین پر گرا کر چڑھ بیٹھی تھی اور دونوں ہاتھوں سے پیٹ رہی تھی....!
وغلٹی.... کبڑا سکاریاں لیتا ہوا بولا۔ ”دروازہ بند کر دو.... پھر چاہے مجھے مارہی ڈالنا....“

”میں اب نہیں کروں گی تمہاری طازہ مت.... تم کہنے ہو... ذلیل ہو! میں رانی کا بھی من
نوچ لوں گی.... مجھے بے بس نہ سمجھتا.... تمہارا یہ راج محل مقبرہ بن جائے گا سمجھے....!
”تم.... نہیں جائیں.... تم مجھے نہیں چھوڑ سکتیں.... میں خود کشی کر لوں گا.... اگر تم
نے مجھے چھوڑا....!“

پھر وہ یک بیک پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اروٹی غیر ارادی طور پر اسے چھوڑ کر ہٹ گئی۔
کبڑا مزید کچھ کہے بغیر بازوؤں میں سردیئے روتا رہا۔

اب روٹی کو ہوش آیا۔ اس نے سوچا کہ اگر کسی نے انہیں ایسی بے تکی حالت میں دیکھ لیا تو
کیا ہو گا۔ وہ چکے سے دروازے کی طرف بڑھی اور اسے بھیڑ کر بولت کر دیا۔ کبڑا اب آواز سے
نہیں روتا تھا صرف سکیاں جاری تھیں۔ چیڑہ بھی بازوؤں ہی میں چھا ہوا تھا۔

کئی منٹ گذر گئے۔ روٹی ایک اشول پر احقوں کی طرح بیٹھی ہوئی تھی اور اب اسے محسوس
ہو رہا تھا جیسے اس سے زبردست غلطی سرزد ہوئی ہو.... وہ بالکل کسی نہیں سے بچے ہی کی طرح
روئے چلا جا رہا تھا۔ وہ سوچتی اور بور ہوتی رہی۔ پھر کچھ دیر بعد سکوت طاری ہو گیا۔

کبڑے نے اپنا آنسوؤں سے بھیگا ہوا چڑھا اور پڑھلیا.... آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں اور ناک
کے ناخن تورم نظر آرہے تھے۔ روٹی نے گڑ برا کر دوسری طرف منہ پھیر لیا۔

”تم نہیں جاؤ گی.... بولو.... تم مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ گی....“ اس نے آہستہ سے کہا۔
روٹی نے اس کی طرف دیکھا اور پھر دوسری جانب دیکھنے لگی....
اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔

”تم نہیں جانتیں کہ میں کتنا دکھی آدمی ہوں....“ کبڑے نے پھر کہا۔
روٹی اب بھی کچھ نہ بولی.... تھوڑی دیر تک وہ روٹی کو مغمون آنکھوں سے دیکھتا رہا پھر
بھرا ہوئی آواز میں بولا۔ ”تم پہلی عورت ہو.... جس نے مجھے مارا ہے مم.... میں....
تمہیں کسی قیمت پر بھی ہاتھ سے نہیں جانے دوں گا.... تم نے آج میری وہ آرزو پوری کیے
جس کے لیے میں بچپن ہی سے تربیا۔ سلگتا اور کڑھتا آیا ہوں.... روٹی.... کان کھول کر سن:

روشی چوکنگ پڑی۔ وہ اتنی محو ہو گئی تھی کہ کچھ دیر پہلے کا واقعہ بھی یاد نہ رہا تھا کہ اسے کے برادر است مخاطب کرنے پر پھر وہی پچھلا ساموڑ واپس آگیا۔ اس نے جھر جھری لی۔ کچھ کہنا چاہا۔ لیکن حلق سے آواز ہی نہ نکل سکی۔

”میں جانتا ہوں کہ تم مجھے معاف کر دوگی۔ میں تمہارے چہرے پر مانتا کا نور دیکھ رہا ہوں! خیر میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں کہ!“

وہ پھر کسی سوچ میں گم ہو گیا۔ روشنی اسٹول پر کسماتی رہی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ کسی طرح اس کرنے سے نکل بھاگے۔ وہ بڑی اسارت عورت تھی۔ اب تک نہ جانے کتنوں کو چنکیوں میں اڑا بچکی تھی۔ جب وہ پیشے میں تھی تو بر طرح کے لوگوں کا تجربہ ہوا تھا۔ اور وہ انہیں ہینڈل کرتا بھی جانتی تھی۔ لیکن یہ بے ہنگم کہرا۔ اسے برابر پٹختیاں دیئے جا رہا تھا۔ وہ خود کو اس کے سامنے قطعی بے بس محسوس کرنے لگتی تھی۔ اب اسی وقت پھر اسے اس پر حرم آنے لگا تھا....!

کہرا کچھ دیر بعد بولا۔ ”پھر میں اسی طرح ترسنا اور سکتنا ہوا زندگی کی منزلیں ملے کرتا رہا۔ پھر ایک جگہ رانی ساجد غفرانکرنی۔ اس کا چہيتا بلڈ اگ بے پور گیا تھا۔ وہ اس کے غم میں سو گوار تھی۔ مجھے دیکھ کر کھل اٹھی کیونکہ مجھ میں اسے بے پوکی جھلکیاں نظر آئی تھیں۔ پہلے مجھے ملازم رکھا۔ پھر بے تکلف ہوئی۔ اس کے بعد شادی کر پیشی۔ مجھ سے بے حد محبت کرتی ہے۔ میں اس موقع پر روزانہ اس کے تکوے کسی کتے ہی کی طرح چانتا ہوں کہ شاید مذاق ہی میں ایک آدھ لات رسید کر دے۔ لیکن افسوس میرا یہ خواب آج تک پورا نہ ہو سکا۔ بولو۔۔۔ بتاؤ۔۔۔ میں کیا کروں۔۔۔؟“

روشنی بے ساختہ ہنس پڑی۔ ”اوہ بھی بچوں کی طرح تالیاں بجا کر ہنسا۔ ”اب تم مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ گی۔۔۔ تم نہیں رہی ہو۔۔۔ تمہارا غصہ اتر گیا۔۔۔ بیا۔۔۔؟“

”تم سور ہو۔۔۔ اوہ ہو۔۔۔“ روشنی نے جھینپے ہوئے انداز میں کہا۔۔۔ انھ کر دروازے تک آئی۔ بولٹ گرا کر دروازہ کھولا۔۔۔ اور تیزی سے باہر نکل گئی۔۔۔!

O

میگرین پر نینا کا قصہ تھا۔ اس نے ایک راکفل سنجھاں اور جھاک کر جھاڑیوں سے باہر دیکھنے لگی۔۔۔ تھوڑے ہی فاصلے پر کچھ آدمی نظر آئے۔۔۔ مغلبوں کی چینیں سن کر وہ ایک ہی جگہ نہ کھل گئے تھے اور اب اس طرح چاروں طرف دیکھ رہے تھے جیسے انہیں خطرہ کا احساس ہو گیا۔۔۔

اُدھر عمران اور شخون نے ان دونوں کے منڈبار کھے تھے۔
نینا نے آنے والوں کی نگرانی کرتی رہی۔۔۔ جہاں رکے تھے وہیں اب بھی کھڑے تھے۔
وفتا ایک نے شخون کی گرفت سے آزاد ہو کر پھر چینخا شروع کر دیا۔
اب باہر والے انہیں جھاڑیوں کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔۔۔!

”دیکھو!“ نینا نے عمران کو مخاطب کیا۔ ”انہیں چھوڑ کر اُدھر آؤ۔ انہوں نے اندازہ کر لیا ہے!“
پھر عمران نے بھی ایک راکفل سنجھاں لی۔ لیکن شخون کو قیدیوں کے پاس ہی میٹھے رہنے کا اشارہ کیا۔۔۔ باہر والے احتیاط سے جھاڑیوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اچانک ان میں سے ایک نے ہاتھ اٹھا کر انہیں رکنے کا اشارہ کیا اور آہستہ کچھ کہتا رہا۔۔۔!
”اُدھر۔۔۔!“ عمران نے نینا کے شانے پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے کہا۔ ”یہ لوگ جھاڑیوں کو گھیرے میں لینے کا مشورہ کر رہے ہیں شاید۔۔۔!“

نینا کچھ نہ بولی لیکن دوسرا ہی لمحے عمران کے اندر یہی کی تقدیم ہو گئی کیونکہ اب وہ پھیلاوہ اختیار کر کے نصف دائرے کی محل میں جھاڑیوں کی طرف بڑھ رہے تھے۔۔۔!

”راکفل۔۔۔ نہیں۔۔۔ روپا اور!“ عمران نے آہستہ سے کہا۔ ”جب زد پر آ جائیں جب۔۔۔
لیکن ناٹکوں پر فائز کرتا۔۔۔!“

نینا نے دونوں روپا اور چیک کیے۔ دونوں چیکریں بھرے ہوئے تھے۔۔۔ پھر اس نے حملہ آوروں پر نظر ڈالی جو آہستہ بڑھتے چلے آرہے تھے اور ان کا نصف دائرہ بند رکھ و سیع ہوتا جا رہا تھا۔

وفتا نینا نے فائز کر دیا اور وہ سب بوكھلانے۔۔۔ پھر وہ جب تک راکفلیں سیدھی کرتے۔۔۔
عمران نے بھی پے در پے تمن فائز کئے۔۔۔ ایک آدمی جیچ مار کر گرا اور بقیہ تھر ہو کر پوز شن لینے لگے۔۔۔ کوئی کسی درخت کے تنے کی اوث میں ہو گیا۔ کوئی کسی گڑھے میں لیت گیا۔ دو تین تو بد حواس ہو کر جھر بھی منہ اٹھا جھاگتے چلے گئے۔۔۔!

”اب دشواری پیش آئے گی۔“ نینا بڑا بڑا۔۔۔ اور وفتا باہر سے ایک فائز ہوا گول عمران کی ناٹکوں کے درمیان سے خاک اڑاتی ہوئی گزرنگی۔

”ارے باپ رے۔۔۔!“ عمران اچھل پڑا۔ ”کھلو یہاں سے۔۔۔ فائزوں کی آوازیں دوسروں کو بھی اس طرف متوجہ کر لیں گی۔۔۔ پڑھنیں اور رکنے ہوں۔۔۔ اور مسٹر نوئی۔۔۔
بانیں طرف بھاگو۔۔۔ چلو۔۔۔!“ وہ نینا کا ہاتھ کپڑ کر کر ایک طرف گھینٹے گا۔۔۔!

کبڑا پائیں باغ میں بیٹھا اونگہ رہا تھا۔ صدر کی آہت پر چوک پڑا۔ صدر نے بڑے ادب سے سلام کیا۔...!
”جیتے رہو!... جیتے رہو!“ کبڑا آگے پیچھے جھولتا ہوا بولا۔ آج کل وہ ہر وقت نئے میں رہنے لگا تھا۔

”کیسے مراج ہیں... یورائیڈ یو سکریسی...!“

”مگن بر خود دار... آج کل راوی چین ہی چین لکھتا ہے...“

”کیوں نہ ہوا بڑے آدمی ٹھہرے!“ صدر نے تین لمحے میں کہا۔

”لیا مطلب!“ کبڑا سے گھومنے لگا۔

”میں اب اس زندگی سے تملک آگیا ہوں یورائیڈ یو سکریسی... تھایاں کھا جائیں گی مجھے!“

”سمجا!“ کبڑا سمجھیگی سے سر ہلا کر بولا۔ ”روشی پر پھسل گئے ہو شاید... مگر یہ ہامکن

ہے... وہ بڑی شریف عورت ہے...“

”روشی... پوہ۔ اس میں کیا رکھا ہے... میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ آج میری محبوبہ آرہی

ہے... مجھے اجازت دیجئے کہ اسے اپنے ساتھ رکھ سکوں!“

”محبوبہ... اخا... آپ بھی محبوبہ رکھتے ہیں... مگر تم نے تو کہا تھا کہ تم اس دنیا میں تھا ہو!“

”غلط تو نہیں کہا تھا... جلدی اجازت دیجئے مجھے اٹیشن جا کر اسے رسیو کرنا ہے...!“

”ہم بھی چلیں گے۔“ کبڑا اٹھتا ہوا بولا۔

”آپ یعنی کہ... یعنی... لیکن براہ کرم میرے حال پر رحم فرمائیے۔ روشنی کی طرح وہ

بھی آپ کی سکرٹری نہیں بن سکے گی...“

”بکواس مت کرو... چلو!“

”لیکن اس کے لیے بھی محل ہی میں جگہ نہ لانی پڑے گی۔“

”وہ سب ہو جائے گا... تم چلو بھی تو...!“ کبڑے نے اسے دھکیلتے ہوئے کہا۔

ایک بھی سی کیڈی بلک پر دریلوے اٹیشن پر پیچے۔ کبڑے کے ساتھ دو مسٹر اور باور دی

بادی گارڈ بھی تھے... ساجد گفر کے چھوٹے نے ریلوے اٹیشن پر کھلبی نیچ گئی... اٹیشن ماشر

خود دوڑا ہوا آیا اور اسی نے کار کا دروازہ کھولا۔ پھر وہ انہیں وینگ روم میں لاایا اور کبڑے کے

سلامنے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔

”تم نہیں آپ سے مہمان آ رہے ہیں۔“ کبڑے نے بالآخر اس کی حیرت اور خوف کا خاتمه کیا۔

”پکھ پیش گے سر کار...“

”نہیں پکھ نہیں شکریہ... تمہاری فرض شناسی سے ہم بہت خوش ہیں۔“

”میر بانی سر کار!“ اٹیشن ماشر بینے پر ہاتھ رکھ کر جھلکا چلا گیا۔

”بس اب جاؤ...!“ کبڑا ہاتھ ہلا کر بولا۔

بادی گارڈ وینگ روم کے دروازے پر ٹھہر گئے تھے۔ اندر اب کبڑے اور صدر کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

”اب پھر جی اچاٹ ہو رہا ہے ساجد گفر سے!“ کبڑے نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ ”پھر دار الحکومت جاؤں گا۔ کہیں جی نہیں گلتا۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں...!“

”یعنی آپ کا دل نہیں بہلتا...“ صدر نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔ ”وہ کون ہی چیز ہے جو آپ کی دسترس سے باہر ہے... اس کے باوجود بھی... حیرت ہے خت حیرت!“

”تم نہیں جانتے... تم نہیں سمجھ سکتے...!“

”میں تو کچھ بھی نہیں سمجھ سکتا!“ صدر بولا۔ ”آپ نے مجھے کسی آدمی کے قتل کے لئے ملازم رکھا تھا لیکن پھر یہاں لے آئے... مجھے یقین نہیں آیا اس طبقے پر جو آپ نے بیان کیا تھا۔ چہرہ دو حصوں میں مقسم... اس کا نام کیا تھا۔“

”پلو نزو دا...“ کبڑے نے صدر کو گھوڑتے ہوئے کہا۔ ”کیا تم مجھے جھوٹا سمجھتے ہو؟“

”نہیں! ایڈی یو سکریسی... لیکن میں اب اس بے کاری کی زندگی سے تملک آگیا ہوں۔ مجھے کام بتائیے...!“

”کام...“ کبڑا اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بولا۔ ”تم بکواس کرتے ہو۔ کام کرنے والے لوگوں سے دوستی نہیں رکھتے...!“

”لوگوں نہیں صرف لڑکی... جو لیانا فنز و اٹر میری زندگی میں پہلی اور آخری لڑکی ہے۔“

”ہائیں... ہائیں... جو لیانا فنز و اٹر!“ کبڑے نے پلکیں جھپکائیں۔ ”کیا وہ کوئی غیر ملکی ہے؟“

”جی ہاں... سوکیں...!“

”تماں گذنس...!“ کبڑا اپنے سر سہلانے لگا۔

انتہے میں ٹرین کی آمد کا اعلان کرنے والی گھنٹی بجی۔...

”سر کار اس پر رحم فرمائیے گا... وہ حد حسین ہے...!“

”کیا بکواس کر رہے ہو... کیا میری یو کسی سے کم حسین ہے... اتنی بلندی پر اتنا

خوبصورت چہرہ آج تک میری نظر سے نہیں گزرا...!“

"راہی صاحبہ آپ سے بہت محبت رکھتی ہیں...."

"یقیناً.... مجھے اس پر فخر ہے.... مجھے جیسے ایڈیٹ کو اتنا چاہتی ہے.... وہ بام مچھلی مجھے پر بری طری مرتی ہے...."

"لیکن ایڈیٹ یو سنکر لئی مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ وہ آپ کی بے راہ روی پر بھی آپ کو توکتی نہیں!"

"بڑے دل گردے کی عورت ہے!" کبڑا سر بلکر بولا۔ "اکثر میں اس کے لیے مغمون رہتا ہوں لیکن اپنی فطرت سے مجبور ہوں.... قدرت نے اس قدر حراثی پن عطا کیا ہے مجھے کہ واہ.... واہ...."

صادر حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ اتنے میں اشیش ماشر نے اندر آکر ٹرین کی آمد کی اطلاع دی! پھر وہ پلیٹ فارم پر آگئے.... ٹرین کی سیٹوں کی آوازیں گونج رہی تھیں.... ٹرین.... آئی.... رکی.... اور جسم سات مسافروں کو اتارت کر آگے بڑھ گئی....!

جو لیاڑیں سے اتری تھی۔ ایک جھوٹا سا سوت کیس ہاتھ میں لٹکائے اس بھیڑ میں سب سے الگ نظر آ رہی تھی.... صدر اس کی طرف بڑھا۔ کبڑا جہاں کھڑا تھا وہیں کھڑا رہا۔ پھر وہ اسے کبڑے کے قریب لایا۔

"ماں فرینڈ جو لیاٹریٹری ایڈس ازمائی باس ہر ایڈیٹ یو سنکر لئی ہمگ دی گریٹ....!"
جو لیانے بڑی سمجھیگی سے کبڑے سے مصافحہ کیا۔

لیکن کبڑا اب.... بالکل خاموش ہو گیا تھا صدر جو لیا سے اس کی تعریفیں کرتا رہا۔

"میرا بس بہت بڑا آدمی ہے۔ بہت شامندا اور عجیب.... یہ ہمارا مالک بھی ہے اور بہترین دوست بھی.... تم محل میں اجنبیت بالکل نہ محوس کرو گی۔ تمہاری دلستگی کے لیے وہاں ایک غیر ملکی لڑکی اور بھی ملے گی.... میں تمہیں اس سے ملاوں گا.... اس کا نام روشنی ہے۔ نام پسند آیا تمہیں.... وہ انگلکور میز ہے۔"

"تمہیں تو پسند نہیں....!" جو لیانے مسکرا کر پوچھا۔

"اوہ.... نہیں نہیں!" صدر گھبرا کر بولا اور کبڑا بڑے مشقانہ انداز میں مسکرا نے لگا۔ جو لیا کبڑے کے ٹھاٹھ دیکھ کر متین نظر آ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد کیڈی پھر محل کی طرف روانہ ہوئی.... اکبر اڑاکنور کے پاس اگلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ صدر اور جو لیا پہچھے تھے۔ جو لیا شاید کچھ پوچھنا چاہتی تھی لیکن صدر نے اشارے سے منع کر دیا۔

محل پہنچ کر کبڑے نے جو لیا کے لیے ایک کمرہ ٹھیک کرنے کا حکم دیا جو صدر کے کرنے نے

بہت دور تھا.... صدر نے احتاج کیا۔

"یہاں عیاشی نہیں ہو سکتی.... سمجھے برخوردار۔" کبڑے نے جواب دیا۔
"میں نہیں سمجھا۔"

"یا اس سے شادی کرلو.... یادو رہو....!"

"یور ایڈیٹ سنکر لئی....!" صدر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"بکومت.... تم رات کو تہائی میں اس سے نہیں مل سکو گے اب کچھ نہیں سننا چاہتا....!"
بات ختم ہو گئی تھی.... پھر صدر نے موقع پا کر جو لیا کو سارے حالات سے آکاہ کیا لیکن جو لیا کے اس سوال کا جواب نہ دے سکا کہ اسے کیا کرنا ہو گا۔

اسی شام کو صدر راثی کے سامنے طلب کیا گیا.... وہ ایک کمرے میں تھا تھی۔ چہرے پر گہری تشویش کے آثار تھے۔ ہاتھ ہلا کر اس نے صدر کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ تھوڑی دیر تک صدر کو گھوڑتی رہی۔ پھر بولی۔

"یہ لڑکی.... جو آج آئی ہے.... اس سے تمہارا کیا تعلق ہے....؟"

"مم...!" صدر نے لکھاڑا کر طلق صاف کیا۔ پھر بولا۔ "وہ میری دوست ہے یور بانی نس۔!"

"کس قسم کی دوست....؟"

"بس دوست.... بھی ہاں.... یور بانی نس.... صرف دوست!"

"مجھے اس قسم کی دوستی پسند نہیں....؟"

"مم میں نے.... اسے.... ہر ایڈیٹ سنکر لئی کی اجازت سے بلا یا ہے.... یور بانی نس!"

"اوہ.... وہ....!" راثی خاموش ہو گئی۔ اس کے چہرے پر پھر تشویش کی پر چھائیں نظر آنے لگیں.... تھوڑی دیر تک وہ خلاء میں گھوڑتی رہی پھر صدر کی طرف دیکھے بغیر بولی۔ "میں اس کے لیے بہت فکر مند ہوں۔ لیکن اس سے کچھ نہیں کہتی.... وہ بہت زیادہ پینے لگا ہے اور محل میں خراب عورتیں آنے لگی ہیں.... کیا تم اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتے....؟"

"مجھے خراب عورتوں کا علم نہیں.... یور بانی نس!"

"میں جانتی ہوں۔" راثی نے در دنک لہجے میں کہا۔ "همی کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ تم اس بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ روشنی کو وہ مجھ سے لے گیا۔ اب تم اپنی دوست کی حفاظت کے خود ذمہ دار ہو گے۔ میں کچھ نہ کر سکوں گی....؟"

"یہ تو بہت براہوں!" صدر نے سرا سیمگی ظاہر کی۔ "اب میں کیا کروں....؟"

"آج رات خود اس کی حفاظت کرو.... اور صبح ہی اسے واپس بھجوادو۔"

”کیا آپ ہر ایمی یو سنکری کو قابو میں نہیں رکھ سکتیں...؟“
”نہیں.... میں مجبور ہوں.... اسے کچھ نہیں کہہ سکتی.... کچھ نہیں کہہ سکتی....!“
”ائیش کی بدنای ہوتی ہے.... پورہائی نس....!“
”ہوا کرے....!“ رانی نے لاپروائی سے کہا۔

”ود دیکھئے.... پرنز تارا گڑھ ہیں۔ اپنے میاں کو کس طرح دبا کر رکھتی ہیں حالانکہ حضرت فوج میں جلاں کے نام سے مشہور تھے لیکن پرنز تارا گڑھ سے شادی ہوتے ہی کایاپلٹ ہو گئی!“
”ہو گئی ہو گی۔ میں اس کے مقابلے میں دخل نہیں دے سکتی۔ اگر خفا ہو گیا تو کیا ہو گا۔
اگر وہ ہمیشہ کے لیے کہیں چلا گیا تو میں کیا کروں گی.... بس جاؤ۔ اپنی دوست کی حفاظت کرو.... اور صبح اسے یہاں سے بہاؤ۔!“
صادر وہاں سے چلا آیا تھا اور پھر جولیا سے ملا تھا۔ اپنی اور رانی کی گفتگو ہر انی ”اوہ نہ۔ ختم کروا!“ جو لیا ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”تم یہ بتاؤ کہ مجھے کیا کرنا ہے.... اپنی حفاظت میں خود کر سکتی ہوں.... مگر یہ روشنی یہاں کیا کر رہی ہے....؟“

”اس کا جواب تو عمران صاحب ہی دے سکیں گے....!“
”تو یہ حقیقت ہے کہ وہ پاگل نہیں تھا....!“
”قطیع نہیں۔ وہ ایک لمبا پلٹ تھا۔ اگر یہ ڈرامہ اسچنہ کرتا تو کبھی اپنے باپ کے گھر تک نہ پہنچ سکتا۔ اگر گھر تک نہ پہنچتا تو رحمان صاحب غرق ہی ہو جاتے۔“
”بے چارہ جوزف بللاتا پھر رہا ہے.... مجھے ذر ہے کہ کہیں وہ کج پاگل نہ ہو جائے عمران کی تلاش میں نہ جانے کہاں بھکلتا پھر رہا ہو گا....!“
پھر صدر نے اسے بتایا کہ محل میں روشنی پر کیا گذری تھی۔ جو لیادیر تک ہنسنی رہی۔
”تم اپنا کمرہ مقفل کر کے سوئ۔“ صدر نے کہا۔ ”دروازہ ہر گز نہ کھولنا، چاہے میں ہی کیوں نہ آواز دوں.... سمجھیں....!“
جو لیا نے استفہامیہ انداز میں سر کو جبش دی۔....

راہ بھکلی تھی کہ اب دوبارہ کسی آبادی تک پہنچنے کی امید نہیں رکھتی تھی... شیو ٹونی ہر وقت خیسو اور اس کے آدمیوں کو گالی دیتا ہتا۔!

نینا بھی خیسو کے متعلق کچھ زیادہ نہیں جانتی تھی لیکن شخونے اسے بتایا کہ خیسو ایک براختر ناک ڈاکو ہے درجنوں کا قاتل۔ پولیس آج تک اسے گرفتار نہیں کر سکی کیونکہ خود اس کے آدمی نہیں جانتے کہ وہ کہاں رہتا ہے۔ جب کوئی مہم درپیش ہوتی ہے تو وہ ان سے آلتا ہے۔ پولیس نے کئی بار ان جنگلوں کو کھنگلا لیکن اسے یا اس کے ساتھیوں کو نہیں پا سکی۔

”سنوا عمران۔“ نینا نے عمران کو مخاطب کیا۔ ”میں کہتی ہوں آخر خیسو کو ہم سے کیا۔ اگر اس نے ہمیں لوٹنے کے لیے اس رات جملہ کیا تھا تو پھر بعد میں بھی ہمیں گھیرے رہنے کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کیمپ میں جو کچھ بھی تھا اس کے ہاتھ لگا ہو گا۔ امیر اخیال ہے کہ یہ اسی کمپے حرامزادے کی حرکت ہے۔ خود مقابلے پر آنے کی بہت نہیں پڑی۔ خیسو کو بھڑکا دیا۔ مگر اس سے کیا ہوتا۔ بات توجب تھی کہ خود ہی دل کی حرست نکالنے کے لیے مقابلے پر آتا۔“

عمران خاموشی سے ستارہ تھا۔ اس کے چپ ہوتے ہی بولا۔ ”کچھ بھی ہو مجھے مسٹری زادے کی تو خواہ مخواہ شامت آئی۔“

”تم جھوٹے ہو۔ وہ ہر گز نہیں ہو جو ظاہر کرتے ہو۔۔۔! مجھے یقین ہے کہ کبڑے نے جو کچھ بھی کہا تھا جس کہا تھا۔۔۔ تم وہی عمران ہو۔۔۔ ڈائرکٹر جزل رحمان کے لڑکے۔“

”وہ بکواس کر رہا تھا۔۔۔!“

”ہر گز نہیں۔۔۔“ نینا مسکرائی۔ ”میا تمہیں وہ لڑکی یاد نہیں جو اکثر تمہیں ٹیلیوں پر بور کیا کرتی تھی۔۔۔؟“

”اوہ۔۔۔“ عمران نے سیٹی بجانے کے انداز میں اپنے ہونٹ سکوڑے اور نینا پڑی۔ پھر بولی۔ ”وہ میری ایک سہیلی تھی۔ دارالحکومت میں زیر تعلیم تھی اور تمہارے فلیٹ کے قریب ہی رہتی تھی۔۔۔!“

”وہاب کہاں ہے۔۔۔؟“ عمران نے ٹھنڈی سافس لے کر کہا۔
”مشتعلی صوبے میں۔۔۔ اس کی شادی ہو چکی ہے!“

”چلو اچھا ہو۔“ عمران نے اس طرح سر ہلا کر کہا جیسے کسی بہت بڑی فکر سے نجات ملی ہو۔
”تم نے شاید نگ آکر کتے کا پلاپا لیا تھا۔ جب بھی وہ فون کرتی تم کتے کے پلے کامنہ ماؤ جھٹ پیں سے لگادیتے تھے۔۔۔!“

O
اب انہوں نے اپنے لیے ایک ایسی پناہ گاہ تلاش کر لی تھی جسے نینا محفوظ تھا۔ کیونکہ وہ ہو چکے تھے جنگلوں میں بھکلتے ہوئے۔۔۔ خیسو کے آدمیوں سے وہ نفع نکلے تھے لیکن اجھی طرح جانتے تھے کہ ان کی تلاش اب بھی جاری ہو گی۔۔۔ نینا جوان جنگلوں کا کیڑا تھا اس طرح

عمران نے بڑے زور سے قبیلہ لگایا اور دیر تک بنتا رہا پھر بولا۔ ”کتنے کا پلا کہہ کر اس کی توہین نہ کرو... وہ میرا بھانجا تھا...!“
”کیا مطلب....؟“
”میں نے ایک کتیا کوپی بہن بنایا تھا...“

”اوٹ پنائگ باتوں کے علاوہ اور کچھ بھی آتا ہے...!“ نیا اس کی آنکھوں میں دمکتی ہوئی مسکرائی...!

دفعاً تو قریب ہی کے ایک درخت سے ڈھم سے کودا... اور وہ دونوں پونک پڑے۔

”کیا بات ہے؟“ نیا نے پوچھا۔

”وہ بارہ منیٰ ارتھاں لیے... گھیرے آوت ہیں۔“ شینو بانپا ہوا بولا۔

”کھدھر...!“ عمران نے رائل اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

ٹوپی نے ہاتھ گھما کر اشارے سے بتایا کہ وہ گھر اداں رہے ہیں۔

جہاں ان لوگوں نے جائے پناہ منتخب کی تھی گھنی جہاڑیوں سے چھپی ہوئی تھی اور یہاں کئی بڑے بڑے گڑھے بھی تھے... عمران نے نینا کو ایک گڑھے میں اتر جانے کو کہا... اور خود کا ندھر سے رائل رکا کر ایک درخت پر چڑھتا چلا گیا... ٹوپی جس درخت سے اتر اتھا اسی پر پھر نظر آیا... اس نے بھی ایک رائل سنپھال رکھی تھی...!

نینا بور ہوتی رہی... اس کے ہاتھ میں بھرا ہوار یو اور تھا... وہ ایک طرف پشت نکائے بیٹھی تھی اور سوچ رہی تھی کہ یہ دونوں درخت کافی گھنے ہیں۔ ٹوپی اور عمران حملہ آوروں کو نظر نہ آسکیں گے...!

وہ عمران کے متعلق پھر سوچنے لگی تھی کس قسم کا آدمی ہے... آدمی نہیں بھوت کہنا چاہئے! بجلی کی طرح جھپٹتا ہے شکار پر... شارٹی کو کس طرح پیٹ کر رکھ دیا تھا۔ ان دونوں آدمیوں پر بیک وقت کس طرح چھا گیا... لیکن رانی ساجد نگر سے اس کا کیا تعلق۔ کبڑے نے اسے کیوں بندھوار کھا تھا... وہ سوچنے سوچنے اوکھنے لگی۔ راتوں کو ٹھیک سے سو نہیں سکتی تھی اور دن کو سونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔

وہ اوکھتی اور ادھر ادھر کی سوچتی رہی... لیکن پھر بیک ایسا معلوم ہوا جیسے غنودگی کے دھنڈے کے سے نکل کر کسی کیڑے نے اسے پکڑ لیا ہو۔ اس نے چینا چاہا لیکن آواز نہ اُنکی۔ کوئی چیز خختی سے منہ پر جمی ہوئی تھی... آہستہ آہستہ ذہن صاف ہوتا گیا۔ پھر پھوپھوش اس کی سمجھ میں لگی۔ کسی نے اس کامنہ خختی سے بند کر کھا تھا کہ وہ چینے نہ سکے... وہ بے بس تھی... بالکل

بے بس ہاتھ پر بھی نہیں بلا سکتی تھی... پھر کوئی اس کا گلا بھی گھومنے نہ کا تھا۔ آنکھوں میں بھر ہار کیلیاں رقص کرنے لگیں... اور ذہن کسی دلدل میں ڈوبتا چلا گیا... تاریکی... گھری تاریکی...!



رانی ساجد نگر مظہر بانہ انداز میں کبڑے کی منتظر تھی۔ کبھی شبلے لگتی اور کبھی بیٹھ جاتی۔ کچھ دیر بعد چوبدار نے کبڑے کی آمد کی اطلاع دی اور وہ خود اٹھ کر اس کے استقبال کے لیے دوڑ گئی۔

”اوہ... ڈارلنگ... کب سے منتظر ہوں!“ رانی شکایت آمیز لمحے میں نھکلی۔

کبڑا کمرے میں داخل ہو کر ایک جانب کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کا مودہ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا تھا۔ پیشانی پر شلنیں تھیں اور ہونوں پر تغیر آمیز کھچپا... وہ کچھ نہ بولا... رانی نے تحریر ان انداز میں پلکیں جھپکائیں...“

”کیا بات ہے ہمی...!“

”کچھ نہیں!“ کبڑا بھرائی ہوئی ہی آواز میں اور ایک صوفے میں ڈھیر ہو گیا...“ ”کچھ تو... تمہارا مودہ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا... مجھے بتاؤ کیا بات ہے۔ تم تین دن سے مجھ سے نہیں ملے... کیوں...؟ میں تمہارے معاملات میں دخل نہیں دینا چاہتی۔ لیکن یہ تو ظلم ہے کہ تین تین دن تک مجھ سے نہ ٹلو...!“

”ہوں!“ کبڑا کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”میں نے بہت دیر سے پی نہیں... اس لیے...“

”اوہ... تو یہ کہو...!“ رانی نے میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائی۔ ایک باور دی ملازم اندر داخل ہوا۔ رانی نے اس سے شراب اور اس کے لوازمات لانے کو کہا۔

پھر اس کے جانے کے بعد کبڑے کو پار بھری نظروں سے دیکھتی رہی جو اس کی طرف متوجہ نہیں تھا... خود رانی شراب نہیں پیتی تھی... لیکن کبڑے کے لیے اکثر اسے اپنے ہاتھ میں کھنی پڑتی تھی...“

شراب کی ٹرالی کر کرے میں آئی... رانی اٹھی ہی تھی کہ کبڑا اٹھتا ہوا بولا۔ ”نہیں تم اپنے ہاتھ بخس نہ کرو... نماز پڑھتی ہو...!“

”تم بھی پڑھا کرو... ڈارلنگ...!“

”اتنایاہ نہ کبھی نہیں ہوتا کہ جھوک میں آکر نماز پڑھنے لگوں... خدا سے میرے پانے جھکڑے چلے آرہے ہیں...“

”کفر نہ بکو...!“

اُس سے سو کیس پڑھوں گا....!" کہرا سر ہلا کر بولا اور پانچویں گلاس میں سائیفن سے سوڈے کی دھار مارنے لگا۔

رانی نے بر اسمانہ بنا لیکن جیسے ہی وہ اس کی طرف متوجہ ہوا پھر مکرانے لگی....!
پانچویں گلاس چڑھا کر وہ کتوں کی طرح بھونکنے لگا تھا.... پھر کرسی سے اتر کر کتوں ہی کی طرح ہاتھوں اور گھٹنوں کے مل رانی کی کرسی کے گرد پلکرانے لگا۔ ساتھ ہی چیاؤں چیاؤں بھی کر رہا تھا.... رانی نہ سُن کر دوہری ہوئی جا رہی تھی کیونکہ اس کے پیروں پر منہ بھی تو مارتا جا رہا تھا.... "گد گدیاں اٹھ رہی ہوں گی، ساری جان من....!"

O

پتہ نہیں کتنی دیر بعد اسے ہوش آیا تھا.... پہلے چاروں طرف اندر ہرا نظر آیا.... پھر تھوڑے ہی فاصلہ پر روشنی کا بہت بڑا متحرک دھبہ دکھائی دیا۔ آہتہ آہتہ تاریکی کا غبار چھٹا جا رہا تھا.... اب اس نے محسوس کیا کہ وہ یہاں کے نرم زم زم ڈھیر پڑی ہوئی ہے....
پھر وہ یوکھا کر اٹھ بیٹھی لیکن دوسرے ہی لمحے میں اپنے حلق سے آزاد ہونے والی چیز کو کسی طرح نہ روک سکی۔ وہ چہرہ اتنا ہی ڈراوٹا تھا.... بڑا سا چوزا چکلا چھرہ.... گھنٹی اور بے ترتیب ڈال گھنٹے ڈھکا ہوا.... انگاروں کی طرح دمکتی ہوئی بڑی بڑی دھشت ناک آنکھیں.... جسامت میں دیوبکادیو ہوا.... میلے خاکی رنگ کے لباس نے اسے اور زیادہ ڈراوٹا بنا دیا تھا.... سینے پر کارتوسوں کی چیٹی تھی اور قریب ہی رانفل ایک بڑے پھر سے بکھی ہوئی تھی۔

نینا نے آنکھیں بند کر لیں.... کیونکہ وہ اسے بھوکی نظروں سے گھور رہا تھا۔ اس کا سارا جسم کاپ رہا تھا.... دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا جیسے کسی لمحے بھی بارٹ فیل ہو جائے گا.... دغنا اس نے ایک بھی ایک قہقهہ سناؤ رہ گھبرا کر آنکھیں کھوں دیں....

اب اس دھشی کا چہرہ اور زیادہ ڈراوٹا ہو گیا تھا.... بڑے بڑے دانت لگلے پڑ رہے تھے....

"ادھر دیکھے....!" وہ قہقهہ روک کر غایا۔ "میں خیسو ہوں....!"

وہ کچھ نہ بولی۔ جسم کی تھر تھری کسی طرح مٹنے کا نام ہی نہ لیتی تھی....!

"ادھر دیکھے....!" وہ پھر غریباً اور اس طرح نچلا ہونٹ چاٹنے لگا.... جیسے جیسے.... تشبیہ مرف نینا کے ذہن میں گوئی اور جسم کی تھر تھری میں اضافہ ہو گیا.... وہ جانتی تھی خیسو کو.... کوئی نہیں جانتا تھا۔ وہ جو آئے دن آس پاس کے گاؤں پر چھاپے مار کر لڑکوں کو اٹھانے جاتا تھا اور وہ کئی دن بعد کہیں نہ کہیں بے ہوش پائی جاتی تھیں.... وہ درندہ تھا۔ سکون کی زندگی بس

"غیر.... ہاں یہ تو بتاؤ کہ صدر کا پولیسیکل ایجنسٹ کیوں آیا تھا....

"اوہ کچھ نہیں.... صدر جنگ پھر سنک گیا ہے۔ کسی نے رات کو اس کے کمپ پر حملہ کر کے اس کے کئی آدمیوں کو زخمی کر دیا۔ اور کچھ آدمی غائب ہیں اس کا خیال ہے کہ یہ حرکت میری ہے کیونکہ اسی دن تم سے اس کا جھگڑا ہوا تھا.... اس نے پولیسیکل ایجنسٹ سے شکایت کی ہے۔"

"مگر میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا.... تم اپنے شکاریوں سے پوچھ سکتی ہو.... انہوں نے بھڑنا پاہا تھا لیکن میں نے سختی سے روک دیا تھا...."

"ہاں.... شکاریوں سے معلوم کر چکی ہوں.... انہوں نے حملہ نہیں کیا تھا۔"

"پھر تم نے پولیسیکل ایجنسٹ سے کیا کہا....؟"

"میں نے لا علی ظاہر کی.... پھر تیز ہو کر کہہ دیا.... جاؤ تفتیش کرو.... میرے شکاریوں کے خلاف کچھ ثابت ہو جائے تو پھر آتا.... کیا میں پولیسیکل ایجنسٹ سے دھتی ہوں....؟"
کہرا اتنی دیر میں پے در پے تین گلاس چڑھا چکا تھا۔ اس کے چہرے پر پائے جانے والے برافروخنگی کے آثار را مل ہو چکے تھے۔

رانی اسے پیدا بھری نظروں سے دیکھے جا رہی تھی۔ دفتار کیڑا بولا۔ "پتہ نہیں کیوں لوگ مجھے بے ضرر آدمی سے بھی بھڑکتے ہی رہتے ہیں۔ شہباد میں ممتاز ہتھیار ہتھیار ہے ہیں.... میرا تو یہ عالم ہے کہ اگر تمہارے ساتھ شادی نہ ہو گئی ہوتی تو کسی قبر پر دھونی رما کر بیٹھ جاتا۔ ایسے درویشانہ خیالات رکھتا ہوں...."

"بہ!.... بس کرو!" رانی ہاتھ اٹھا کر بولی۔ "وہ بھی تم عنور توں ہی کے لیے کرتے۔"

پھر نہیں پڑی.... کہرا بھی ہنسنے لگا.... دونوں دیر تک ہنسنے رہے....!

پھر رانی سمجھدہ ہو کر پیدا بھرے لجھ میں بولی۔ "روشی کو الگ کر دو...."

"کیوں؟...."

"پتہ نہیں کیوں کیوں.... مجھے اچھی نہیں لگتی....!"

"مگر میں تو اس سے جرمن پڑھ رہا ہوں...."

"مکب تک پڑھو گے....!" رانی معنی خیزانہ از میں مکرائی۔

"ابھی تو ابتدائی کتاب پڑھ رہا ہوں۔"

"تمہارے سیکریٹری کی کوئی دوست آئی ہے....؟"

"ہاں....!"

"سنا ہے وہ سو بیس برلنڈ کی رہنے والی ہے....!"

کچھ آگے بڑھ کر دو ایک موتی اور سڑ، وہ آگے بڑھتے رہے حتیٰ کہ ان موتویوں نے بھی منہ موز لیا۔ اس حصے میں زمین پر بڑی بڑی گھاس تھی۔۔۔!
”اب کا کریہو۔۔۔“ نونی نے کہا۔

”آپن اور تمہارا کھپار لا ایئے دیب!“ عمران نے جھلا کر کہا۔ ”اب بولیو تم اوہم گھکلی دبادا تمہارا۔۔۔!“

”ہائے بھیا، ہمار مکن پھر گواہ ہے۔۔۔ اٹھائے لے لکھن سروں حرامین بیٹا کا۔۔۔!“
”او بابا۔۔۔ سوچنے دے۔۔۔!“ عمران سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کدھر جائے۔۔۔ دن ڈھلنے لگتا تھا۔۔۔!

نینا غیر مسلسل نہیں تھی لیکن لے جانے والوں نے اسے مسلسل کب رہنے دیا ہو گا۔۔۔ حالات بھی کہہ رہے تھے کہ وہ خود سے نہیں گئی۔ تھا کسی طرف نکل جانے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔۔۔
عمران سوچتا اور بور ہوتا رہا۔۔۔ و فعتاً نونی بیچ پڑا۔ ”قوت۔۔۔ قبوت۔۔۔!“

عمران چونکہ پڑا اور نونی نے ایک جاپ انگلی اٹھائی۔۔۔ سفید رنگ کا ایک کوترا جا رہا تھا۔۔۔
”کیا کبواس ہے۔۔۔!“ عمران پھر جھنجلا اٹھا۔۔۔!

”اے بھول گئی کا۔۔۔ او سر دن یہی کہن رہیں تاک قوت کھٹت لئی جات ہیں نہیں کوئی پال۔“

عمران اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ بات پتے کی تھی۔ وہ کوئی جنگلی کوترا نہیں تھا۔۔۔ سفید رنگ کا پال تو کوترا۔۔۔ پال تو کا دیر انوں میں کیا کام۔ وہ تو بیسوں کے آس پاس والے کھیتوں میں اترتے ہیں لہذا وہ یقینی طور پر خیسو کا نامہ برہی ہو سکتا ہے۔۔۔!

بُوكھاہت میں اس نے کوترا کے ہاتھ ساتھ دوڑنے کی کوشش کر دی۔۔۔ لیکن لا حاصل پکھ دوڑ چل کر وہ اوپے اور گھنے درختوں کی اوٹ میں نظر نہ اوجھل ہو گیا ویسے عمران نے ازان کی سست کا اندازہ کر لیا تھا۔۔۔ بس پھر وہ تاک کی سیدھہ میں چل پڑے۔۔۔ شیخواب خاموش تھا۔۔۔ وہ چلتے رہے۔۔۔ حتیٰ کہ سورج غروب ہونے لگا۔۔۔

”اب کا ہوا!“ شیخوں بیڑا دیا۔ ”سرخ ڈوبے والا ہے۔۔۔ کہوں ٹھکانا ڈھونڈ لیو۔۔۔!“
”چلتے رہو۔۔۔ چلتے رہو۔۔۔!“ عمران نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”اب تو بھکان ہیں بھیا، ہم۔۔۔!“
”ش اپ۔۔۔“
پھر چلتے چلتے اندر ہیرا بھی پھیلے گا۔۔۔ اور شیخوں نے عمران کو برا جھلا کرنا شروع کر دیا وہ اپنی

کرنے والے دیہاتیوں پر باز کی طرح آگ رکھتا تھا۔ اس کے آدمی لوٹ مار اور آتشزندی کے ماہر تھے۔ پولیس آج تک اسے گرفتار نہیں کر سکی تھی۔۔۔ اس کے ساتھی اکثر پکڑے جاتے لیکن وہ اس کی قیام گاہ سے واقعیتی نہ ہوتے تھے۔ خیسوں اطراف کا ہوا تھا۔ بعض اوقات تو دوسرے چھوٹے موٹے ڈاکو بھی اسی کے نام پر کام کر جاتے تھے۔۔۔

”تو جلدی سے رو دینے والی تو نہیں ہے۔۔۔“ اس نے پھر قہقهہ لگا کر پوچھا۔
نینا پھر بھی کچھ نہ بولی۔ اس کے حلق میں کامنے پڑ گئے تھے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے رو روح نفس عضری سے پرواز کر جائے گی۔۔۔
خیسوں اپنی جگہ سے اٹھا اور دونوں ہاتھ پھیلائے قہقہے لگاتا ہوا آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھنے لگا۔

”بچاؤ۔۔۔ بچاؤ۔۔۔“ نینا کے بند ہوتے ہوئے حلق سے بمشکل تمام ایک چین آزاد ہو سکی۔۔۔

O

عمران درختوں کی گنجان شاخوں کے درمیان اس طرح چھپ گیا تھا کہ دیکھ لیے جانے کا اندریش نہیں تھا۔۔۔ تھوڑے فاصلے پر شیخوں بھی اسی طرح نئے آنے والے مسلسل آدمیوں کی مگر انی کر رہا تھا۔ یہ تعداد میں گیارہ تھے۔ کچھ دیر تک وہ ٹھیک اسی درخت کے نیچے رکے تھے جس پر عمران تھا۔۔۔ پھر دسری طرف مزگئے تھے اور عمران انہیں بتدریج دور ہوتے ہوئے دیکھتا رہا تھا۔۔۔ پھر وہ نظر سے او جھل ہو گئے تھے اور پھر وہی پہلے کا ساسکوت طاری ہو گیا تھا۔

عمران نے شیخوں کو درخت سے اترتے دیکھا اور خود بھی شاخوں پر پیچ کھتا ہوا نیچے اترنے لگا۔ لیکن جیسے ہی وہ پناہ گاہ میں داخل ہوئے۔ شیخوں اچھل پڑا۔ نینا کا کہیں پتہ نہ تھا۔۔۔ انہوں نے آس پاس کی ساری کھایاں چھان ماریں لیکن وہ نہ ملی۔۔۔!

عمران پھر اسی گڑھے میں واپس آگیا جہاں نینا کو چھوڑا تھا۔۔۔
قرب و جوار کا غور سے جائزہ لینے لگا۔۔۔ شیخوں بری طرح بوكھایا ہوا تھا۔۔۔ بار بار بینے پر باٹھ مار کر کہتا۔۔۔

”ہائے بیٹا۔۔۔ تم کہاں گئے۔۔۔ اب کہاں ڈھونڈی تم کا۔۔۔“
”خاموش رہو۔۔۔ بورنے کرو۔۔۔“ عمران نے اس کا شانہ تھکتے ہوئے کہا اور جھک کر زمین سے تین چمکدار موتی اٹھائے۔۔۔
”ایں بیٹا کے ہار کے موتی آئیں۔۔۔!“ شیخوں خوش ہو کر بولا۔

سے بڑی بڑی لپکیں اٹھ رہی تھیں.....

”نینا.... بیٹا....!“ ٹوٹی نے سر گوشی کی اور رانفل سیدھی کرنے لگا....
”مہربو....!“ عمران نے ہاتھ مار کر رانفل کی ہال نیچے گرتے ہوئے کہا۔ ”خاموشی سے اتر
چلو.... میں ہمیشہ معلوم ہوتا ہے.... تھا ہو گا....!“
وہ بآہمگی نیچے اترتے رہے.... نینا کی چینیں برابر سنائے میں گونج رہی تھیں اور خیسوں اس
سے اسی طرح کھیل رہا تھا۔ جیسے کوئی ملی قابو میں آئی ہوئی کسی چوبیساے کھلتی ہے۔ اگر وہ جاہتا تو
ایک ہی جست لگا کر اسے پکڑ لیتا۔ لیکن شاید نینا کی ذری ڈری سی چینیں اس کی کسی جبلت کے
لیے باعث تکینی ثابت ہو رہی تھیں....!

عمران نے نیچے پہنچ کر یہک اسے لکارا۔ ”خبردار اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔“
وہ رک کر مڑا۔ اور چند حیائے ہوئے انداز میں پلکیں جپکائیں....
”عمران....!“ نینا چینی پھر دوڑ کر اس سے پٹ گئی۔ عمران بآمیں ہاتھ سے اسے ایک
طرف ہٹاتا ہوا ہڑا۔ ”اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ....!“
اس کے دامنے ہاتھ میں ریو اور تھا جو اس کیم شیم اور بھیاک آدمی کی طرف اٹھا ہوا تھا۔
لیکن وہ بدستور ہاتھ گراۓ ہوئے عمران کو گھورتا رہا۔ ... ہاتھی اور ٹوٹ کا مقابلہ تھا....!
”تو کون ہے....؟“ بالآخر اس نے زم لجھ میں پوچھا۔

”مقدار جنگ کا ایک شکاری....“ عمران نے نیچے لجھ میں کہا۔ ”اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔“
”کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ خیسوں نے لاپرواہی سے کہا۔ ”تو کیا چاہتا ہے....؟“
”لڑکی کو واپس لے جاؤں گا۔ اور تم سے پوچھوں گا کہ ہم لوگوں پر کس نے حملہ کرایا تھا۔“
”تو پوچھے گا....؟“ خیسوں نے خحدت سے کہا۔

ایک دبوباشتے سے مخاطب تھا۔
”لڑکی کو واپس لے جائے گا....!“ پہلے ہی کے سے لجھ میں اس نے پوچھا۔
”ہاں بے!“ ٹوٹی نے رانفل سیدھی کرتے ہوئے کہا۔ ”لے جائے.... دیکھتے ہی تم
کا کر لیتے ہے....!“

”اور کون ہے تیرے ساتھ؟“ خیسوں نے ٹوٹی کی طرف متوجہ ہوئے بغیر عمران سے پوچھا۔
”میں کہتا ہوں ہاتھ اوپر اٹھاؤ۔... ورنہ گولی مار دوں گا....!“
”مار دے....!“ وہ اپنے بڑے بڑے دانت نکال کر ہنسا اور نینا سے بولا۔ ”اوھ آ۔“
وفتنٹوٹی نے رانفل کو لاٹھی کی طرح تول کر اس کے کندے سے خیسوں پر حملہ کرایا۔ عمران

”ہائیں ہائیں“ ہی کرتا رہ گیا....!

پھر دوسرا ہی لمحے میں اس نے ٹوٹی کی جیج سنی۔ آنکھیں تو صرف اتنا ہی دیکھ سکی تھیں
کہ وہ رانفل سیست خیسو کے سر کے اوپر سے گزرتا ہوا دوسرا طرف جا گرا تھا۔
اور پھر دو ایک بار ترپ کراس طرح ساکت ہو گیا تھا جیسے دم ہی نکل گیا ہو۔....!
پھر نینا بھی چینی تھی۔ شاید اسے بھی ٹوٹی کی موت کا لیقین ہو گیا تھا۔
عمران نے جو اسے خونخوار نظروں سے گھور رہا تھا۔ گرج کر پوچھا۔ ”اب اگر میں تم کو گولی
مار دوں تو....“

”مار دے....!“ وہ سینے پر ہاتھ مار کر کسی گوریلے کی طرح غرانے لگا....
”چلو.... چلو.... بھاگ چلو یہاں سے!“ نینا عمران کے بازو سے پٹ کر اسے جھبھوڑتی
ہوئی بولی۔

”خیسو.... اگر میرا ساتھی مر گیا ہو گا تو میں تمہیں زندہ نہ چھوڑوں گا....!“
”ابے.... آ بھی....!“ خیسو نے پھر کسی پہلوان کے سے انداز میں ہاتھ ہلا کر اسے گویا
کشتی لڑنے کی دعوت دی۔....!
”بھاگ چلو.... عمران بھاگ چلو....!“ نینا پھر گھکھیا۔....

عمران اس سے اپنا بازو چھڑانے لگا۔ اتنے میں خیسو کو اس پر حملہ کر دینے کا موقع مل گیا۔....
اس نے بالکن کسی بلکے چلکے آدمی ہی کی طرح عمران پر چلا گک لگائی تھی۔
نینا پھر چینی۔ عمران چونکہ اس کی طرف ہی متوجہ تھا۔ اس لیے خیسو کو جھکائی نہ دے سکا اور
پھر اسے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے قرب و جوار کی کوئی بہت بڑی چٹان جس سے اکٹھ کر اس پر آپڑی ہو۔!
نینا ب اس طرح چیز رہی تھی جیسے کسی قسم کا دورہ پڑ گیا ہو۔....
قریب ہی شیخوٹوٹی بے حصہ حرکت اونڈھا ڈا تھا۔

عمران کو شش کر رہا تھا کہ کسی طرح اس چٹان کے نیچے سے نکل جائے لیکن جنبش کرنا بھی
دوسرے معلوم ہو رہا تھا۔ ریو اور بھی ہاتھ سے نکل کر نہ جانے کہاں جا پڑا تھا۔ نینا کی بدحواسی نے تو
اسے زدوس بھی کر دیا تھا۔.... لیکن اس نے بڑی پا سردی سے خود کو سنبھالے رکھا۔
اب خیسو کو شش کر رہا تھا کہ اس کا گلا گھونٹ دے۔ عمران دن بھر کا بھوکا تھا۔ یوں بھی کسی
قدر نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔

یک بیک نینا کو ہوش سا آگیا۔.... اب وہ آنکھیں چھڑاے عمران اور خیسو کو دیکھ رہی تھی۔
پھر بڑی پھرتی سے خیسو کی رانفل کی طرف بچنی جو قریب ہی ایک پھر سے ٹکی ہوئی تھی۔

زبان میں کہہ رہا تھا کہ تم تو صدر جگ سے بھی زیادہ سنی معلوم ہوتے ہو.... آخر است کیا
بسر ہو گی۔ اب بھی غیمت ہے شب برسی کے لیے کوئی ٹھکاناتلاش کرلو ورنہ شاید رات بھر رہا
بھی نصیب نہ ہو سکے....!

عمران اسے جواب دیے بغیر چلتا ہی رہا۔ آخر شخون چپ ہو رہا.... اب وہ ایک ایسے علاقے
میں تھے جہاں اوپنی پنجی پھر میں بکھری ہوئی تھیں.... اور جھاڑیوں کے سلسلے کچھ اور زیادہ
گھنے نظر آنے لگے تھے....

”اب تو ہم سے نہیں چلا جاتے....!“ ٹوٹی ایک جگہ اڑ گیا۔

”کیا تم یہ چاہتے ہو کہ خیسوائے بر باد کر دے....؟“ عمران اس کا شانہ ٹکپتا ہوا بولا۔

”پھر بتاؤ ہم کا کری....!“ ہس پیراٹھی ہے پاؤں ماک کا بتائی۔ مانی گذنس....“

عمران تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا ہا پھر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”اچھا۔ آؤ.... ان چنانوں
میں کوئی جائے پناہ تلاش کریں۔“

ابھی اتنا اجالا تھا کہ وہ کوئی مناسب سی جگہ تلاش کر سکتے تھے....!

عمران ان چنانوں کا جائزہ لیتا ہوا آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ ایک جگہ رک کر اس نے
شخون ٹوٹی سے کہا۔ ”یہ تو بڑی شاندار جگہ ہے.... پوری فوج چھاڑو۔ یہاں کسی کو کافی کافی خوبی
ہو گی۔“

”ہم اے کیت کیوں نہیں آئی....!“ شخون بولا۔

”تم تھوڑی سی فارسی بھی پڑھ لو پیارے....!“ عمران نے بڑی سمجھی گی سے کہا۔

”اب کا پڑھے بڑھوئی.... ہمار سر کار بہت چاہیں کہ ہم انگریزی پڑھ لے ای۔ مدانہ پڑھ
سکن... لبس باسر دا شر کہہ لے اتھی.... اور ادا کا ہوت ہے.... ذمہ بلاذی.... ذمہ...“

”ایڈیت....!“ عمران نے صحیح کی۔

”بھی۔ بھی....!“ ٹوٹی سر ہلا کر بولا۔

انتہے میں انہوں نے شب برسی کے لیے ایک اچھی سی جگہ بھی تلاش کر لی.... چنانوں کے
درمیان ایک کافی کشاور نثار تھا....! عمران نے ایک جگہ نشان بنادیا جو کوت کی ازان کی سمت اشارہ
کر رہا تھا....

بھر ٹوٹی نے کچھ خلک گھاٹ اور درختوں کی خلک شاخیں اکٹھا کیں.... اور الاؤ جلانے
لگا.... دونوں ہی بھوکے شے لیکن کوئی ایسی چیز نہ مل سکی۔ جس سے پیٹ بھرا جاسکے۔
ٹوٹی الاؤ کو اشتغال دیتا ہوا آنکھاں رہا۔

ہاں سیاں میں تو نہ جاؤں مل جوری سے

”شخون بھوکے نہیں ہو کیا؟“ عمران نے بڑے پیارے پوچھا۔

”تمہرے ساتھ بھوک پیاس سب مر جاتے ہے!“ ٹوٹی نے لاپرواہی سے جواب دیا.... اور
پھر الاؤ کو اشتغال دیتا ہوا آنکھاں رہا۔

آج دونوں بہت زیادہ چلتے تھے۔ لہذا کچھ دیر سستانے کے بعد جسمانی اور ذہنی تحکم کا
احساس سtanے لگا۔ شخون کی ٹکیں غنوٹی کے بوجھ سے بھکی پڑ رہی تھیں۔ عمران کچھ دیر تو آنکھیں
بند کئے بیٹھا رہا پھر انھوں کو غار کے دہانے پر آ کھڑا ہوا....! مطلع صاف تھا۔ اس لیے تاریکی گھری
نہیں تھی اور یہاں درختوں کے جھنڈ بھی نہیں تھے۔ کہیں کہیں قد آدم جھاڑیاں تھیں اور بس۔
یک یہک عمران چونک پڑا۔ اس کی چھٹی حس اچاک بیدار ہو گئی تھی۔

اس نے ٹوٹی کو آواز دی....! را تکل لے کر یہاں آؤ....!
”کابات ہے بھیا....!“ ٹوٹی نے قریب پہنچ کر پوچھا۔

”وہ سامنے دیکھو.... میری انگلی کی سیدھہ میں.... میلے پر جو درخت نظر آ رہا ہے.... اس
پر بلکی سی روشنی دیکھ رہے ہوں....“

”بھر کا تو پکھو نہیں دکھائی دیتا....!“ ٹوٹی اندر ہیرے میں آنکھیں چھاڑتا ہوا بولا۔

”آؤ....!“ عمران اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر آگے بڑھتا ہوا بولا۔ ”ریو اور بھی لوڑ
کرلو۔“

شخون اس کے پیچھے پل پڑا.... اور تھوڑی ہی دور پل کر ٹھوکر کھائی.... گرتے گرتے
بچا.... اس طرح غنوٹی سے پیچھا چھوٹا تھا۔

راستہ دشوار گزار تھا۔ بھر حال کسی نہ کسی طرح وہ اس میلے پر پہنچ گئے۔ حقیقتاً میلے والے
درخت کے کچھ حصے پر بھیگی سی روشنی موجود تھی اور اس کے ہلکے سے ارتعاش سے صاف
ظاہر ہوا تھا کہ وہ کسی بھڑکتے ہوئے الاؤ کی روشنی ہو سکتی ہے۔

میلے پر چڑھائی شروع کرتے ہی انہوں نے دوسرا جانب سے ابھرنے والی نووانی چینیں
سیں۔ کوئی عورت چیخ رہی تھی۔ ”بچاؤ.... بچاؤ....!“

عمران بے تھاشہ دوڑا۔ چڑھائی دشوار نہیں تھی۔ درخت کے قریب پہنچ کر رکا.... پیچھے
نظر ڈالی.... جہاں ایک عجیب التلقف آدمی کسی عورت کو دوڑاتا پھر رہا تھا۔ وہ چیخ رہی تھی.... اور
وہ دونوں ہاتھ پھیلائے قیچیے لگاتا ہوا اس کے پیچھے دوڑ رہا تھا....

چاروں طرف سرخ روشنی پھیلی ہوئی تھی کیونکہ وہاں ایک بہت بڑا الاؤ روشن تھا۔ جس

کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ عمران اس کے دوبارہ اٹھنے کا منتظر تھا۔۔۔ نینا نے پھر کہا۔ ”خدا کے لیے کھلی ختم کرو۔۔۔ اسے ختم کر دو۔۔۔ پندرہ ہزار کا انعام تھا اس پر۔۔۔“

عمران کچھ نہ بولا۔ خیسو پھر اٹھ رہا تھا۔ اس بار عمران نے اسے اٹھنے دیا۔ لیکن نینا چیز پڑی۔۔۔ کیونکہ خیسو کے ہاتھ میں بڑا سنجھر لہر رہا تھا۔۔۔ پلکیں جھپکائے بغیر وہ عمران کو گھوڑا رہا تھا۔

”احتنہ بو عمران۔۔۔ میں فائز کرتی ہوں!“ نینا پھر چینی اور اس بار خیسو عمران کو چھوڑ کر اسی طرف گھوم گیا۔۔۔ رائفل نینا کے ہاتھ سے چھوٹ پڑی۔۔۔ لیکن وہ اس تک نہ پہنچ سکا۔ کیونکہ عمران نے اچھل کر پیچھے سے اس کی گردن پکڑ لی تھی۔ وہ پلت پڑا۔ خیز فضا میں بلند ہوا لیکن پھر اس کے حلق سے چین نکلی اور وہ پھر گر پڑا۔۔۔ اس بار عمران نے ہائی ہاتھ سے تو خیز والا ہاتھ سنپھالا تھا اور اس کا داہنا ہاتھ بھی گرفت میں لے کر اس طرح اچھلا تھا کہ پیشانی پوری قوت سے خیسو کے ناک پر پڑی تھی۔۔۔

”خیز چھینو۔۔۔ خیز۔۔۔“ نینا بلباٹی۔۔۔ اب اس نے پھر رائفل اٹھا لی تھی۔

عمران نے گرتے ہوئے خیسو پر چھلانگ لگائی اور خیز چھینے کی کوشش کرنے لگا مگر وہ تو فولادی پیچہ تھا۔ عمران جھوم کر رہا گیا۔ لیکن خیز کو اس کی گرفت سے آزاد نہ کر سکا۔۔۔!

اب خیسو پھر اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اتنا خی ہو جانے کے باوجود بھی دم خم وہی تھا۔ عمران کے چکلے چھوٹے جارہے تھے۔ سوچ رہا تھا کہ اس دیو کے ہاتھوں کہیں غائب ہی نصیب نہ ہو۔۔۔ دوسری طرف وہ اسے زندہ ہی گرفتار کرنا چاہتا تھا۔

نینا بے حد مضطرب نظر آ رہی تھی اور شاید اسے عمران پر غصہ بھی آ رہا تھا کہ آخر کھلی ختم کیوں نہیں کر دیتا۔ زندہ میرادہ خیسو کے لیے پندرہ دونوں سے پندرہ ہزار کے انعام کا اعلان ہو رہا تھا۔ اگر وہ اسے مار بھی دیتا تو کیا ہوتا۔۔۔؟ کوئی قانونی گرفت تو نہ ہو سکتی پھر۔۔۔ وہ چیز عمران کو دیوانہ سمجھنے لگی تھی۔

کسی نہ کسی طرح خیز خیسو کے ہاتھ سے نکل گیا۔۔۔ عمران نے اسے ٹھوک رہا تھا اور وہ دور کہیں پتھر میں غائب ہو گیا۔۔۔

”اب میں انتظار نہیں کر سکتی۔“ نینا نے جملائے ہوئے لمحے میں کہہ کر پھر رائفل سیدھی کی۔

”ٹھہر جاؤ!“ عمران نے خیسو کا حملہ بچاتے ہوئے کہا۔ اور پھر نینا کی طرف بڑھتا چلا گیا۔۔۔ اور اس سے رائفل چھین کر پھر خیسو پر چھپت پڑا۔۔۔ خیسو کو شاید موقع نہیں تھی کہ اس بار وہ اس پر رائفل کے کندے سے حملہ کرے گا۔۔۔ لیکن پھر بھی اس نے عمران پر بھی وہی تیار نہیں تھا۔ سورچا تاہو اور دوسری طرف الٹ گیا۔

دوسرے ہی لمحہ رائفل کا کنڈہ پوری قوت سے خیسو کے سر پر پڑا۔۔۔ وہ زخمی شیر کی طرح دھاڑتا ہوا کھڑا ہو گیا اور نینا کی طرف جھپٹتا۔۔۔ عمران نے جو بڑی پھرتی سے اس کی گرفت سے نکل گیا۔ آگے بڑھ کر اس کی ٹانگوں میں اپنی نائک ازاوی۔ پھر کیا تھا خیسو اپنے عین زور پر اڑا دھرم منہ کے بل زمین پر آرہا اس کی دمازوں سے چٹائیں گوچ رہی تھیں نینا نے پھر رائفل تو قیلکن عمران نے اس کو اس سے باز رکھا۔۔۔

اب وہ خیسو پر سوار تھا۔ کوشش کر رہا تھا کہ ہاتھوں اور پیروں سے اسے جکڑے رکھے۔۔۔ لیکن ممکن نہ ہوا۔ پھر سے ٹکر اکر اپنے ہاتھ پیروں سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔۔۔! یک بیک خیسو لیٹے ہی لیٹے اچھلا اور عمران دور جا پڑا۔۔۔ اب خیسو کی باری تھی وہ غراماتا ہوا عمران کی طرف جھپٹا۔۔۔ لیکن عمران پہلے ہی اٹھ کھڑا ہوا تھا اور اس کے حملے کا منتظر تھا۔ خیسو کا پھر بتلا پن حیرت انگیز تھا۔ اسی جسامت رکھنے والوں سے ایسے پھر تیلے پن کی توقع نہیں کی جاسکتی۔۔۔! اب وہ دونوں ایک دوسرے پر حملے کی نیت ہے آمنے سامنے کھڑے موقع کے منتظر تھے۔

استئنے میں نینا نے خیسو کی رائفل ھٹکائی۔۔۔

”خبردار۔۔۔!“ عمران نے اسے لکارا۔ ”فائزہ کرنا۔“

خیسو نینا کی طرف مڑا ہی تھا کہ عمران نے اس پر چھلانگ لگادی۔۔۔ اور اسے ساتھ لیتا ہوا ڈھیر ہو گیا۔ لیکن خیسو اس طرح اٹھ کھڑا ہوا کہ عمران کو ایک بار پھر زمین دیکھنی پڑی اور نینا نے چیز کر کہا۔ ”عمران مجھے فائزہ کرنے دو۔۔۔ یہ شاء اللہ شارٹ نہیں ہے۔۔۔!

”یہ جانور زندہ پکڑے جانے کے قابل ہے اپنے چیزیاں گھر میں رکھوں گا۔“ عمران نے ہاتک لگائی۔۔۔ اور خیسو پھر جھلک کر چڑھ دوڑا۔۔۔ اس بار عمران پر چھلانگ لگائی اور محاذ ہی نہیں بلکہ حقیقت منہ کی کھائی۔ عمران بڑی پھرتی سے ایک طرف ہٹ گیا تھا تبیج یہ ہوا کہ وہ زمین پر منہ کے بل آیا۔ جبرا کسی ناہموار پھر سے ٹکرایا اور ہونٹوں سے خون کی پکڑایاں کی چھوٹے لگیں۔ اب وہ کسی زخمی درندے کی طرح غرار رہا تھا۔ اب کی بار حملہ بداخت تھا۔ نینا پھر رہا نی آوازیں چینی۔

”عمران مان جاؤ۔۔۔!“

”نہیں فائزہ مت کرنا۔۔۔!“ عمران نے تختی سے جواب دیا اور خیسو کو جھکائی دے کر دوسری طرف نکل گیا۔۔۔ پھر مژ کرا ایک فلاںگ گک اس کے پیٹ پر رسید کی۔ خیسو شاید اس کے لیے تیار نہیں تھا۔ سورچا تاہو اور دوسری طرف الٹ گیا۔

عمران نے پھر اسے سنبھلنے کا موقع نہ دیا۔ وہ انٹھیں رہا تھا کہ ٹھوڑی پر زور دار ٹھوک رسید کی اور وہ دونوں ہاتھوں سے منہ دبائے ہوئے پھر ڈھیر ہو گیا۔۔۔ اس کے حلق سے یک وقت کی قسم

داڑ آزمانے کی کوشش کی جس سے نوئی نے مار کھائی تھی۔ عمران کو اس داؤ کا اندازہ پہلے ہی ہو چکا تھا.... اس لیے سر پچا کر پالٹ کا ہاتھ مارا۔ ایک دل خراش جی..... خیسوپے بے پے چینخا ہوا کسی تناور درخت کی طرح ڈھیر ہو گیا۔ پنڈلی کی بڑی نوث گئی تھی..... پھر وہ اٹھ سکا..... لیکن دوبارہ اٹھ جانے کی کوشش اب بھی جاری تھی.....!

ہاتھ نیک کر آدھے دھڑتے اٹھتا در پھر دھڑتا ہو ڈھیر ہو جاتا۔....

اب عمران را انقل ایک طرف ڈال کر نوئی کی طرف جھپٹا۔ نینا بھی دوڑتی ہوئی اس کی طرف آئی تھی.... نوئی کا سر پھٹ گیا تھا.... لیکن وہ مر انہیں تھا۔.... بے ہوش ہو گیا تھا.... چوتھ گھری آئی تھی.....

خیسوآدھے دھڑ سے اٹھا ہو ادھڑتا رہا۔ اور وہ دونوں نوئی کو ہوش میں لانے کی تبدیریں کرتے رہے.... زخم صاف کر کے عمران نے پی باندھ دی تھی۔

خیسو صرف غریر ہاتھا.... دھڑ رہا تھا.... ابھی تک اس کی زبان سے کوئی بامتنی جملہ نہیں لکھا تھا.... عمران نے اچھی طرح اطمینان کر لیا تھا کہ اس کے پاس اب کوئی اسلخ نہیں رہا۔ نوئی کو انہوں نے ایک طرف پھیلے ہوئے پیال کے ڈھیر پر ڈال دیا۔ وہ اب تک ہوش میں نہیں آیا تھا.... عمران کا خیال تھا کہ اس کی سائیں معمول کے مطابق ہی چل رہی ہیں۔ اس لیے وہ اس کی طرف سے مطمئن ہو گیا تھا۔

پھر اس نے نوئی کی را انقل اٹھائی۔ خیسو کا خجھر تلاش کیا اور اس کی را انقل بھی سمیٹ کر ایک طرف ڈال دی۔ یہ چیزیں ہر حال میں خیسو کی پہنچ سے باہر تھیں۔ پھر وہ مجسمانہ انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔....!

ایک جانب کی غار کا دھان نظر آیا جس کے اندر بلکہ یہ روشنی دکھائی دے رہی تھی....

”اسے کیا کرو گے....؟“ نینا نے خیسو کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”تل کر کھاؤں گا.... تم فکرنے کو.... آؤ....!“ وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر غار کے دہانے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”واقعی بہت زور کی بھوک لگی ہے.... صبح سے کچھ بھی نصیب نہیں ہوا.... آؤ یہاں دیکھیں....!“

غار کافی کشادہ تھا.... اور ضروریات زندگی میں سے شاید ہی کوئی چیز الگی رہی ہو جو وہاں موجود نہ ہو.... مٹی کے تیل کا اسٹو.... کھانا پکانے کے برتن.... ایک بڑا سا پنگ جس پر بستر بچھا ہوا تھا۔ ایک جانب کھال اترے ہوئے پرندوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ تعداد میں آٹھ بیادس تو ضرور رہے ہوں گے.... کئی بندوقیں اور را انقلیں ایک طرف میگزین کا ڈھیر....!

عمران چاروں طرف دیکھتا پھر رہا تھا۔ مٹی کے ایک بڑے سے برتن میں کھی نظر آیا اور عمران نے قلقاری مار کر کہا۔ ”آہ۔ اب تو یہ پرندے تکے بھی جا سکیں گے....“ دفتار نینا عمران کو گھورتی ہوئی یوں۔ ”تم کیا کرنا چاہتے ہو.... اسے وہاں تھا چھوڑ آئے ہو.... اگر اس کے آدمی آگئے تو....؟“

”اس کے آدمی نہیں جانتے کہ وہ کہاں رہتا ہے....!“

”پھر بھی....! میں کہتی ہوں کہ اسے ختم ہی کیوں نہ کر دو....!“

”بڑی سنگدل عورت معلوم ہوتی ہو....!“

”اس حرامزادے سے زیادہ نہیں.... سارا علاقہ جہنم بنا ہوا تھا.... اس کی وجہ سے....!“

”کھانے کھلانے کی فکر کرو.... اسے میں دیکھ لیوں گا.... یہاں سب کچھ موجود ہے۔“

عمران سوچ رہا تھا کہ کہیں اب وہ گھستا ہوا رانکلوں تکنہ پہنچ جائے۔ جنہیں وہ باہر ہی چھوڑ آیا تھا.... اس وقت چوتھ تازہ تھی اس لیے وہ ایک ہی جگہ پر سر پختارہ گیا تھا....

نینا کو غار میں چھوڑ کر وہ باہر نکل آیا۔ خیسو اپ بھی وہیں آدھے دھڑ سے اٹھا ہوا الاؤ کی لپکوں کو گھور رہا تھا.... پلکیں جھپکائے بغیر.... آنکھوں میں کرب کے آثار تھے.... عمران کی آہٹ پر سر گھمایا اور غرما کر بولا۔ ”پانی۔ پانی پلا دے!“

عمران پھر غار میں واپس آیا۔ ایک جانب پانی سے بھرا ہوا منکار کھا تھا۔

عمران نے بڑے سے تاملوٹ میں پانی اٹھایا اور پھر باہر آگیا۔ اسی طرح آدھے دھڑ سے اٹھے ہوئے خیسو نے بائیں ہاتھ سے پورا تاملوٹ خالی کر دیا۔

”اور لااؤں....؟“ عمران نے بڑے سعادت مندانہ انداز میں پوچھا۔

”بس....!“ وہ غرایا۔ اور عمران کو گھور تارہ۔ پچھے بولا نہیں۔ عمران اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر تک وہ بھی گھور تارہ پھر بولا۔ ”ہم پر کس نے حملہ کرایا تھا....“

”کیوں....؟ نہیں بتاؤں گا....!“

”ہو سکتا ہے۔ میں تمہیں یہاں چھوڑ جاؤں.... پولیس کے حوالے نہ کروں!“

”پولیس....!“ خیسو نے اس بار بلند آہنگ قہقہہ لگایا۔ ”پولیس میری لاش کو بھی ہاتھ لگانے کی ہمت نہ کرے گی....!“

”اچھا ہی۔ بتاؤ کہ تمہارے ساتھی کہاں ہیں....!“

”کیوں بتاؤں....!“

”میں تمہیں گوئی بھی مار سکتا ہوں....!“

"ماردے... ابے اوٹنے مر نام نامیرا کھیل ہے کل تک مارتا رہا ہوں آج مر جاؤں گا!"
"میرے پیارے خیسو! " عمران نے در بھرے لجھ میں کہا۔ " بتادو کس نے حملہ کرایا۔"
" بتادوں.... خیسو نے مسکرا کر کہا۔ " اچھا بتادوں گا.... مگر شرط....!
" بتاؤ۔ جلدی سے مری جان.... وہ شرط بھی بتادو....!
" لڑکی کو میرے حوالے کر دو....!

عمران نے متھران انداز میں پلکیں جھپکائیں پھر بولا۔ " ابے ناگ توت گئی ہے تمہاری.. اور!"
" ٹوٹی رہنے دو.... تجھ سے کیا... بول.... راضی ہے....!"
" پہلے بتادو.... بیچھے ان نے کہا۔

" نہیں ناممکن ہے....!
" اچھا میں اسے بلاتا ہوں۔ " عمران نینا کو اس کے پاس لایا۔ لیکن نینا کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ خیسو
اسے دیکھ کر اپنے خون میں لترے ہوئے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا....
" اب بتاؤ....!

" تم پھر اسے واپس لے جاؤ گے.... میں بنے بس ہوں....!
" جنم میں جاؤ.... مت بتاؤ.... کیا فرق پڑتا ہے....!
" یہ پوچھتے تو بتادوں گا.... خیسو نے نینا کی طرف دیکھ کر کہا۔ پھر اس کے بڑے بڑے
دانٹ نکل پڑے....!

" کیا معاملہ ہے؟ " نینا نے عمران سے پوچھا۔
" تم اس سے پوچھو کہ ہم پر کس نے حملہ کرایا تھا....! " عمران مسکرا کر بولا۔ " یہ اس وقت
صرف تمہاری ہی باتوں کا جواب دینے کے موڈ میں ہے....!
" کیا بکواس ہے....! " نینا بگڑا گئی اور خیسو کو گالیاں دینے لگی۔ پھر ایک بڑا سا پھر اٹھا کر بولی۔
" سر کچل کر کر کھدوں گی حرامزادے....!

" خدا کے لیے پوچھو! بڑی مشکل سے اس پر راضی ہوا ہے کہ تمہیں بتادے گا۔"
" بول کس نے حملہ کرایا تھا....?
" ہی ہی ہی.... خیسو نے دانت نکال دیئے پھر بولا۔ " ساجد گر کے کبڑے نے
" وہ ہیاں آیا تھا....؟ " عمران نے حیرت سے پوچھا۔
" روزہ ہی آتا ہے....!
" مدد ہر سے آتا ہے.... کیسے آتا ہے....?

" یہ مجھے نہیں معلوم.... بہت امیر آدمی ہے.... بہت پیسے دیتا ہے....!
" آج یہاں آیا تھا....!
" نہیں.... اب آئے گا....!
" تھا آتا ہے....!
" ہاں.... بالکل اکیلے....!
" وہ تم سے اور کیا کام لیتا رہا ہے....?
" کچھ بھی نہیں.... بس ملنے آتا ہے....!
" اسے کب سے جانتے ہو....!
" بہت دنوں سے.... مجھے بھوک گئی ہے....!
" مل جائے گا کھانا....! " عمران کچھ سوچتا ہوا بولا۔ " کیا تم یہیں پڑے رہو گے یا تمہیں غار
میں لے چلوں....?
" تو لے چلے گا.... خیسو کو... میں یا تو یہیں مر جاؤں گا یا اپنے بیرون سے چل کر کہیں
جاوں گا.... ابے تو خیسو کو کیا سمجھتا ہے.... تجھ میںے چھر کا سہارا لے گا۔ بھاگ....!
خیسو وہیں کھلے میدان میں پڑا رہا اور یہ دونوں غار میں واپس آگئے.... نینا نے اشودروشن
کیا اور عمران ایک جگہ بیٹھ کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بے ہوش ٹوٹی کوہاٹوں پر اٹھا کر
غار میں لایا اور خیسو کے بستر پر ڈال دیا۔
نینا سے غور سے دیکھ رہی تھی۔ دیکھے جا رہی تھی پلکیں جھپکائے بغیر.... عمران اس کی
طرف متوجہ نہیں تھا۔ لیکن اس کے چہرے پر بلا کی مخصوصیت پھٹ پڑی تھی... ایسا معلوم ہو رہا تھا
یہیں کوئی بے حد شریر پچھ بزرگوں کے سمجھانے بھانے پر اپنے شریف ہو جانے پر غور کر رہا ہو۔
دفعٹا نینا کا پر کر بولی۔ " اُف.... فو.... اُگر تم نہ آ جاتے تو اس وقت کیا ہوتا۔ میرے
غدا.... وہ کتنا بھیک آدمی ہے.... مگر آدمی کیوں؟.... پتہ نہیں وہ حیوانوں کے کس رویہ سے
تعلق رکھتا ہے....!
" بڑا گرست آدمی ہے۔ " عمران سر ہلا کر بولا۔ " ناگ کی پڑی ٹوٹ گئی ہے لیکن ہوش میں
ہے.... کیا تم نے ایک بار بھی اس کی کراہ سنی تھی.... پھر وہ کسی کے سہارے حرکت کرنے میں
اپنی توہین سمجھتا ہے....!
نینا کچھ نہ بولی۔ اس نے اشودو پر فرائنس چین رکھ دیا تھا اور اس میں گھنی ڈال کر ادھر سے
ہوئے پرندوں کے نکڑے مٹے گئی تھی۔

پکھ دیر بعد عمران ایک پلیٹ میں تلے ہوئے گوشت کے لکڑے سجائے ہوئے غار سے نکلے
خیسو ایک پتھر پر سر رکھے ہوئے اوندھا پڑا ہوا تھا۔

”خیسو....!“ عمران نے اسے آواز دی۔ لیکن جواب نہ ملا۔ پھر جھنجھوڑا... لیکن اس نے
حرکت بھی نہ کی.... عمران الاد کی طرف جھٹا اور ایک مشتعل لکڑی نکال لایا.... اور پھر حیرت
سے اس کی آنکھیں پھیل گئیں.... خیسو مر پکھا تھا.... اور اس کی کپٹی میں ایک سوراخ نظر آ رہا
تھا جس سے بہا ہوانہون سر کے گرد زمین پر پھیلا ہوا تھا....!

عمران نے لکڑی ایک طرف اچھال دی اور دوڑ کر ایک چٹان کی اوٹ میں ہو گیا۔ ہولہ
سے روپ اور نکل آیا تھا اور وہ مسلسل غار کے دہانے کی طرف گھورے جا رہا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد
غار کے دہانے پر نینا نظر آئی۔ وہ چاروں طرف دیکھ کر عمران کو آوازیں دینے لگی۔ لیکن عمران
جہاں تھا وہیں رہا۔

دفعتا کسی جانب سے ایک نی آواز ابھری۔ ”یہاں کون ہے۔ سامنے آئے۔ میں راستہ بھول
گیا ہوں....!“

آواز عمران نے بیکھان لی۔ یہ کبڑے کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر وہ بھی سامنے
اگیا۔ غار کے دہانے کے قریب ہی رکھا تھا۔ نینا جہاں پہلے کھڑی تھی وہیں اب بھی نظر آ رہی تھی۔
”اوہ.... یہ تم ہو.... تم یہاں کہاں؟“ کبڑے کے لمحے میں حیرت تھی اور اس نے نینا کو
مخاطب کیا۔

نینا کچھ نہ بولی.... اور کبڑا پھر چاروں طرف دیکھنے لگا.... پھر اس نے تقبیہ لکھا اور بولا۔
”سمجھ گیا.... ہر ہائی نس بھی یہاں تشریف رکھتے ہوں گے! کیا وہ بھی میری ہی طرح بھنگ گئے
تھے.... غار تو خاصا معلوم ہوتا ہے....!“

وہ دہانے سے اندر جھانکنے لگا تھا....!
”مجھے ہر ہائی نس کی حضور میں لے چلو....!“ اس نے پھر نینا سے مخاطب ہو کر کہا۔

عمران سوچ رہا تھا کہ کبڑا تھا ہی ہو گا۔ خیسو سے معلوم ہی ہو چکا ہے کہ وہ روزانہ یہاں آتا
ہے۔ لہذا خیسو نے بھیڑ بھاڑ کی اجازت ہر گز نہ دی ہو گی۔ کیونکہ وہ تو اپنے آدمیوں سے بھی جھپٹا
پھرتا ہے.... وہ باہمگی چٹان کی اوٹ میں سے نکلا.... اور اس طرح کبڑے کے سر پر پٹخت گیا کہ
اسے خبر نکل نہ ہوئی....

کبڑا نینا سے کہہ رہا تھا۔ ”تم کچھ بولتی کیوں نہیں.... کیا اپنے مٹی بابا کو بالکل ہی بھول
گئیں.... ارے گودوں کھلایا ہے تمہیں.... بے مرودت کہیں کی....!“

عمران نے سوچا کہ کہیں نینا ابل ہی نہ پڑے اس لیے خود کو ظاہر کر دینا چاہئے وہ تمہیں چاہتا
فرا کبڑے کو نئے پیدا شدہ حالات کا علم ہو سکے۔ اس نے بڑی نری سے کبڑے کے شانے پر
تھوڑ کھدا دیا۔

”مک۔ کون!“ کبڑا چھل کر مڑا.... اور پھر عمران پر نظر پڑتے ہی ہٹنے لگا۔
پھر نینا سے بولا۔ ”مجھے ہر ہائی نس کے پاس لے چلو....!“

”ڈرامیری بات سن لو.... پیارے....“ عمران اس کا ہاتھ کبڑا کر الگ لے جاتا ہوا بولا....
”ہوں.... ہوں.... ہوں....“ کبڑا میرپانہ انداز میں ہفتا ہوا کہنے لگا۔ ”کہو کہو میں تمہیں
ہت پسند کرتا ہوں.... روشنی نے مجھے تمہارے مقلع سب کچھ بتا دیا ہے تم میرے بارے میں
کی بہت بڑی غلط فہمی میں بتا ہو.... خیر.... ہاں کیا بات ہے؟“

”تم نے خیسو کو.... گولی کیوں مار دی....؟“

”خ.... خیسو.... کیا مطلب....؟“ کبڑا ابوکھلا کر چاروں طرف دیکھتا ہوا بولا۔

”بہوت پیارے.... میں نے اس کی ناگ تورڈی تھی.... جان سے نہیں مارا تھا....!
”پتہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو.... کیا یہ اسی خیسو کا تذکرہ ہے.... جو اکثر گاؤں پر ڈاکہ ڈالتا
ہتا ہے....!“

”ہوں....“ عمران سے طویل سانس لی۔ ”خیر آؤ.... میں تمہیں دکھاؤں!“

وہ اسے خیسو کی لاش کے قریب لایا.... الاو کی روشنی میں اس کا چڑھہ صاف نظر آ رہا تھا۔
”یہ.... یہ خیسو ہے۔“ کبڑا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”کتنا ذرا اونٹا ہے۔“

”تم نے پہلی بار دیکھا ہے!“ عمران نے پوچھا۔
”قطٹی.... اوہ ہٹو یہاں سے.... مر جانے کے بعد بھی دھلائے دے رہا ہے کجھت....!
ہڑے نے کہا اور خیسو کی لاش کے پاس سے ہٹتا ہوا بولا۔ ”پھر کیا ہے مزے کرو.... پندرہ ہزار
نہارے ہیں....!“ مگر کس نے مارا.... کیا ہر ہائی نس نے۔ مجھے ان کے پاس لے چلو....!
عمران نے تفکر انداز میں سر کو خفیف سی جنبش دی اور نینا کو غار میں واپس چلے کا اشارہ

پا۔ کبڑا نینا کے پیچے تھا اور عمران اس کے پیچے غار میں پیچنگ کر کبڑے نے اور زیادہ حیرت ظاہر
ہا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ پھر بولا۔

”ہر ہائی نس کہاں ہیں....؟“
”پتہ نہیں۔ ہم تینوں تو کئی دن سے ان جنگلوں میں بھنک رہے ہیں!“ عمران نے بڑی
سمجھ گی سے کہا۔ ”خیسو کے آدمیوں نے ہمارے کیپ پر فائزگ کی تھی۔ انہیں رات میں ہم

بیٹھا اور جیسے ہی کبڑے پر نظر پڑی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ تیور بڑے خراب تھے۔ لیکن عمران کو ہٹتے دیکھ کر ٹھنڈا پڑ گیا۔ پھر وہ تئے ہوئے پرندوں کی خوشبو پر نختے بھی سکون نے لگا۔

”بہمیوں بھکان ہیں بیٹا...!“ اس نے منہ چلا کر کہا۔ پھر اس طرح چوک پڑا جسے کوئی بہت اہم بات یاد آگئی ہو....!

”او... سردا... کہاں گوا؟“ اس نے بوکھلائے ہوئے لجھے میں عمران سے پوچھا۔

”اللہ میاں کھیاں!“ عمران نے بڑے خلوص سے جواب دیا۔

”مارڈالنیو...!“ شخونا چھل پڑا... اور عمران ابھات میں سر بلاؤ کر کبڑے کی طرف متوجہ ہو گیا... لیکن کبڑا جلدی سے بولا۔ ”تم اپنے معاملات نہ چھیڑ دینا...“ کہیں تھائی میں گفتگو ہو گی... مگر رواںگی کیسے ہو.... اب اس وقت کہاں بھکلتے پھریں گے۔ صبح ہی پر رکھو... روشنی تم سے بہت خفا ہے۔“

”روشنی کون...؟“ نیتا نے عمران کو گھور کر دیکھا....!

”کیوں پیارے تم نے سب کے سامنے ہی شروع کر دیں وہ باتیں۔“ عمران نے بائیں آنکھ دبا کر کبڑے سے کہا اور پھر نیتا سے بولا۔ ”میری اکلوتی خالہ ہے!“

نیتا کے چہرے پر تشویش کے آثار صاف پڑھے جا سکتے تھے....

”یہ شاید شخون ہے...!“ کبڑے نے شخون کی طرف انگلی اٹھا کر کہا۔

”ہاں بھوتی کے تم ہکا کا ہے، پچیسو...! اسید سکھیو ہے!“ اس نے منہ میزھا کر کے تلے لجھے میں کہا۔

کبڑا ہنسنے لگا۔ نیتا بھی بھس پڑی تھی اور عمران تشویش کن انداز میں شخون کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عمران رات بھر نہیں سویا۔ وہ کبڑے کی طرف سے مطمئن نہیں تھا.... کبڑا رات خڑائے لیتا رہا... شخون اور نیتا کی نیندیں اکھڑی اکھڑی سی رہی تھیں.. اور نیتا تو تین بجے ہی اٹھ بیٹھی تھی۔ ”تم سوئے نہیں...؟“ اس نے عمران سے پوچھا اور عمران نے ہوننوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔

”دونوں باہر آئے۔ چاروں طرف لامتناہی سنانا بکھرا ہوا تھا۔ آسمان میں ہلکے بادل تھے....“ پاند کی ہلکی ہلکی روشنی میں یہ سنانا بڑا عجیب سالگ رہا تھا۔

”اے ہرگز نہ معلوم ہونے پائے!“ عمران نے سر گوشی کی۔ ”یہ معاملہ تم اپنے ہی سکر رکھوں کر کبڑے نے ہی خیسو سے حملہ کرایا تھا...؟“

”ہرگز نہیں... میں تو اس کی ہمیاں ترددوں گی....!“

سب تتر تتر ہو گئے۔ بقیہ لوگوں کا کیا حشر ہوا۔ ہم نہیں جانتے...!“

”خدا کا شکر ہے!“ کبڑے نے ٹھنڈی سانس لی۔ ”میرے سر سے الرام تو تلا۔“

”کیا مطلب...؟“ عمران نے حیرت ظاہر کی۔

”ہرہائی نس نے پوٹیٹیکل اججھ سے شکایت کی ہے کہ میرے شکاریوں نے ان کے یکپ پر فائر گل کی اور اس کے بعد ان کے کچھ آدمی لاپتہ ہو گئے....“

نیتا کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔ وہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ عمران نے آنکھ مار کر اس روک دیا کبڑا ان کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

”میں ہرہائی نس کا نمک خوارہ چکا ہوں!“ وہ تھوڑی دیر بعد مغموم لجھے میں پھر بولا۔ ”مجھے بے حد رنج تھا۔ شدید ایجھن... کہ آخر انہوں نے میرے متعلق ایسا کیوں سوچا....!“

”لیکن خیسو کی کپٹی میں کس نے گولی ماری؟“ عمران اسے گھورتا ہوا بولا۔

”اے۔ مت الوبناو...!“ کبڑا اپس پڑا۔ ”تم نے اسے چھوڑ دیا ہو گا بہت خطرناک آدمی ہو۔ میں سب جانتا ہوں.... چلو تمہارے کارنا موں میں ایک کا اور اضافہ ہوا...!“ ابھی اس کی لاش جیپ پر لادے لیے چلتے ہیں۔“

”مگر تم اس وقت یہاں کیسے؟“

”مقدرات...!“ کبڑا ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”زندگی کی یکسانیت سے آلتا کر ان اطراف میں نکل آیا تھا۔ راستہ بھول گیا.... یہاں روشنی نظر آئی۔ سمجھا کوئی گاؤں ہو گا۔ گاڑی اوہر لایا... تو یہ... مگر تم کہتے ہو کہ تمہیں بھی راستہ معلوم نہیں۔ اوہ... یہ کون ہے...؟“

وہ بے ہوش نوئی کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گیا....

”شیخو... ہرہائی نس کا ایک شکاری...“ عمران بولا۔ ”خیسو نے اسے اٹھا کر چینک دیا تھا۔“

”میرے خدا....“ کبڑے کی آنکھیں حیرت سے بچھل گئیں۔ ”اور تم نے اسے جان سے مار ڈالا... یار غصب کے آدمی ہو! مگر ہرہائی نس کو دھوکا کیوں دے رہے ہو مسٹری زادہ بن کر...؟“

وہ ہنسنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی عمران بھی بھس رہا تھا۔ بالکل احمقانہ انداز میں....

”تمہیں بھوک لگی تھی!“ نیتا عمران کو خاطب کر کے غصیلے لجھے میں بولی اور عمران کو بال پچ داری کا سالطف آگیا کیونکہ نیتا کا لیج کسی زوجہ مادر نما کا ساتھا...!“

”بھوک کا تو میں بھی ہوں محترمہ نیم النساء خاتون!“ کبڑے نے کہا۔

پھر انہوں نے ساتھ ہی کھانا کھلایا۔ اس دوران میں موضوع گفتگو خیسو ہی رہا تھا۔ کچھ دیر بعد شخون کر لے۔ نیتا اس کے پاس پہنچ گئی۔ ہوش آگیا تھا اور وہ ہو لے کر اہ رہا تھا۔ پھر وہ اٹھ

نیا ہنسنے لگی.... اس نے خیسو کی لاش پر نظر ڈالی جواب بھی وہیں پڑی تھی.... ایک سردی لہر اس کے سارے جسم میں دوڑ گئی اور وہ پھوٹش یاد کر کے ایک بار پھر اس کے روٹنے کھڑے ہو گئے....!

” یہ عورتیں میری سمجھ میں آج تک نہ آئیں۔ ” عمران بڑی بڑی۔ ” بن پھر بچوں کے کان کھینچتی ہیں کہ فضول خرچی اور چنور پن سے باز آئیں.... لیکن خود سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر سڑپلے والے سے آلو چھوٹے خریدتی ہیں اور کھاتی ہیں گوٹھماریاں....! ”
” کیا موقع تھا اس بات کا۔ ” نیتا جھنجلا گئی۔

” اب موقعے کا انتظار کون کرتا پھرے.... یہاں تو جب بھی جو کچھ ذہن میں آیا الفاظ میں ڈھلن گی....! ”

” شادی ہو چکی ہے تمہاری....؟ ” نیتا نے غصیلے لہجے میں پوچھا۔
” نہیں ہوئی تواب ہو جائے گی۔ ” عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ” کیونکہ اب مجھے تو کری بھی مل گئی ہے.... کاؤ بواۓ سوٹ میں کیسا لگلوں گا....! ”

” مت بور کرو! ” نیتا نے کہا اور غار کے دہانے کی طرف مڑ گئی....
دوسری صبح وہ وہاں سے چل پڑے۔ کبڑے کی جیپ خیسو کے ٹھکانے سے تھوڑے ہی فاصلہ پر موجود تھی۔ بدقت تمام وہ خیسو کی لاش جیپ تک پہنچانے میں کامیاب ہوئے۔
” مگر....! ” کبڑا تشویش کن لہجے میں بولا۔ ” ہم راستہ کیسے تلاش کریں گے۔ ”

” پڑوں کی کیا پوزیشن ہے؟ ” عمران نے پوچھا۔
” وہ تو بہت ہے.... ” کبڑے نے جواب دیا۔ پھر پوچھا۔ ” کیا یہ لاش ہر ہائی فس کی خدمت میں پیش کی جائے گی....؟ ”

” ضروری نہیں ہے۔ ” عمران نے جواب دیا۔
کبڑا خود ہی جیپ ڈرائیور کر رہا تھا۔ وہ کچھ دیر تک ادھر ادھر بھکتے پھرے پھر یک لخت کبڑے نے گاڑی روک کر اپنا منہ پیٹھا شروع کر دیا اور استفسار پر بولا۔ ” انہیں رات عقل خبط ہو گئی۔ تھی.... اڑے یہ سیدھا راستہ ساجد گرہی کی طرف تو جاتا ہے۔ ”

” ہم ساجد گر نہیں جائیں گے۔ ” نیتا نے جلا کر کہا۔ اور ٹوپی نے بھی اس کی تائید کی۔
” تو پھر.... میں تو یہاں سے ہر ہائی فس کی شکاری کو تھیں تک نہیں پہنچ سکوں گا۔ راستہ ہی نہیں جانتا.... البتہ یہ ممکن ہے کہ پہلے ساجد گر چلو.... وہاں سے انتظام کر دیا جائے گا۔ ”
” ہم ساجد گر نہیں جائیں گے.... سمجھ تما! ” نیتا آنکھیں نکال کر عمران سے بولی۔

” کیا فائدہ ہو گا۔ کوئی بھی یہ بات ثابت نہ کر سکے گا کہ اسی نے حملہ کرایا تھا کیونکہ خیسو مر چکا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ کبڑے ہی نے اسے گولی مار دی۔ اب اسے قطعی نہ معلوم ہوتا چاہے کہ خیسو ہمیں سب کچھ بتاچکا ہے.... شابش اچھی لڑکی.... ورنہ میراں کھلیں گے جائے گا.... اگر اسے معلوم ہو گیا تو پھر ہم کبھی ان جنگلوں سے باہر نہ نکل سکیں گے....! ”

” نیتا کچھ درست کہ سوچتی رہی پھر بولی۔ ” ہاں یہ تو ٹھیک ہے! ”
” وہ پھر خاموش ہو گئے۔ آخر تھوڑی دیر بعد نیتا ہی بولی۔ ” تمہارا اس کا کیا معاملہ ہے....؟ ”

” ہے ایک معاملہ....! ”
” روشنی کون ہے؟ ” اس نے بھرا کی ہوئی آواز میں پوچھا۔
” عمران نے ایک طویل سانس لی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ” کسی زمانے میں میرزا کثیری تھی اب رانی ساجد گر کی سکر ٹھری ہے۔ ”

” تم نے میرے باس سے جھوٹ کیوں بولا تھا....؟ ”
” وقتی طور پر کسی ٹھکانے کی تلاش تھی.... اور میرا ساتھی ملک کا سب سے بڑا سائنس ڈاکٹر داور تھا.... نام سنائی ہو گا....! ”

” نہیں....! ” نیتا کے لہجے میں حیرت تھی....
” ہاں.... وہ ڈاکٹر داور ہی تھا جو وہاں سے بھی غائب ہو گیا۔ ” عمران بولا۔ ” لیکن تم اپنے باس کو کچھ بھی نہیں بتا دی گی.... اچھی لڑکی....! ”

” نہیں بتاؤں گی.... مگر....! ”
” کچھ نہیں.... ایسا کر کے تم.... ملک و قوم کے لیے بھی ایک بڑا کارنامہ انجام دو گی
” عورتیں پیٹ کی ہلکی ہوتی ہیں نا.... اس لیے اتنی سی بات کو بھی کارنامہ ہی کہنا پڑے گا....! ”
” نیتا کچھ نہ بولی۔ وہ کسی گھری سوچ میں تھی۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ٹھنڈی سانس لے پوچھا۔ ” یہاں سے گلو خلاصی کے بعد تم کہاں جاؤ گے....؟ ”

” خدا جانے.... ” عمران نے لاپرواں سے شانوں کو جبنت دی۔
” یہ دن جو ہم نے جنگلوں میں گذارے ہیں ان کے متعلق کیا خیال ہے۔ ”

” اگر کوئی لاکھ روپے بھی دے تو دوبارہ اس قسم کے دن گذارنے کی ہمت نہ کر پاؤں گا۔ ”
” مجھے تو بڑا مزہ آیا.... ”

” خیسو والا واقعہ بھی شامل ہے نا اس مزے میں! ” عمران نے کسی طے تن بڑھیا کے انداز میں پوچھا۔

”من رہے ہو پیارے!“ عمران نے کبڑے کا کوہڑ سہلاتے ہوئے کہا۔
”بد ظنی..... بد ظنی....!“ کبڑا دردناک لمحہ میں بولا۔ ”دنیا میں کوئی بھی مجھے خوش
نہیں ہے۔ لوگ میرے متعلق ہمیشہ شکوہ و شبہات میں بھتار ہتھے ہیں... نہر میں کوئی صورت
نکال لون گا۔ مگر یہ لاش....!“

”میرا خیال ہے کہ تم اسے ساجد نگر کے پولیس اسٹیشن پر پہنچا دینا... کہہ دینا کہ تم نے ہی
اسے گھیر کر اداھا...“ عمران نے کہا۔

”تمہارا دماغ تو نہیں خراب ہو گیا۔“ نینا جلا گئی۔ ”ایسا نہیں ہو سکتا تم نے اسے زیر کیا تھا۔
چاہتے تو تم ہی اسے گولی مار سکتے تھے....!“

بات بڑھ گئی اور یہاں بھی کبڑے کو ہی ہارمانی پڑی۔ یہی طے پایا کہ لاش سب سے پہلے
نواب صدر جنگ کے سامنے پیش کی جائے۔

ایک جگہ کبڑے نے جیپ روکی اور سڑک کے کنارے لگادی۔

”یہ کپا.... راستے.... باسیں جانب سیدھا کوٹھی کی طرف جائے گا.... میں وہاں نہیں جا
سکوں گا.... اب تم لوگ کسی نیل گازی کا انظام کرو....“

”لیکی مطلب...!“ عمران نے آنکھیں نکالیں۔

”ہم سب سمجھتے ہیں... یا حرارتی ایسے نہیں۔“ شیخوٹی نے ہولشتر سے روپا اور نکال کر اس
کی نکال کبڑے کی گدی پر رکھ دی اور اس پر کسی قدر زور صرف کرتا ہوا بولا۔ ”چبوٹا کوٹھی کیت
نہیں تو بھیجا بھائے دیے!“

”یہ لک... کیا بد تیزی ہے....!“ کبڑا جھلائے ہوئے انداز میں اپنی سیٹ پر کسمیا۔
”بجوری ہے!“ عمران مایوسانہ لمحہ میں بولا۔ ”اس عکلی سو بھر کو سمجھالینا میرے بس میں بھی
نہیں ہے۔“

کبڑے نے جیپ کچے راستے پر موڑ دی.... اور پھر تھوڑی دیر بعد وہ صدر جنگ کی شکاری
کوٹھی پر جا پہنچے.... صدر جنگ اس وقت کپاڈنہی میں تھا کبڑے کو دیکھتے ہی ہولشتر پر باٹھ ڈالا۔
لیکن عمران دو نوں ہاتھ اوپر اٹھا کر چیخنا۔ ”نہیں باس.... یہ بے قصور ہے! اصل مجرم کی لاش میں
ساتھ لایا ہوں....!“

صدر جنگ نے خیسوں کی لاش دیکھی اور فرط سرست سے اچھل ڈال۔ عمران کو گلے گا کر پیچے
ٹھوکتا ہوا بولا۔ ”یہ کام کیا ہے تم نے۔ میں بہت خوش ہوں تم سے لیکن یہ کم بہت ہمارے پیچے
کیوں پہنچا گیا تھا؟“

کوئی پکھنہ بولا۔ تھوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر کبڑے نے بڑے کڑوے کیلے لمحہ میں کہا
”اچھا یوہ بھائی اب اجازت دیجئے! اشیاء میری طرف سے کبھی آپ کا دل صاف نہ ہو سکے۔“
”اس اوٹھنی پر لعنت بھیج دو، تو میں پھر تمہیں خوش آمدید کوں گا۔“ صدر جنگ بولا۔
”دل کے ہاتھوں مجبور ہوں سر کار!“ کبڑے نے ٹھنڈی سائنس لی اور جیپ اشارت کر کے
اسے کپاڈنہ کے پھانک کی طرف موڑ دیا...!“



ایسی دن عمران کی قیادت میں مقامی پولیس نے خیسوں کے اٹے پر چھاپے مارا۔ اس کے
ساتھیوں میں سے کوئی بھی نہ مل سکا تھا... پولیس پارٹی کے انچارج نے بھی بھی بتایا کہ وہ اپنے
آدمیوں سے الگ رہتا تھا اور اس کے کسی آدمی کو بھی اس کی قیام گاہ کا علم نہیں تھا۔
غار سے کافی اسلحہ برآمد ہوا... بیڑی سے چلنے والا ایک ٹرانسیور بھی تھا۔ ساخت جرم
تھی۔ اسے دیکھ کر عمران کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں...!
اس نے اسے اٹھایا اور الٹ پلت کر دیکھنے لگا۔ پھر تھیں انداز میں سر کو خفیف سی جبنت دی۔
پولیس پارٹی کا انچارج کہہ رہا تھا۔ ”بڑا مشکل ہے کہ اب اس کے ساتھیوں کا پتہ لگ سکے۔“
”تھوڑی محنت کرنی پڑے گی....!“
”میں نہیں سمجھا...!“

عمران نے کبوتروں کے پنجھرے کی طرف دیکھا۔ ایک کبوتر اس وقت بھی موجود تھا۔ تب
اس نے انہیں بتایا کہ خیسوں کس طرح اپنے آدمیوں سے رابطہ قائم کرتا تھا۔
”کبوتر کا تعاقب تو مشکل ہو گا ان گھنے جنگلوں میں!“ انچارج متکرانہ انداز میں بولا۔
”میں بھی ایک کبوتر ہی کا تعاقب کرتا ہو یہاں تک پہنچا تھا...“
انچارج تیار تو ہو گیا لیکن اس کی آنکھوں سے بے یقینی جھاک رہی تھی۔ عمران نے کبوتر
کو پنجھرے سے نکال کر اڑا دیا.... اور پولیس کے کئی پھر تیلے نوجوان اس کے پیچھے دوڑ پڑے...!
عمران سوچ رہا تھا کہ نامہ بر کھنے کا مطلب یہی ہے کہ وہ ٹرانسیور ساتھیوں سے رابطہ قائم
کرنے کے لیے نہیں تھا۔ پھر اس کا کیا مصرف تھا...?
”تم واقعی بہت گھرے آدمی ہو۔“ صدر جنگ عمران کے شانے پر ہاتھ رکھ کر مسکرا یا ”کچھ
دن تو ٹھبڑو گے نامیرے ساتھ... لیکن ڈاکٹر کو اور کہاں تلاش کرو گے۔ مجھے سخت شرمندگ
ہے کہ اتنے گریٹ آدمی کی کچھ خاطر نہ کر سکا.... میں کیا کرتا تم نے ڈھونگ ہی ایسے پھیلائے
تھے۔ پہلے ہی چکریوں نہ بولے تھے۔“

"تھا شای مصلحت... جتاب...!"

"آخر کبڑے کے متعلق تمہاری کیا خیال ہے...!"

"بے حد خطرناک آدمی ہے.... کسی غیر ملک کا بیجٹ ہے... لیکن پہلے اسے ثابت کرنا پڑے گا۔"

"ہو سکتا ہے!" صدر جنگ سر ہلا کر بولا۔ "جنگ عظیم سے چند سال پیشتر لاپتہ ہو گیا تھا جنگ ختم ہونے پر... پھر دکھائی دیا تھا۔ کچھ دن میرے ساتھ بھی رہا تھا۔"

"اس کے دوسرے اعزہ کہاں مل سکیں گے؟"

"دوسرے اعزہ! صدر جنگ نے قہقهہ لگایا۔ "شاید وہ باپ کا نام بھی نہ بتا سکے۔"

"اوہ....!" عمران پھر کسی سوچ میں پڑ گیا۔

پولیس پارٹی کا انچارج بھی کوتور کے تعاقب میں جا دکا تھا۔ اب وہاں صدر جنگ، عمران، شارٹی، ہارڈی اور ٹونی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ نینا آج کی مہم میں شریک نہیں ہوئی تھی.... وہ ایک چنان پر بیٹھ گئے۔ مطلع ابر آلود تھا.... موسم خوشنگوار تھا۔

ہائے پوں.... خمیسو.... تمہارا دیلوادہ کا۔" شخون عمران کی طرف ہاتھ اٹھا کر بولا۔ "ہکا تو سرداہس لکائے دہس رہے مانو کر بچ کا گیندا...!"

شارٹی اور ہارڈی ہٹنے لگے....!

"کبراہیس سے پراسرار ہاہے!" صدر جنگ بولا۔ "حیرت انگیز صلاحیتوں کا ماں کی کمی زبانوں کا ماہر ہے.... لل۔ لیکن وہ بیہاں کیسے آپنچا تھا۔"

"پہلے ہی بتاچکا ہوں کہ راہ پھٹک گیا تھا....!"

"میں یقین نہیں کر سکتا!" صدر جنگ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ "مجھے یقین ہے کہ خمیسو سے اسی نے ہم پر حملہ کرایا تھا.... ورنہ اس طرح گھیرتے پھر نے کیا مطلب تھا۔ اگر صرف خمیسو کا معاملہ ہوتا تو یکمپ کلوٹ کھوٹ کر اپنی راہ لیتا۔.... میرے آدمیوں کو کمی دن تک جنگل میں گھیرتا کیوں؟"

عمران نے سوچا صدر جنگ عقل سے بالکل ہی پیدل نہیں ہے۔ کافی دور تک سوچ سکتا ہے۔

"پھر کہو بس! یہی حرای رہا ہوئی! ٹونی سر ہلا کر بولا۔ "اب کے ملا تو سردا تو ٹونواد بائے دیب.... اوکی مہناری کا.... ڈیم بارڈی بائزٹر والا۔"

پھر بات آگے نہ بڑھی۔ عمران بوجھنا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اسے اب ڈاکٹر داور کی فکر تھی.... وہاں سے وہ پھر شکار والی کوئی میں واپس آگئے تھے۔ شام کو اطلاع ملی کہ پولیس پارٹی نے کوتور کا

کامیاب تعاقب کیا تھا۔ خمیسو کے سارے ساتھی گرفتار کر لیے گئے تھے....!

عمران کی خواہش تھی کہ خمیسو کے غار میں پائے جانے والے ٹرانسپورٹ پر اس کا قبضہ ہوتا لیکن چونکہ تلاشی کے وقت پولیس بھی موجود تھی اس لیے یہ کسی طرح بھی ممکن نہ ہوا۔

رات ہوتے ہی دوسری ہمہم شروع ہوئی۔ عمران صدر جنگ کو پہلے ہی تلاش کر ہادھا تھا کہ کوئی تھی۔ فرش کے نیچے تھہ خانے موجود ہیں۔ صدر جنگ تو پہلے ہی تلاش کر ہادھا تھا۔ اب عمران کی باری تھی۔ پوری عمارت میں صرف لا بہریری ہی کافرش ایسا تھا جہاں تھہ خانے کے راستے کی موجودگی کے امکانات تھے۔ یہاں فرش پر دو مرلح فٹ کے سفید اور سیاہ نائل لگائے گئے تھے... عمران انہیں ٹھوکتا بھجا تھا پھر رہا تھا۔ لیکن کامیابی کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ نینا اس مہم میں شریک تھی۔ صدر جنگ بھی تھا۔ اس کے دوسرے ملازمین بیر وی کمپاؤنٹ میں رنگ زلیاں منار ہے تھے!

"نہیں یہاں تھہ خانے نہیں ہو سکتے....!" صدر جنگ بڑی بڑی اور نینا عمران کی طرف دیکھنے لگی.... جو ایک اسٹول پر بیٹھا وو نگہ رہا تھا۔

"تمہارے آتے ہی کتنے ہنگامے اٹھے ہیں۔" نینا نے مسکرا کر بڑے پیارے کہا۔

اور عمران چوک کر اس طرح آنکھیں پھٹاٹے لگا جیسے نیند سے پچھا چھرتا چھرتا ہوا۔

"جاؤس کا پھٹا ہے نا۔" صدر جنگ نے قہقهہ لگایا۔ "رحمان بھی بہت بڑا جاؤس ہے جب ہم دونوں آسکفورڈ میں پڑھتے تھے.... ہلہا.... کیا زمانہ تھا.... وہ امتحان کے پر پے آؤٹ کر لیتا تھا.... اتنی صفائی سے کہ کسی کو کافنوں کا نخبر نہیں ہوتی تھی۔"

عمران نے ایک زور دار قہقہہ لگایا اور پھر سجدہ ہو کر بولا۔ "ان کی بھلی چلائی.... وہ تو میرا پرچہ بھی قل از وقت ہی آؤٹ کر دینا چاہتے تھے.... اللہ نے بڑی خیر کی۔ جی ہا۔"

"کیا مطلب....!" صدر جنگ نے اسے گھور کر دیکھا۔

"جی وہ.... یعنی کہ...." عمران شرم کر اپنی انگلیاں مردہ نے لگا.... چہرہ سرخ ہو گیا تھا.... اور بڑی بڑی پلکیں شرم کے بوجھ سے جھکی پڑ رہی تھیں....

"یعنی.... یعنی کیا جلدی بکو....!"

"م۔ میری۔ شش شادی... کر دینا چاہتے تھے۔" عمران نے کہا اور اٹھ کر لا بہریری سے باہر بھاگ گیا۔ نینا اپنی رہی تھی اور صدر جنگ کسی ہونق کی طرح آنکھیں پھٹاٹے اسے دیکھ رہا تھا۔ "تم نہیں رہی ہو۔" وہ جھلا کر دہاڑ۔ "میں پوچھتا ہوں.... آخر یہ کس قسم کا گدھا ہے۔"

"م۔ م۔ میں کیا جانوں۔" نینا بکھل گئی۔

"نہیں تم تو رہی ہو کئی دن تک اس کے ساتھ...."

”خود میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے.... خدا کی پناہ.... جب وہ خیسو سے لڑ رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پاگل ہو گیا ہو.... تو فی کو خیسو نے پہلے ہی بلے میں کسی مکلونے کی طرح اچھاں پھینکا تھا.... لیکن یہ....!“ مینا نے آجھیں بند کر لیں۔

”ہوں۔ تو اچھا۔ بات کروں رحمان سے....!“

”جج.... جی.... میں نہیں سمجھی....!“

”تمہارے لیے یہ لاکا مجھے بہت پسند ہے....!“

”میں فضول باتیں نہیں پسند کرتی ہاں!“ مینا نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”تم ساری زندگی تو اس طرح نہیں گزار سکتیں.... آخر سلطان، در شہوار، تازی سمجھی کی شادیاں ہوئی تھیں.... اب تم بھی بوجھ معلوم ہونے لگی ہو....!“

”میں شادی نہیں کروں گی۔ میرے خیال سے تواب آپ میری بھی تختواہ لگا دیجئے۔“

”بکواس ہے۔“ صدر جنگ سنجیدگی سے نرم لہجے میں بولا۔ ”شادی تو کرنی ہی پڑتی ہے۔ جو نہیں کرتے وہ اور گیوں میں پڑ جاتے ہیں۔ عورتیں ہوں یا مرد ہوں!“

صدر جنگ انہار خود بھی باہر نکل گیا.... عمران پورچ میں کھڑا سوچ رہا تھا۔ صدر جنگ نے اس کے کانہ میں پرہاٹھ رکھ کر آہستہ سے کہا۔ ”میرے ساتھ آؤ...!“ اور وہ ایک دور افقاہ کر کے میں آئے۔ صدر جنگ چند لمحے عمران کے چہرے پر نظر جمائے رہا پھر پوچھا۔ ”مینا پسند ہے۔!“

”بب.... جج.... ہپا!“ عمران چچ بوكھلا گیا۔

”مینے اسے بیٹیوں کی طرح پالا ہے اور اس کی حفاظت کی ہے.... مجھ پر بارہ ہے.... کیا خیال ہے تمہارا....!“

”خیال نہایت مقول ہے!“ عمران ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”لیکن شاید میری شادی کبھی نہ ہو سکے....!“

”کیوں؟“

”میں ذیابیلس کا مریض ہوں آئے دن طرح طرح کے ظلم ہوتے رہتے ہیں مجھ پر.... ابھی کچھ ہی دن ہوئے والد صاحب اپنے پیر صاحب سے کلوچی پکوا کر لائے۔ مجھے کھلانی چاہی میں نے طبی نکتہ نظر سے انہیں سمجھانا چاہا۔ گزر گئے.... کہنے لگے ابے گھوڑوں کو کھلانی جاتی ہے تو ان کی ناگلیں مضبوط ہو جاتی ہیں۔ چپ چاپ قائل ہو جاتا ہے.... کھانی جاتا کلوچی۔ شام ہی سے خون کا پیشتاب شروع ہو گیا اور اب بھی وہی عالم ہے۔“ عمران خاموش ہو کر درد ناک انداز میں کراہا۔

”بے شک کلوچی گھوڑوں کے لیے بے حد مفید ہے....“ صدر جنگ نے کہا۔ ”میں بھی اپنے گھوڑوں کو کھلاتا ہوں!“

”ہے نا!“ عمران خوش ہو کر بولا۔ ”اچھا آئیے... اب میں آپ کو تہہ خانے کا استہ کھاؤں!“ ”تلاش کر لیا!“ صدر جنگ کے لہجے میں حرمت تھی۔ وہ نیناوالا معاملہ قطعی بھلا کر عمران کے ساتھ چلتے لگے اور پھر لا بہری ہی میں آئے۔ نینااب بھی وہیں تھی۔

”یہاں۔“ صدر جنگ نے حرمت سے کہا۔ ”یہاں تو تم پہلے بھی دیکھ چکے ہو!“

”دیکھ کر.... ذرا تازہ ہوا لیا ہے باہر چلا گیا تھا۔ خر ہاں تو اب دیکھنے پہلے مجھے مایوسی ہی ہوئی تھی لیکن اب میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ یہاں تہہ خانے موجود ہیں اور کسی قسم کے مکنزیم پران کا انحصار ہے۔“

”بقول رشید احمد صدیقی لوٹنے بھی ہو اور مخزے بھی۔“

”ہاتھ کلگن کو آرسی کیا ہے!“ عمران نے کہا اور ایک میز کمرے کے وسط میں دھکیل لایا۔ اب وہ اس پر ایک کری رکھ رہا تھا۔

”چھت میں تلاش کرو گے تہہ خانے۔“ صدر جنگ حقارت آمیز بھی کے ساتھ بولا۔

”بس دیکھتے جائیے!“ عمران نے کہا۔ وہ اب کری پر تھا اور اس کا دادہ نہا تھے چھت سے لکھ ہوئے فانوس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

نینا نے حرمت سے پلکیں جھپکائیں اور صدر کی طرف دیکھنے لگی۔ عمران فانوس پر ہاتھ ڈال چکا تھا۔ ایک کھنکا ہوا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہوا جیسے کسی چلتے ہوئے گراموفون کا اسپر گل ٹوٹ گیا ہو۔ کمرے کے ایک گوشے کا ایک نائیل زمین میں دھنس کر نظروں سے او جھل ہو چکا تھا۔

صدر جنگ اسی جانب جھپٹا لیکن عمران نے فورائی آواز دی۔ ”خہبری یے.... پھر وہ تیوں پر آہنگی فرش کی دو مریع فٹ والی خلا کے قریب پہنچے.... اندر تار کی تھی.... کمرے کی روشنی بھی اس تار کی پراstrand از نہ ہو سکی....!“

O

کبر اسونٹنگ کچیر پر بیٹھا آگے پیچھے جھول رہا تھا۔ قریب ہی رانی کھڑی اس کے لیے شرائیں مکس کر رہی تھیں۔ وہ زیادہ تر کاک ٹھلی ہی پیٹا تھا....

”سامنے ڈارنگ۔“ کبرے نے گلگتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”عمران نے خیسو کو مار گرایا!“ ”کے....!“ رانی متھیر انداز میں مڑی۔

”صفدر کہہ رہا تھا میری دوست کو بھی نوکری دلوادیجھے۔“
”بس خاموش رہو! اور نہ سکھوں کو نکال باہر کروں گی.... تمہاری وجہ سے اب میری توہین ہونے لگی ہے۔“

یک بیک کبڑا بحمد سنجیدہ نظر آنے لگا۔ آنکھوں سے غم انگیز نرم اہت جھائکنے لگی اور وہ شہنشہی سانس لے کر بولا ”ٹھیک کہتی ہو! میں واقعی بڑا ذلیل اور کم بخت ہوں.... مجھے کم از کم تمہاری پریش کا ضرور خیال رکھنا چاہئے.... لیکن طبیعت سے مجبور ہوں.... خیر منہ کالا کروں گا اپنا.... ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں....!“

پھر وہ آنکھیں بند کر کے کری کی پشت سے نکل گیا اپنی اسے گھورتی رہی.... آنکھیں اب بھی غصیل تھیں.... لیکن پھر آہستہ آہستہ اس کے خدوخال میں نرمی آتی گئی اور اب اس کے دیکھنے کا انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی نکر مند ماں اپنے شریر بیچ کو دیکھتی ہے.... دفعتاً کبڑا اٹھ گیا....!

”کہاں چلے....؟“ رانی بھی اس کے ساتھ ہی اٹھتی ہوئی بولی۔

”جہاں قسمت لے جائے....“ کبڑے کی آواز گلوگیر تھی۔

”تم نہیں جا سکتے ہمیں بزرگ نہیں جا سکتے۔“ رانی اس کے دونوں شانے پکڑتی ہوئی بولی۔

”میرا دل نوٹ گیا ہے۔“

”تم بمحض کیوں نہیں!“ رانی کے لمحے میں رو دینے کا سا انداز تھا۔

”نہیں سمجھ سکتا.... اپنی افتاد طبع سے مجبور ہوں۔ مجھے باندھ کر کہیں بھاڑو۔“ تین دن میں نبی ہو جائے گی۔“

”اچھا میں اب کچھ نہیں کہوں گی....!“

”مجھے تمہاری پریش کا خیال ہے....!“

”جنہم میں لگی پریش....“

”میں نہیں رک سکتا.... جاؤں گا۔“ وہ اپنے شانے چھڑا کر دروازے کی طرف بڑھا۔

”ہمی.... ہمی....!“ رانی گھٹنوں کے بل زمین پر گری اور اس کے پیر پکڑ کر بلبلہ اٹھی۔ ”میں مر جاؤں گی.... اگر تم چلے گے۔“ معاف کر دو۔ خدا کے لیے مجھے معاف کر دو، میں تمہارے لیے ساری دنیا سے جنگ کروں گی۔“

کبڑا جہاں تھا وہیں تاکھڑا رہا اور رانی اس کے پیر پکڑے روئی رہی.... اب تو اس شدت

”نمیسو کو.... اس رات صدر جنگ کے یکپ پر نمیسوہی نے حملہ کیا تھا۔“ تین چار دن تک اس کے چند آدمیوں کو جنگ میں گھیرتا پھرا تھا۔ انہی لوگوں میں عمران بھی تھا۔“

”اوہ.... تو پھر کیا ہوا....؟“

”مار دیا.... عمران نے اسے.... پہلے ناگ توڑی.... پھر گولی مار دی....!“ کبڑے نے فخر یہ لمحے میں کہا۔ جیسے اپنی اولاد کا کارنامہ بیان کر رہا ہو۔

”عمران نے.... اسے اس پاگل نے....!“

”پاگل“ کبڑا فہس پڑا۔ ”ارے وہ پاگل کب تھا....!“

”تم کتنی جلدی بدل جاتے ہو۔“ رانی جھلا گئی۔ ”یا تم نے نہیں کہا تھا کہ وہ پاگل ہے میں تو تعلیم کرنے کے لیے تیار ہی نہیں تھی....!“

”غلط... فہمی.... غلط فہمی!“ کبڑا بہتا ہوا بولا۔ ”رحمان والا واقعہ میں نے تمہیں بتایا ہی تھا۔ صاحبزادے اب تک اسی غلط فہمی میں بھلا ہیں کہ میں کسی قسم کا کوئی غیر قانونی کام کر رہا ہوں۔“

”اوہ۔ تو وہ بنا ہوا پاگل تھا اور یہاں سراغِ ریس کے لیے آیا تھا۔“

”تم بھول رہی ہو! آیا نہیں تھا بلکہ لایا گیا تھا۔ میں لایا تھا سے....!“

”کیوں لائے تھے....!“

”تاکہ رحمان ہی کی طرح وہ بھی اطمینان کر لے۔“

یک بیک رانی کا چہہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ قهر تھری پر گئی سارے جسم میں اور کبڑا سے غور سے دیکھنے لگا....

”تم بالکل گدھے ہو.... بالکل.... اس وقت میرا بھی چاہتا ہے کہ چیچی تمہیں پیٹ ڈالوں۔“ اب یہ وقت آگیا ہے کہ سرکاری جاسوس محل میں داخل ہو کر کسی کی نوہ میں رہیں۔ میں نہیں برداشت کر سکتی۔ بزرگ نہیں برداشت کر سکتی.... ابھی پولیسکل ایجنت کو فون کرتی ہوں!“

”ڈار لنگ.... ڈار لنگ....“ کبڑا گھصیل۔

”کچھ نہیں! میں کچھ نہیں سنوں گی.... دیکھوں گی اس ڈائریکٹر جزل کو.... اور اس کے بیٹے کو بھی.... کیا سمجھ رکھا ہے ان ڈائریکٹروں نے.... آزادی کیا میں کہیں کی بن آئی۔ کوئی ڈائریکٹر جزل بن رہا ہے.... کوئی سیکرٹری بن رہا ہے....!“

”چیچی ڈار لنگ۔ ایسا نہ کہو۔ رحمان کا سلسلہ نسب برادر است چنگیر خاں سے جاتا ہے۔“ ”دیکھوں گی چنگیز کے بچے کو۔ میرا بھی سلسلہ نادر شاہ درانی تک پہنچتا ہے.... اب میں کچھ نہ سنوں گی!“

سے زور ہی تھی کہ پورے الفاظ بھی زبان سے نہیں نکل رہے تھے....!

O

”آپ دونوں نیمیں مہر ہیے!“ عمران نے صدر جنگ سے کہا۔ ”میں نیچے جا رہا ہوں۔“

”نہیں ہم سب چلیں گے....!“

”کھیل نہ بگاڑیے میرا....!“

”آخر یہ سب کیا ہے....؟“

”بعد میں بتاؤں گا۔ میں بہت دونوں سے کبڑے کے پیچے ہوں۔ وہ ایک ملک دشمن اور انتہائی خطرناک آدمی ہے....!“

”میں تمہیں تھا کسی نظرے میں نہیں پڑنے دوں گا! سمجھے ماجزاے!“

عمران نے سوچا۔ واقعی یہ جگلی کھیل بگاڑدے گا۔ فی الحال تھہ خانے کا راستہ بند کر دو۔ پہلے اسے ڈھرے پر لاو۔۔۔ احتیاط ضروری تھی۔۔۔

وہ صدر جنگ اور نینا کو دہانے کے قریب ہی چھوڑ کر فانوس کی طرف جھپٹا اور پھر وہ دونوں تھہ خانے کا راستہ بند ہوتا دیکھتے رہے۔

صدر جنگ کے استفسار پر عمران بولا۔ ”اب بھی مناسب نہیں ہے۔ رات ڈھلنے دیجئے۔“

”فانوس میں کیا ہے؟“ صدر جنگ نے پوچھا۔

”فانوس چھت میں مستقل طور پر لٹک ہے۔ خلی جھے سے ایک تار اوپر تک گیا ہے۔ یہ تار قطعی غیر ضروری ہے۔ عمارت کے کسی کرنے میں فانوس نہیں دکھائی دیے لیکن یہاں موجود ہے۔ لہذا اس کی طرف توجہ مبذول ہو گئی۔۔۔ پھر اس میں بھی ایک غیر ضروری تار۔۔۔ اسی تار کو کھینچنے سے راستہ بنتا ہے۔“

”لیکن تھہ خانے میں کیا ہو گا؟“ صدر جنگ نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

”پکھہ دیر بعد دیکھے ہی لیں گے۔ فکر مت کیجئے۔“ عمران نے سر ہلا کر کہا۔

پھر جب رات ڈھلے بالکل سناٹا چھا گیا۔ عمران نے صدر جنگ کو مطلع کئے بغیر لاہبری کی راہ لی۔ دوبارہ تھہ خانے کا راستہ پیدا کیا اور ایک چھوٹی سی نارچ کی روشنی تاریک خلاء میں ڈالی دو فٹ نیچے پڑھیاں نظر آئیں۔ وہ بے جھک جیچے اترتا چلا گیا۔۔۔ یہاں گہری تار کی تھی اور کسی قسم کی آواز نہیں سنائی دیتی تھی۔۔۔ اب وہ محتاط ہی ہو کر نارچ روشن کرنا چاہتا تھا۔۔۔ بڑی دیر تک ایک ہی جگہ کھڑے رہ کر سن گن لیتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔۔۔

ثارچ کی مدد و دروشی انہیں میں چاروں طرف پکڑاتی رہی۔۔۔ عمران نے یہاں اتنے ہی کمرے شمار کیئے ہٹنے اور تھے۔۔۔ اور پھر کچھ دیر بعد وہ چپ چاپ اوپر واپس آگیا۔ اب وہ صدر جنگ کی خواب گاہ کی جانب جا رہا تھا۔ اسے جا گئے ہی پایا۔ وہ بہت ہی مضطرب نظر آ رہا تھا۔

جیسے ہی وہ دونوں خوابگاہ سے باہر آئے دوسری راہداری میں نینا سے مدد بھیز ہو گئی۔ وہ شاید اسی فکر میں تھی کہ کہیں وہ دونوں اسے نظر انداز کر کے اکیلے ہی تھہ خانے میں نہ اتر جائیں۔۔۔!

”تم جاگ رہی ہو ابھی!“ صدر جنگ نے اس سے پوچھا۔

”مجھے دیکھنا ہے کہ ان حضرت نے اب کون سا بڑا تیر مارا ہے۔۔۔!“

عمران خاموش ہی رہا۔ صدر جنگ نینا کو بھی ساتھ لے چکے پر متعرض نہیں ہوا تھا۔ وہ تینوں بعافیت تھہ خانے میں اتر گئے۔۔۔!

”اب آئیے! میں آپ کو اپنے بچا جان سے ملاوں!“ عمران نے آہستہ سے کھا اور انہیں ایک ایسے کمرے کے سامنے لایا۔ جس کے دروازے میں سلاخیں لگی ہوئی۔ جھیں اور وہ کسی جیل ہی کی کوٹھری معلوم ہوتی تھی۔ عمران نے اندر نارچ کی روشنی ڈالی۔ سامنے ہی ڈاکٹر داور فرش پر بے خبر سور ہے تھے۔

سلاخوں دار دروازہ مغلل تھا۔۔۔!

”قفل توڑو۔۔۔!“ صدر جنگ نے غصیلے لمحے میں کہا۔

”نہیں سر کار۔۔۔“ عمران سر ہلا کر بولا۔ ”ابھی بہت کچھ باقی ہے پہلے اسے بھی دیکھ لمحے اور یہاں کی کسی چیز کو بھی ہاتھ لگائے بغیر چپ چاپ واپس چلے!“

”کیوں؟“

”بجھ بعد میں کروں گا!“ عمران اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک جانب گھینٹا ہوا بولا۔ اور پھر تو صدر جنگ کی آنکھیں جیرت سے پھیل کرہ گئیں۔ کی کمرے مختلف قسم کے اسلحہ جات سے پڑے تھے۔ نامی گنسیں، برین گنسیں، دستی ہم، بلکن مشین گنسیں وغیرہ۔۔۔ رانلوں کا شمار ہی نہیں تھا۔۔۔ صدر جنگ کے جسم میں قدر تھری پڑ گئی اور عمران اسے بدقت تمام تھہ خانے سے واپس لایا۔ نینا کا چہرہ بھی زرد تھا۔ آنکھوں سے خوف جھاک رہا تھا۔۔۔ وہ پھر صدر جنگ کی خواب گاہ میں آئے۔

صدر جنگ بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”اب کیا ہو گا۔“

”مکان آپ کا ہے کوئی بھی اسے تسلیم کرنے پر تیار نہ ہو گا کہ آپ تھہ خانوں کے وجود سے لا عالم تھے۔ کبڑے کے خلاف ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ وہ سب کچھ اسی نے اکٹھا کیا ہو گا۔“

”پھر بتاؤ.... میں کیا کروں“ صدر جنگ ایک کرسی میں گرتا ہوا نحیف آواز میں بولا۔
اس کے پورے چہرے پر سینے کی نہضی بوندیں نظر آ رہی تھیں۔

”فی الحال خاموشی اختیار کیجئے۔ یہ بات ہم تمیوں سے آگے نہ بڑھنے پائے کسی کو یہ بھی نہ
معلوم ہونا چاہئے کہ ہم تہہ خانے تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔“ عمران نے کہا اور پھر
کمرے کی فضا پر بو جمل سا سکوت طاری ہو گیا۔

”اب آپ لوگ آرام کیجئے۔ میں پھر تہہ خانے میں جا رہا ہوں۔ نکاں کا دوسرا راستہ بھی
تلاش کروں گا۔“ عمران اٹھتا ہو گیا۔

”دوسری راستہ؟“ صدر جنگ نے تھت سے کہا۔ اس وقت اس کا ”گاؤ بوانے“ پن بالکل
رخصت ہو چکا تھا۔ اسارت نس کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ وہ تو اس وقت ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے
کسی طویل بیماری سے حال ہی میں نجات پائی ہو....!“

”ہاں.... دوسرا راستہ بھی!“ عمران بولا۔ ”کیونکہ کسی دوسرے راستے کے بغیر تہہ خانوں کا
کوئی مصرف نہیں رہ جاتا.... میراد عومنی ہے کہ یہ راستہ کوئی سے باہر نکلا ہو گا....!
پھر عمران انہیں تحریز دہ چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا....“

O

صدر بڑی الجھنوں میں تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہئے وہ کبڑے کے چیچھے
کیوں لگایا گیا تھا؟.... اسی لیے تاکہ اس کے خلاف کسی قسم کے ثبوت فراہم کرے لیکن کیا وہ اب
تک اس کی کسی غیر قانونی حرکت سے واقع نہیں ہو سکتا تھا دارالحکومت میں اسے شبہ ہوا تھا کہ وہ
کوئی بہت بڑا سکھر ہے۔ لیکن جب یہ معلوم ہوا تھا کہ وہ رانی ساجد گر کا شوہر ہے تو اس کے
سارے ترک و احتشام کا بھی جواز پیدا ہو گیا تھا۔ رانی غیر متوازن طرز زندگی کی بات تو اس کے
لیے دنیا کا کوئی قانون اسے کسی قسم کی سزا نہیں دے سکتا تھا....

تو پھر وہ اب تک جھک ہی مارتا رہا تھا۔ خواہ جو لیا کو بھی بلو بیٹھا تھا اور وہ ہر وقت دماغ
چلتی رہتی تھی۔ بار بار استفسار کرتی کہ اسے کیوں بلو لیا گیا ہے۔
روشی البتہ مگن تھی کیونکہ اس کا راز تو ظاہر ہی ہو چکا تھا۔ دن رات کبڑے کے ساتھ کلیں
کرتی پھرتی....

کبڑے نے توجیا کو بھی ذہب پر لانے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے زیادہ لفت ہی نہیں
دی۔ رانی نے صدر سے کھا ضرور تھا کہ جو لیا کو یہاں سے ہٹادے لیکن پھر اپنی تجویز وابس لے لی

تھی۔ اندر ہی اندر جو کچھ بھی ہوا ہو۔ صدر کو وجہ نہیں معلوم ہو سکی تھی۔
اس وقت دن کے گیاراہ بجے تھے اور صدر اپنے کمرے میں تھا بیٹھا بور ہو رہا تھا.... دفعتہ کسی
نے دروازے پر دستک دی۔....

”آ جاؤ....!“ صدر نے جھنجلا کر کہا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اسے تعظیم کے لیے اٹھ
جانا پڑا۔ کیونکہ دروازے کو دھکا دے کر اندر آئے والا ہمگد دی گرفتار تھا۔

وہ آ کر ایک آرام کرسی میں ڈھیر ہو گیا صدر نے محسوس کیا کہ آج کچھ فکر مند سا نظر آ رہا ہے۔
”کیا میں فکر مندی کی وجہ پوچھ سکوں گا یورائی یو سکری!“ صدر نے کچھ دیر بعد کہا۔

کبڑے نے کشیدہ ابر و دوں کے ساتھ اسے دیکھا لیکن کچھ بولا نہیں۔ صدر اسے تحریانہ دیکھ
رہا تھا۔ کیونکہ پہلے بھی وہ اتنا فکر مند نظر نہیں آیا تھا۔

کچھ دیر بعد اس نے اپنے خلک ہونٹوں پر زبان پھیر کر کہا۔ ”کچھ پلاو....!“
”یہاں سادہ پانی کے علاوہ اور کچھ نہ ہو گا یورائی یو سکری....!“

کبڑے نے اس طرح گھوڑ کر دیکھا جیسے اس نے کوئی بات اس کی شان کے خلاف کہہ دی ہو
لیکن وہ کچھ بولا نہیں۔ قیچی کی طرح پڑھنے والی زبان آج نہ جانے کیوں جبکش کرنے میں بھی
کامل محسوس کر رہی تھی....

کچھ دیر بعد وہ پھر صدر کو گھوڑتا ہوا بولا۔ ”میں نے تم کو کیوں ملازم رکھا تھا؟“
”ایک آدمی کو قتل کرنے کے لیے....!“

”لیکن تم نہیں کر سکے....!
”ملاکب تھا....!“

”مجھے معلوم ہے کہ مکمل سراغ سانی بھی اس کی تلاش میں ہے۔“ کبڑے نے کہا۔ اور پھر
بھج سوچنے لگا۔ کمرے پر خاموشی مسلط تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بولا۔ ”بہر حال تم نے ابھی تک
بترے لیے کچھ بھی نہیں کیا۔“

”اس کے علاوہ اور کیا فرمایا تھا سر کار نے جو میں نے نہیں کیا۔“

”خیر کوئی بات نہیں.... آج رات کو تیار رہنا ایک خاص قسم کی مہم در پیش ہے۔“
”مہم کی نوعیت کیا ہو گی۔ بتا دیجئے تاکہ اسی کی مناسبت سے تیاری کی جائے۔“

”نوعیت کی فکر نہ کرو.... مردے نہیں ڈھونے پڑیں گے۔“

”اس کے لیے بھی تیار ہوں سر کار!“

”تمہاری دوست کہاں ہے؟“

"ہو گی کہیں...!" صدر نے لاپرواں سے کہا۔
 "بڑے خوش نصیب ہو!" کہرا ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولا۔ "ارے وہ تو آس کریم ہے
 آس کریم...!"
 "میں نے کبھی غور نہیں کیا... ضرورت بھی کیا ہے!"

پھر تاریخ دیر بعد صدر پر تاریخ توں کا پچھا ٹوٹ پڑا کیونکہ اب وہ کسی تہہ خانہ میں کھڑے تھے۔
 تاریخ کی روشنی کا دائرہ ایک ایسے دروازے پر رکا تھا جس میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں...
 "یہ ریاست کا ایک قیدی ہے!" کہرا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ وہ سلاخوں دار دروازے کے
 قریب پہنچ چکے تھے اور تاریخ کی روشنی سلاخوں سے گذر کر کمرے کے اندر پہنچ رہی تھی۔ سامنے
 ہی ایک آدمی نظر آیا جو پال تھی مارے فرش پر بیٹھا ہوا تھا۔ تاریخ کی روشنی سے چند ہیا کر اس نے
 آنکھیں بند کر لی تھیں۔ ہر چند کہ بڑھے ہوئے شیونے چہرے کو بدھیت بنا دیا تھا۔ لیکن صدر کو
 پہچان لینے میں دشواری نہ ہوئی یہ واکرڈ اور تھے۔

"یہ ریاست کا قیدی ہے اسے بہاں سے دوسرا جیل میں منتقل کرنا ہے۔" کہرے نے کہا۔
 "چھوٹتے ہی تمہل نہ کر بیٹھے گا...." صدر نے پوچھا۔

"نہیں... خطرناک آدمی نہیں ہے۔" کہرے نے کہا اور بھک کر قتل میں کنجی لگانے لگا۔
 اس نے تاریخ بجھا کر صدر کے ہاتھ میں دے دی تھی قتل کھل کر فرش پر گرا۔... دروازہ
 دھکلیے جانے کی آواز اندر ہیرے میں گوئی اور کہرے نے سر گوشی کی "تاریخ روشن کرو۔"
 لیکن قبل اس کے کہ وہ تاریخ کا بنی دبانتا.... تیز قسم کی روشنی میں نہا گیا۔ ساتھ ہی گر جدار
 آواز سنائی دی۔ "اپنے ہاتھ اوپر اٹھاؤ...!"

روشنی سرچ لائٹ کی تھی۔ دونوں بوکھلا کر مڑے اور ان کی آنکھیں جیرت سے پھیل
 گئیں۔ چند مثیری آفیسر زانہیں گھیرے ہوئے نصف دائرے میں کھڑے تھے اور ان کے ہاتھ میں
 نامی گنیں تھیں۔ ان کے قریب ہی عمران کھڑا مسکرا رہا تھا۔

"ہا میں... یہ کیا!" کہرے نے صدر سے کہا۔ "ابے یہ تو نے مجھے کہاں لا پھنسایا وہ
 خوبصورت لڑکاں کہاں ہیں؟"

"نہیں چلے گی بیٹا... چاروں طرف سے جکڑ چکا ہوں!" عمران نے قہقہہ لگایا۔ "اب تم کسی
 طرح بھی نہیں نجع سکو گے۔ یہ مثیری کی سیکرت سروس کے آدمی ہیں۔"

"میں کچھ بھی نہیں سمجھا برخوردار... مم مگر تم بہاں کہاں... کیا بہتر نہیں بازی بھی
 شروع کر دی ہے۔" کہرے نے مسکرا کر کہا۔

"جھنگلیاں ڈال دواس کے ہاتھوں میں...!" عمران غرایا۔
 "ڈال دو۔" کہرا بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ پھر جملہ کر صدر کی طرف مڑا اور کھینچ لگا۔ "یہ
 کہاں لا پھنسایا تو نے مر دو۔ کہاں ہیں وہ طرحدار نیاں جن کی لائچ دلا کر مجھے بہاں لایا تھا۔!"

"ہا میں...!" عمران بھی صدر کو گھور کر بولا۔ "یہ تم نے رنگیوں کی دلائی کب سے شروع
 چلنا بھی مجال ہو جاتا۔ کیونکہ غار کی تاریکی بے داغ تھی۔

رات تاریک تھی۔ آسمان گہرے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس لیے سنسان راہیں تاروں کی
 چھاؤں سے بھی محروم ہو گئی تھیں....
 صدر اور ہمہ بیچ جیپ میں سفر کر رہے تھے۔ صدر کو علم تھا کہ کہرا اپوری طرح ملکے ہے....
 "کیا خیال ہے۔ یورائیٹو سکری۔" صدر نے پوچھا۔ "تمہائیں مٹھوئیں کی نوبت بھی آجائے
 گی یا نہیں...."

"کیوں؟" کہرا چونکہ پڑا۔ وہ خود ہی جیپ ڈرائیور کر رہا تھا۔
 "بس یونہی پوچھ لیا تھا۔ کوئی خاص بات نہیں۔ ویسے میری انگلی ٹریگر پر چلنے کے لیے بہت
 دنوں سے بے جیں ہے...."

کہرے کی "ہوں" سکافی طویل تھی.... پھر راستہ خاموشی سے طے ہوا تھا اور صدر کے لیے
 منزل ہا علوم تھی۔ اس کے پوچھنے پر بھی کہرے نے کچھ نہیں بتایا تھا....
 کچھ دیر بعد کہرے نے جیپ ایک دیوارے میں روک دی۔ چاروں طرف جھنگلیاں اور چھوٹی
 موٹی چنانیں بکھری ہوئی تھیں۔ وہ دونوں گاڑی سے اتر آئے پھر کہرا ایک جانب چل پڑا۔ صدر
 اس کے پیچھے چل رہا تھا۔ اس نے اپنی پتلون کی جیب تھپتیاً رویا اور موجود تھا اور کسی لمحے بھی
 آتشیں نہ سانے کے لیے باہر نکل سکتا تھا...!

پھر وہ کچھ اوپنی چنانوں کے درمیان ایک نگہ سے درے میں داخل ہوئے... بہاں
 کہرے نے تاریخ روشن کریں...!
 تقریباً آدھے گھنٹے تک وہ پیل چلتے رہے! کبھی کھلے میں نکل آتے اور کبھی پھر دشوار گزار
 راستوں سے گذرنا پڑتا۔ بالآخر ایک جگہ کہرے نے رک کر چاروں طرف تاریخ گھمائی۔ روشنی کا
 دائرہ اندر ہیرے کا سینہ چاک کر تا پھر ا... یہ جگہ بھی اوپنی پنچی چنانوں سے بھری پڑی تھی....
 اب وہ ایک غار کے نگہ سے دہانے میں قدم رکھ رہے تھے... تاریخ نہ ہوتی تو ایک قد
 چلانا بھی مجال ہو جاتا۔ کیونکہ غار کی تاریکی بے داغ تھی۔

لر دی صاحبزادے، میں تمہارے والد صاحب کو ضرور خط لکھوں گا۔“
”کیا تم اسے جانتے ہو...؟“ کبڑے نے تحریر لجھے میں پوچھا۔
”کیوں نہیں... اپنے ہی پیٹ کے کیڑے کو نہ جانوں گا۔“ عمران نے کسی بڑھیا کے سے
انداز میں کہا۔

”میا مطلب...؟“

”یہ سیکرت سروس کا ایک مجرم ہے پیدا رے پچھے شتر!“

”ڈو... ڈوب گیا...!“ کبڑا آگے پیچھے جھوٹا ہوا بولا اور دھم سے... اونچے منہ فرش

پر آگرا۔

”تینی گنوں کا رخ اس کی طرف کئے رکھو۔“ عمران نے مٹڑی آفیسرز سے کہا۔ ”مکارا عظم ہے۔“
لیکن عمران کی ایک نہ چل کیونکہ وہ آخری مکاری کے پیشترے بھی دکھائی گیا تھا۔ گرتے
گرتے جیب سے ایک شیشی نکالی تھی اور اونچے گر کر اسے منہ میں الٹ لیا تھا۔ سب سمجھے کہ
چکرا کر گر گیا ہے... غشی طاری ہو گئی ہے۔

اب غالی شیشی اس کی مٹھی میں دبی ہوئی تھی اور سریع الاشرذہ رپانہ کام کر چکا تھا... یہ تھا
ہزاریم یونسکریئی ہمگردی گریٹ کا انعام۔ یعنی جیتنے جی اسے کوئی بھی با تحفہ نہ لگا سکتا۔

O

صفدر نے شبہ ظاہر کیا تھا کہ رانی ساجد نگر کے محل میں بھی تہہ خانوں کے امکانات ہو سکتے
ہیں۔ اس نے بتایا کہ پرانی عمارت میں کبڑے ہی نے ایک حصے کا اور اضافہ کرایا تھا.... لہذا عمران
نے اس سلسلے میں پولیسکل ایجنت سے گفت و شنید کر کے تلاشی کا اجرا نامہ حاصل کر لیا تھا۔
اب صدر کی قیادت میں محل کی تلاشی ہو رہی ہوئی تھی اور عمران رانی کے ساتھ مفرغ بیکی کر رہا تھا۔ وہ
اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا کہ کبڑا بہت ناخبار آدمی تھا۔

”کیا آپ کسی غدار کو برداشت کر سکتی ہیں؟“

”وہ غدار نہیں تھا۔“ رانی سکیاں لیتی ہوئی بولی۔

”بہت بڑا غدار...! صدر جنگ کے تہہ خانوں سے کچھ کاغذات بھی ملے میں جن سے
ٹائب ہوتا ہے کہ وہ ایک غیر ملکی ایجنت تھا اور یہاں ایک مخصوص قسم کے انقلاب کی تیاریاں
کر رہا تھا۔ ڈاکٹر داور سے آپ واقف ہی ہوں گی وہ اس کی قید میں تھے جس ملک کا وہ ایجنت تھا اسی
ملک سے ایک ایسا سارہ چھوڑا گیا تھا۔ جس کے سکنی صرف اسی ملک کے مخصوص ریسیور ہی کیج کر

سکتے تھے۔ یقین دنیا کے لیے وہ سیارہ قطعی ہے آواز تھا۔ لیکن ڈاکٹر داور نے اپنے ٹیلیسکوپ کیسرے
سے اس کی تصویریں اتار لی تھیں۔ ہمگر نے وہ تصاویر حاصل کرنے کی جدوجہد شروع کر دی
ٹیلیسکوپ کیسرہ بھی اڑا دنیا چاہتا تھا کیونکہ ویسا کیسرہ ساری دنیا میں صرف ڈاکٹر داور ہی کے پاس
تھا۔ آپ جانتی ہی ہوں گی کہ وہ کتنے بڑے حاشرت اور ماہر فلکیات بھی ہیں۔ جب انہوں نے
محسوس کیا کہ کوئی نامعلوم آدمی ان کی تجویز گاہ کے گرد منڈلا رہا ہے تو انہوں نے کیسرہ اور اس
پکڑا ہی لیا اور ان پر تشدد کر تارہا کہ وہ ساری چیزیں اس کے حوالے کر دیں۔ یہ بھی سنئے کہ وہ اس
غیر ملکی تنظیم کا سر غندہ تھا۔“

”وہ سب کچھ تھا مگر یہ بتاؤ کہ اب میں کیا کروں؟“ رانی پھر بلک بلک کرو نے لگی اور تو اور روشنی
صاحبہ بھی سکیاں لے رہی تھیں۔ ان کی آنکھیں بھی سرخ تھیں اور پلکوں پر دورم آگیا تھا۔
عمران نے اسے علیحدہ لے جا کر پوچھا کہ آخر وہ کیوں رو رہی ہے۔

”بہت گریٹ آدمی تھا۔“ روشنی بولی۔ ”ایک قابلِ رحم ہے۔ اور اسے عمران وہ مر گیا۔ یقین
نہیں آتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میری زندگی کا بھی کوئی گوشہ دیراں ہو گیا ہو۔“
”ہائیں۔ ہائیں!“ عمران نے حیرت سے آنکھیں چھاڑ دیں۔ ”یہ تم کہہ رہی ہو۔ ... تم...!“
”ہاں میں کہہ رہی ہوں اور جو کچھ بھی کہہ رہی ہوں وہ کسی مرد کی سمجھ میں بھی نہیں آسکتا۔“
عمران نے برا سامنہ بنا کر شانے سکوڑے... اور پھر ڈھیلے چھوڑ دیئے۔

O

کیپن فیاض اپنے آفس میں تھا تھا۔ شام کے سات بجے گئے تھے لیکن کام ابھی ثتم نہیں ہوا
تھا۔ دوسروں کو بھی وہ اپنے ساتھ الجھائے رکھنے کی کوشش کبھی نہیں کرتا تھا۔ اس کے ساتھے
ماحت جا چکے تھے۔ دفعٹا وہ چوک پڑا۔ کوئی ہندنی سی چیز گدی سے آگئی تھی۔

”چپ چاپ بیٹھے رہو۔“ ایک غراہٹ بھی نسائی دی اور پھر بولنے والا چھل کر سامنے پہنچ
گیا۔ فیاض کو ایسا لگا جیسے کسی نے روح قبض کر لی ہو۔ چلو نزو و اسامنے کھڑا تھا اور اعشار یہ چار پانچ
کا خونخوار ہوا اور اس کے ہاتھ میں ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے قدیم داستانوں کے کسی جادوگر کا ٹلسما تی
ڈنڈا...“

”کیسے مراجی ہیں پیدا کے کپتان صاحب!“ اس نے مسکرا کر کہا اور رہا اور فیاض کے سامنے
میز پر ذاتا ہوا بولا۔ ”آج میں خود ہی گرفتار ہونے کے لیے آیا ہوں۔ کبڑے کا انعام تو تمہیں

معلوم ہو ہی گیا ہو گا۔“

”مم ہپ.... فیاض ہکلایا۔

”جھکڑیاں منگوائیے۔ سر کار۔ سوچ کیا رہے ہیں؟“ اس بار اس کی آواز سن کر فیاض اچھل
ہی پڑا اور دونوں ہاتھوں سے آنکھیں مل مل کر اسے گھورنے لگا۔...

”ت..... تم..... ہو.....!“

”ہاں میری جان.....“ پھلو نزو دانے اپنے چہرے سے پلاسٹک کا وہ خول اتارتے ہوئے کہا۔

”میں ہوں تمہارا اونٹی خادم علی عمران ایم ایمس سی پی اچ ڈی (آس کریم)
”لل۔ لیکن“

”پھلو نزو دا پتہ نہیں کب کام رکھ گیا ہو گا..... بجگ عظیم کے دوران جو جہاز غرق ہوا تھا
اس میں وہ بھی تھا..... لیکن بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ پھلو نزو دا کے ساتھ ایک کبڑا بھی تھا یہ
دونوں جرمی کے لیے کام کرتے تھے..... جب روس اور جرمی کی ملکی گنی تو اسی بات پر دونوں
میں جھگڑا ہو گیا تھا جو اتنا بڑا کہ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو گئے اور کبڑا رو سیوں سے جا
مل۔ پھر جب وہ مجھے بہاں نظر آیا تو میں نے بعض نشانوں کی بنا پر اسے پہچان لیا پھر بھی مجھے یقین
کر لیئے کے لیے کوئی جواز نہ تھا۔ وفات پھلو نزو دا کی سوجھ گئی کبڑے نے مجھے دیکھا اور بھڑک گیا ایک
فائر بھی کیا تھا مجھ پر لیکن میں نیچ گیا۔۔۔ اس دن کے بعد سے وہ پھر میری نظروں سے او جھل ہو
گیا۔ لیکن سیکھ سروس کے بعض جیالوں نے اسے پھر سے ڈھونڈ نکالا۔ سنا ہے کہ اس کیس میں
سیکھ سروس کا چیف تمہارے مجھے سے بھی تعاون کر رہا ہے۔۔۔ کہو ساجد نگر کے محل میں کیا رہا؟“
”وہ..... وہاں.....“ فیاض تھوک نگل کر بولا۔ ” محل کی نئی عمارت کے نیچے بھی تہہ خانے
ملے ہیں۔۔۔ ڈھیروں اسلجھے۔۔۔ کا مقذرات اور نہ جانے کیا کیا۔۔۔ رافی نے زہر کھالیا تھا۔۔۔ لیکن
بروقت طبی امداد پہنچ گئی۔۔۔ سنا ہے اس کی حالت ابتر ہے۔۔۔ جب بھی ہوش آتا ہے ”همبی
همبی۔۔۔“ چینے لگتی ہے۔۔۔!

عمران نے مایوسانہ انداز میں سر ہلایا۔۔۔!

(تمام شد)